اس دور کی سب سے آسان، عام فہم اور مستند تفسیر قرآن کریم

آسان تفسیر

پارہ الم اول

مرتب

مولانا محمد یعقوب قاسمی

سابق استاذ حدیث و تفسیر دار العلوم سہارنپور

دار التفسیر دار العلوم دیوبند

ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

50/=

شائع کردہ

ادارہ دعوت و تبلیغ

گلی آئی سی آئی سی بینک منڈی سمیتی روڈ سہارنپور یوپی موبائل 9837375773

اس دور کی سب سے آسان و عام فہم اور مستند تفسیر کلام پاک
جسکا ہر گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے

آسان تفسیر اردو

ترجمہ قرآن شریف
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ

مرتب
مولانا محمد یعقوب قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند

پارۂ الٓمٓ جزء اول

(شائع کردہ)
ریا آباد، گلی ۲ آلی جنگی سہارنپور (یو۔پی) ۲۴۷۰۰۱

ہدیہ :-

فہرست مضامین آسان تفسیر پارہ الٓمٓ جزاول

تفسیر ھذا کے ماخذ: (۱) بیان القرآن (۲) معارف القرآن (۳) تفسیر حقانی (۴) تفسیر ابن کثیر (۵) تفسیر مظہری (۶) تفسیر بیضاوی (۷) تفسیر روح المعانی (۸) تفسیر کشاف (۹) جلالین مع حاشیہ وغیرہم

تقریظ

جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد !

مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی نے اپنے صالحانہ علمی ذوق، اور وقیع تحریری شوق کے تحت "آسان تفسیر" کا سلسلہ جاری فرما رکھا ہے۔

موصوف اپنے اکابر رحمہم اللہ کے تفسیری علوم سے استفادہ کے ساتھ عامۃ المسلمین کیلئے نہایت آسان زبان میں یہ تفسیر مدوّن فرمارہے ہیں۔

یہ تفسیر واقعتہً اسم بامسمیٰ ہے یعنی آسانی کی وجہ سے عوامی مقبولیت اس تفسیر کو الحمدللہ شروع ہی سے حاصل ہے، تکمیل کے بعد یقین ہے کہ مولانا کی یہ تفسیر عامۃ المسلمین میں غیر معمولی مقبولیت کے ساتھ عظیم افادہ کا ذریعہ بنے گی۔

اور یہ محض توقع نہیں بلکہ بیس پاروں کی تکمیل کے بعد مقبولیت نے اس توقع کو یقین میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ مرتب محترم کے خلوص نیت پر شاہد عدل ہے۔

حق تعالیٰ اس سلسلۂ خیر کی تکمیل کرادے اور مؤلف محترم کے حق میں اسے صدقۂ جاریہ فرما کر قبولیت و مقبولیت عطا فرمائے، آمین

احقر محمد سالم

یکم جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

رائے گرامی

فقیہ الاسلام حضرت اقدس الحاج الشاہ مولٰنا

مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

خلیفۂ اجل مناظر اسلام حضرت اقدس الشاہ مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد!

قرآن کریم جو انسانوں کی فکری وعملی زندگی کیلئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس کی مختلف زبانوں میں مختلف حضرات علماء مترجمین ومفسرین نے تفسیریں کی ہیں جس میں اس کے علوم اور دقائق کو مختلف اسالیب سے بیان کیا گیا ہے۔

اس وقت میرے پیش نظر مولانا محمد یعقوب صاحب فاضل دار العلوم دیوبند کی "آسان تفسیر" ہے جو اسم بامسمّٰی ہے، میں اپنی مصروفیات کے سبب اس کا مطالعہ نہیں کرسکا ہوں۔ مگر اس کے جو عنوانات اور سطور نظر سے گذری ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے ساتھ مختلف تفسیروں سے اخذ کرکے جو تفسیر تحریر کی ہے اور اقوال وتحقیق کے ساتھ جو اقتباسات لکھے ہیں وہ نہایت سہل اور آسان زبان میں ہیں جو عوام وخواص دونوں کیلئے مفید اور نافع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو شرف قبول بخشے۔ آمین

العبد مظفر حسین المظاہری

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

قلبی تأثرات

عارف باللہ محدث کبیر حضرت مولانا سیّد محمد عاقل صاحب مدظلہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

خلیفہ و تلمیذ خاص حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مہاجر مدنی

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، وبعد!

میرے مخلص دوست و محب جناب مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند جو بحمد اللہ علمی ذوق رکھتے ہیں اور چند مفید دینی و علمی کتابیں تالیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔

مولانا موصوف نے ایک عرصہ سے قرآن کریم کی اردو تفسیر کی تالیف و اشاعت کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، ایک ایک جزء (پارہ) تالیف کے ساتھ ساتھ طبع ہو رہا ہے اب تک بیس پارے شائع ہو چکے ہیں۔

اس تفسیر کی توصیف و تعریف کے بارے میں یہ لکھنا مناسب ہوگا کہ خود مصنف دام فیضہ نے اس کے شروع میں "عرض حال" کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ انشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔

بلا تکلف و عبارت آرائی کے قرآن پاک کی آیات کی تفسیر و تشریح نہایت سہل انداز میں لکھے جاتے ہیں، بغلی سرخیوں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اخذ مضامین میں کتنی سہولت ہو جاتی ہے کلام پاک میں جہاں جہاں انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے واقعات کا ذکر آیا ہے ان واقعات کی حسب ضرورت تفصیل بھی لکھی گئی ہے، آیات کا شان نزول نیز باہمی ربط اس کے علاوہ بھی بعض علمی نکات طلبہ اور اہل علم کی رعایت میں اس تفسیر میں شامل کر دیئے گئے ہیں اور یہ تمام چیزیں تفسیر کی مستند و معتبر کتب سے لی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ تفسیر نہ صرف اردو پڑھے لکھے حضرات بلکہ عوام و خواص سبھی کیلئے نافع ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں اس میں زیادہ دخل مصنف کے اخلاص کو ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور اس تفسیر کی بسہولت تکمیل فرما کر اسکے فائدہ کو عام اور تام فرمائے۔ واللہ الموفق والمیسر لکل عسیر فقط

محمد عاقل
مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۱۲ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ

ارشاد گرامی

صاحب معقول و منقول حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب دامت فیوضکم

ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد

برادرم مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ کی قرآن کریم سے متعلق مبارک علمی خدمات کا سلسلہ "آسان تفسیر" کے نام سے کافی عرصہ سے جاری ہے۔

علماء امت نے ہر زمانے میں اپنی سعادت سمجھتے ہوئے قرآن کریم کی ہمہ جہت خدمات انجام دی ہیں قرآن شریف حق تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی جیسے تمام صفات ازلی وابدی ہیں ان کی صفت کلام بھی ازلی ابدی ہے، جس طرح تمام صفات کے کمالات کبھی ختم نہوں گے ایسے ہی ان کے کلام پاک کے کمالات بھی کبھی ختم نہوں گے۔

اسی کو ایک موقع پر حدیث شریف میں اس طرح بیان کیا گیا "لا تنقضی عجائبہ" دنیا ختم ہوجائے گی مگر قرآن پاک کے عجائبات کبھی ختم نہوں گے اس لئے یقیناً قرآن پاک کی خدمات کا مبارک سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

دور حاضر میں مسلمانوں کا تعلق صرف عربی فارسی زبان سے ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اردو زبان سے بھی ختم ہوتا جارہا ہے اس لئے تفسیری تحقیقات میں جسقدر آسانی اور سہولت برتی جائے گی اسی قدر قرآن پاک کا فیض عام ہوگا۔

اسی نیت سے موصوف نے اس مبارک خدمت کا سلسلہ شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ تکمیل فرمائے اور قبول عام سے نوازے، آمین۔ فقط

محمد سلمان

۷ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

نقوش و تاثرات

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین
قرآن مقدس کی خدمت جس نوعیت کی ہو باعث اجر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ شروع سے اب تک ہزاروں علماء کرام اس خدمت کو اپنے لئے سرمایہ عاقبت بنا چکے ہیں، چھوٹی بڑی ہزاروں تفسیریں مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں

مولانا محمد یعقوب صاحب فاضل دیوبند ان نوجوان علماء میں ہیں جن کو لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کا اچھا خاصہ ذوق ہے، اور آپ کی کئی کتابیں شائع بھی ہو چکی ہیں، خوشی کی بات ہے کہ وہ اب "آسان تفسیر" کے نام سے کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تفسیری سلسلہ شروع کر رہے ہیں چونکہ مولانا موصوف کا مزاج علمی ہے اس لئے یہ آسان تفسیر بھی علمی نکات سے مالا مال ہے زبان عام فہم اور ہلکی پھلکی ہے، ہر شخص آسانی کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکتا ہے امید ہے کہ یہ تفسیر عوام و خواص کے لئے مفید ثابت ہو گی، اور نوجوان مسلمان بچے بچیاں خصوصی طور پر اس سلسلہ سے فائدہ اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ مولانا کی یہ خدمت قبول فرمائے اور ان کے لئے زاد آخرت بنائے

طالب دعا

محمد ظفیر الدین غفرلہ

دار العلوم دیوبند

۲۴/۷/۹۹ھ

عرض حال

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

چند ماہ سے تلخیص بخاری شریف کے نام سے ایک پروگرام شروع کر رکھا ہے جس میں بخاری شریف کی احادیث پاک کا ترجمہ و تشریح نہایت سہل انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے اسی کے ساتھ حضرات اساتذہ اور مشائخ طریقت کا مفید و بیش قیمت مشورہ اور احباب و فدایان اسلام کا اصرار ہوا کہ اسی نہج پر قرآن کریم کی مختصر تفسیر بھی لکھی جائے جس سے عوام پورے طور پر مستفیض ہو سکیں اور قرآن شریف میں جو بیش بہا بنیادی و مذہبی معلومات ہیں ان سے یہ طبقہ بھی محروم نہ رہ سکے، ـــ اس میں شک نہیں کہ اکابرین امت اور علماء دین قرآن کریم کی ہر طرح سے خوب خدمت انجام دے چکے مگر قرآن ایک ایسا بحر بیکراں ہے کہ اس پر جتنا بھی کام کیا جائے کم ہی کم ہے اس تفسیر میں آپ جو کچھ ملاحظہ فرمائیں گے وہ سب اکابر امت کی قدیم و جدید مستند و معتبر تفاسیر سے جمع کیا گیا ہے، اور قرآن پاک کا ترجمہ رأس المفسرین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے، چونکہ یہ دور ایسا ہے جس میں اکثریت فارسی و عربی تو درکنار صحیح اردو سے بھی ناآشنا ہوتی چلی جارہی ہے اور اصطلاحات مفسرین سے تو بالکل ہی نابلد ہے، ایسی صورت حال میں آئندہ نسلوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے ظاہر ہے۔

اس لئے احقر نے صرف اتنا کام کیا ہے کہ اکابر کی تفسیروں میں جو باتیں عوام کے مناسب سمجھیں کہ جس سے بآسانی قرآن شریف کے مفہوم کو سمجھ سکیں ان کو چن چن کر عام فہم انداز میں یکجا کردیا ہے، اور علماء و طلباء کے لئے "اقوال و تحقیق" کے عنوان سے آیات مقدسہ کی تفاسیر و مطالب میں جو اقوال علماء مفسرین سے منقول ہیں ان کو اور جو علمی و نکاتی تحقیقات کی ہیں ان میں سے اہم ترین کو منتشر مقامات اور مختلف کتب سے ترتیب دے کر اس تفسیر کا اہم جزء بنادیا گیا ہے تاکہ یہ تفسیر عوام و خواص میں یکساں طور پر مفید ثابت ہوسکے۔

اس طور پر انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہونے کی جرأت کی ہے، دعا ہے کہ رب دوجہاں اس اہم اور عظیم کام کو بخیر و عافیت تمام تکمیل تک پہنچادے اور مجھ گنہگار کو اخلاص کی دولت سے نوازے، اور اس کو میرے اور میرے والدین کے لئے ذریعۂ نجات بنائے، اللّٰھم آمین۔

محتاج دعا

محمد یعقوب عفی عنہ۔ ۱۰ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

قرآن اور اس کی تفسیر

اس عنوان کے تحت بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، مگر چونکہ ہمارے پیش نظر اختصار ہے اس لئے مختصر ہی پیش خدمت ہے۔

کلام اللہ کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی خود حق تعالیٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر۔

تلاوت کا نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جن گھروں میں کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ مکان آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسے کہ زمین والوں کے لئے آسمان پر ستارے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں کلام مجید پڑھا جاتا ہے اس کے اہل وعیال کثیر ہوتے ہیں، خیر و برکت بڑھ جاتی ہے فرشتے اس میں نازل ہوتے ہیں اور شیطان اس گھر سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی، اس میں تنگی اور بے برکتی ہوتی ہے، فرشتے اس گھر سے چلے جاتے ہیں شیطان اس میں گھس جاتے ہیں۔

قرآن اصل دین ہے قرآن شریف اصل دین ہے اس کی بقا و اشاعت پر ہی دین کا مدار ہے اس لئے اس کے سیکھنے سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے۔

البتہ کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب و مقاصد سمیت سیکھے، اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے، ایک حدیث میں ہے کہ جس نے کلام پاک حاصل کر لیا اس نے نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کر لیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی میں غور کرو۔

قرآن سے غافلوں کی سزا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کا حال دکھلایا گیا جس کے سر پر ایک پتھر اتنی زور سے مارا جاتا تھا کہ اس کا سر کچل جاتا تھا حضورؐ کے دریافت کرنے پر بتلایا گیا کہ اس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنا کلام پاک سکھلایا تھا مگر اس نے نہ رات کو اس کی تلاوت کی اور نہ دن میں اس پر عمل کیا، اس لئے قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ رہے گا۔

اس حدیث پاک میں قرآن سیکھنے کے بعد بھی تلاوت اور عمل نہ کرنے پر تنبیہ فرمائی گئی، اور جو لوگ

کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں ان کے لئے حدیث پاک میں خوشخبری سنائی گئی ہے، ایسے لوگوں کے لئے اللہ رب العزت کے دربار میں قرآن پاک جھگڑے گا اور شفاعت کرے گا اور ان کے درجے بلند کرائے گا، اللہ تعالیٰ سب ہی مسلمانوں کو قرآن شریف کے سیکھنے، سکھانے اور اس پر عمل کرنے کرانے والا بنائے، اللّٰھم آمین۔ (افادات حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ)

فضائل سورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ کو قرآن کریم میں بہت سی خصوصیات حاصل ہیں، اول یہ کہ قرآن اسی سے شروع ہوتا ہے، نماز بھی اسی سے شروع ہوتی ہے، سب سے پہلے یہی سورۃ مکمل طور پر نازل ہوئی، سورۂ اقرا، مزمل مدثر کی چند آیتیں ضرور اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں مگر مکمل سورۃ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہی نازل ہوئی۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورۃ ایک حیثیت سے پورے قرآن کا متن یعنی خلاصہ ہے اور تمام قرآن اس کی شرح و تفصیل ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام احادیث پاک میں اُم القرآن اور اُم الکتاب آیا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ج۱)

اس کا ایک نام سورۂ شفا بھی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ سورۂ فاتحہ ہر زہر کے لئے شفا ہے، ایک مرتبہ کسی کو سانپ نے کاٹ لیا حضرت ابو سعید خدریؓ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا وہ اچھا ہو گیا (تفسیر ابن کثیر ملخصًا) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کے لئے شفا ہے (تفسیر بیضاوی شریف) اس سورت کا ایک نام کنز بھی ہے، کنز کہتے ہیں اس مال کو جو محفوظ کر کے کسی چیز کے اندر رکھ دیا جائے، چونکہ سورۂ الحمد کے اندر قرآن کریم کے قیمتی مضمون جو مال سے کہیں زائد عمدہ ہیں جمع کر دیئے گئے ہیں، حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ الحمد ایسے خزانہ سے نازل کی گئی ہے جو عرش کے نیچے ہے (خلاصہ حاوی ج۲۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے سورۂ الحمد جیسی کوئی سورت نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں اور نہ زبور میں اور نہ ہی خود قرآن شریف میں کوئی دوسری سورت اس جیسی ہے (معارف القرآن ج۱ ص۱۷)

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ
سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿١﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿٢﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿٣﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿٤﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ جو مالک ہیں روز جزا کے۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔ بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستے سے گم ہو گئے۔

تفسیر سورۂ فاتحہ اللہ اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے جس کی تفصیل حدیث شریف میں یہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سورۂ الحمد میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے، آدھی میرے لئے، اور آدھی میرے بندے کے لئے۔ اور جو کچھ میرا بندہ مانگتا ہے وہ اسے دیا جائیگا، پھر حضور نے فرمایا کہ جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی اور جب بندہ کہتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندہ کہتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے

نے میری بزرگی بیان کی، اور جب بندہ کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان بٹی ہوئی ہے کیوں کہ اس میں اللہ کی تعریف بھی ہے اور بندہ کی دعا و درخواست بھی اسی کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی، پھر جب بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے وَلَا الضَّآلِّيْنَ تک پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ یہ سب میرے بندے کیلئے ہے اور اس کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی (مسلم شریف بحوالہ معارف)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو پالنے والا ہے سارے جہان کا، مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں، جس نے زمین و آسمان، چاند و سورج، ستارے، ہوا، بارش، فرشتے، جن و انسان، حیوان، پھول پودے، پہاڑ و سمندر وغیرہ کو پیدا کیا اور ان کی تربیت کرتا ہے۔

اقوال و تحقیق

یہ عنوان خاص طور سے اہل علم کے لئے قائم کیا گیا ہے، اس میں اہم تحقیقات اور اقوال کو درج کیا گیا ہے، بعض مقامات پر اقوال کے نقل کو حق تعالیٰ نے بھی اختیار فرمایا ہے، اس لئے ہم نے اقوال ہی پر زیادہ توجہ دی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ الآیہ، یعنی اصحاب کہف کی تعداد بعض لوگ تین بتلائیں گے اور بعض سات کہیں گے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ:- قاضی بیضاوی رح نے لکھا ہے کہ رب کے معنی تربیت کے ہیں، اور تربیت کا مطلب ہے، کسی شئی کو بالتدریج تکمیل تک پہونچا دینا، یہ صفت چونکہ حق تعالیٰ میں ہے کہ منی کے قطرے سے رفتہ رفتہ مکمل جسم ڈالا بنا دیتا ہے۔ وغیرہ اس لئے اس کو رب کہا جاتا ہے، ربّ کا لفظ اللہ کے ساتھ خاص ہے، دوسرے کے لئے اضافت کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے جیسے رب الدار، یعنی گھر کا پالنے والا۔

العالمین، عالَم سے کیا مراد ہے حافظ ابن کثیر رح نے اس سلسلے میں بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں یہاں تین کو قلمبند کیا جاتا ہے۔ (۱) بعض کی رائے ہے کہ عالمین سے مراد انسان ہیں (۲) ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد، ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں، اس سے مراد انسان اور جن ہیں (۳) خدا کے علاوہ پوری مخلوق ہے چاہے وہ زمین میں ہو یا آسمان میں، یا ان کے درمیان میں، خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو، یہ قول ابن عباس زجاج رض کا ہے، علامہ قرطبی رح نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے، یہی خیال حافظ ابن کثیر رح کا معلوم ہوتا ہے

(حاصل تفسیر بیضاوی، ابن کثیر)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ یعنی جو مالک ہے روز جزا کا ، روز جزا اس دن کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھے بُرے کاموں کے بدلے کے لئے مقرر فرمایا ہے ۔

سوال :- اللہ تعالیٰ دنیا کی ہر ہر چیز کے آج بھی مالک ہیں ، پھر خاص روز جزا کا مالک فرمانے میں کیا حکمت ہے ؟

جواب :- اس کا یہ ہے کہ اس دنیا میں اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک قسم کی ناقص ملکیت انسان کو بھی عطا فرما رکھی ہے ، دیکھو دنیا میں انسان مال و دولت کا مالک ہے زمین و جائیداد کا مالک ہے کوٹھی و بنگلہ اور فرنیچر وغیرہ کا مالک ہے ، یہ انسان اس معمولی سی ملکیت میں مغرور و مست ہوگیا ، اللہ تعالیٰ نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرما کر اس غافل انسان کو تنبیہ فرمائی کہ تو ان چیزوں کا مالک صرف چند روز کے لئے ہے ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں تو کسی چیز کا مالک نہ رہے گا ، اس دن پوری کائنات کا مالک صرف خدا ہوگا ۔

عبادت کا مفہوم : اس سے پہلے تینوں آیتوں میں یہ بتلایا گیا کہ انسان ہر حال میں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی خدا ہی کا محتاج ہے ، عقل اور طبع کا اتفاق ہے کہ انسان اس ہی سے مدد مانگے اور اس ہی کی عبادت کرے ، اسی بات کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ یعنی ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں عبادت صرف نماز روزے کا نام نہیں بلکہ جیسا کہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ عبادت کی دس قسمیں ہیں ، نماز ، زکوٰۃ ، روزہ ، حج ، تلاوت قرآن ، ہر حالت میں اللہ کا ذکر ، حلال روزی کے لئے کوشش کرنا پڑوسی اور ساتھی کے حقوق ادا کرنا ، لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا ، مسلمان کے لئے یہ سب کام عبادت ہیں ،

اللہ سے مدد چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کو حاجت روا نہ سمجھے ، صاحب قبر اور پیر سے کچھ نہ مانگے ، اللہ کی طرح کسی کی نذر منت نہ مانے ، رکوع اور سجدہ کسی دوسرے کے لئے نہ کرے ۔

ایک کے ہوتے ہوئے غیر کی شرکت توبہ
شرک آتا ہی نہیں صاحب ایماں کے قریب

البتہ کسی نبی ولی یا بزرگ کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ،

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا یہ ایک اہم ترین اور جامع دعا ہے جو انسان کو سکھلائی گئی ہے ، دین و دنیا میں صراط مستقیم (سیدھے راستے) کے بغیر فلاح و کامیابی نہیں ، دنیا کی الجھنوں اور پریشانیوں میں صراط مستقیم کی دعا نسخہ اکسیر ہے ، مگر لوگ توجہ نہیں کرتے ، سیدھا راستہ وہ ہے جس میں موڑ نہ ہو اور مراد اس سے دین کا وہ راستہ

ہے جس میں افراط و تفریط نہ ہو، افراط کے معنی حد سے آگے بڑھنا اور تفریط کے معنی کوتاہی کرنا،

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ:- اس آیت میں سیدھا راستہ بتلایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، اور وہ ہیں انبیاء صدیقین، شہداء صالحین، ان میں سب سے اعلیٰ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے، صدیقین وہ لوگ ہیں جو انبیاء کی امت میں سب سے زیادہ رتبے والے ہوتے ہیں، ان میں باطنی کمالات بھی ہوتے ہیں عرف میں ان کو اولیاء کہا جاتا ہے، شہداء وہ ہیں جنھوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دیدی، اور صلحاء وہ ہیں جو شریعت کے مکمل تابع ہوتے ہیں واجبات میں بھی مستحبات میں بھی ان کو نیک دیندار کہا جاتا ہے۔

مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ:- یعنی وہ لوگ جن پر اللہ کا غصہ ہوا، مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو دین کے احکام کو جاننے پہچاننے کے باوجود شرارت کرتے ہیں نفسانی اغراض کی وجہ سے ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں جیسے عام طور پر یہود (امت موسیٰؑ) کا حال تھا کہ دنیا کے ذلیل و حقیر نفع کی خاطر دین کو قربان کرتے اور انبیاء کی توہین کرتے تھے۔

ضَآلِّیْنَ:- یعنی وہ لوگ جو گمراہ ہوگئے، مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے دین کے معاملے میں غلط راستے پر پڑ گئے اور دین و مذہب کی مقررہ حدود سے نکل گئے جیسے عام طور پر نصاریٰ (عیسیٰؑ کے امتی) تھے کہ نبی کی تعظیم میں اتنے بڑھے کہ نبی کو خدا بنالیا ایک طرف یہ ظلم کہ اللہ کے نبیوں کی بات نہ مانیں انھیں قتل کرنے میں شرم نہ آئے اور دوسری طرف یہ زیادتی کہ ان کو خدا بنالیں۔

آیت کا حاصل یہ ہوا کہ ہم وہ راستہ نہیں چاہتے جو نفسانی اغراض کے تابع، بدعمل اور دین میں تفریط کرنے والا ہے، اور نہ وہ راستہ چاہتے ہیں جو جاہل گمراہ اور دین میں غلو کرنے والوں کا ہے بلکہ ان کے درمیان کا راستہ چاہتے ہیں جو اصل دین میں کمی و زیادتی سے پاک ہے، اور وہ راستہ چاہتے ہیں جو نفسانی خواہشات، غلط عقیدوں اور دین میں شک و شبہ سے پاک ہے۔ (خلاصہ معارف القرآن ج ۱ از مقامات مختلفہ)

اقوال و تحقیق

صراط المستقیم:- علماء مفسرین سے صراط مستقیم کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں، اور ان سب کا حاصل ایک ہی ہے کہ اے خدا ہم کو اپنی مرضی کے راستہ پر قائم فرما، یہاں تین قول لکھے جاتے ہیں

(۱) حضرت علیؓ و ابن جریر وغیرہ کا قول ہے، کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۲) حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابرؓ وغیرہ صحابہؓ نے اسلام مراد لیا ہے

(۳) ابن حنفیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اللہ کا وہ دین ہے جس کے علاوہ دیگر ادیان مقبول نہیں (حاصل ابن کثیر)

فضائل سورۂ بقرہ

سورۂ بقرہ قرآن شریف کی سب سے بڑی سورت ہے، بہت سے احکام و مسائل اس میں بیان کئے گئے ہیں، احادیث شریف میں اس کی بہت سی فضیلتیں آئی ہیں، ان میں سے بعض کو یہاں لکھا جاتا ہے

(۱) صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ اسید بن حضیر نے ایک مرتبہ رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی تو ان کا گھوڑا جو ان کے پاس بندھا ہوا تھا اس نے بدکنا شروع کر دیا، تو انھوں نے پڑھنا بند کر دیا، گھوڑا ٹھیک ٹھاک ہوگیا، اسی طرح تین مرتبہ ہوا، ان کا بیٹا یحییٰ گھوڑے کے قریب لیٹا ہوا تھا، کہتے ہیں مجھے ڈر ہوا کہیں گھوڑا میرے بچے کو کچل نہ ڈالے، بس میں نے پڑھنا بند کر دیا، پھر جب میں نے اوپر کو دیکھا تو ایک بادل نورانی سا دکھائی دیا جس میں مشعلیں سی روشن تھیں وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اوپر اٹھ گیا۔

صبح کو یہ پورا ماجرا میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے جو تمھاری آواز سن کر آئے تھے، اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو وہ بھی صبح تک موجود رہتے اور سب کو نظر آتے، پھر آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا اے ابن حضیر اس کو پڑھ لیا کرو۔

(۲) اس سورت کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسّی اسّی فرشتے نازل ہوتے تھے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے تو شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے

(۴) فخر المفسرین حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سورت کی برکتیں جو بزرگان دین کے تجربہ میں بارہا آئی ہیں بے شمار ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیمار کے سامنے یہ سورت پڑھی جائے اور ایک مقدار معلوم چاول پکا کر دہی اور کھانڈ ڈال کر کسی مسکین کو کھلایا جائے تو دفع مرض بالخصوص چیچک کے لئے مفید ہے۔ (تفسیر حقانی پ ۱ ابن کثیر معارف القرآن

اقوال و تحقیق :- ویسے تو قرآن کی سورتوں کے نام توقیفی ہیں لیکن اس سورت کی وجہ تسمیہ بعض حضرات سے یہ منقول ہے کہ چونکہ اس میں بقرہ بنی اسرائیل کا مستقل واقعہ ہے اس لئے اس کا نام ہی بقرہ رکھ دیا گیا، یہ نام اسم الکل باسم الجزء کے لحاظ سے ہے یعنی پوری سورت کا نام جزوی واقعہ کے نام پر رکھ دیا گیا۔ (حاشیۂ جلالین)

شان نزول

جب مکہ اور اس کے آس پاس دین اسلام کی روشنی پھیلی اور یہاں کے بُت پرستوں کے ظلم وستم کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے حکم پر مدینہ تشریف لے گئے وہاں اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں نے گمراہیوں اور رسومات وغیرہ کو عام کر رکھا تھا آپ نے ان کو مذہب اسلام سے روشناس کرایا تو بجائے اس کے کہ اس کو اپناتے اور اسکے مخالف ومقابل بن گئے اور اپنے ساتھ عربوں اور منافقوں کو لگا لیا، اور پھر اسلام پر شک وشبہات کا ڈھیر لگانا شروع کر دیا، اللہ رب العزت نے ان کے شک وشبہات کو ختم کرنے اور ان کی اصلاح کے لئے مدینہ منورہ میں جاتے ہی یہ سورت نازل کرنا شروع فرما دی۔ (تفسیر حقانی ملخصاً)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔
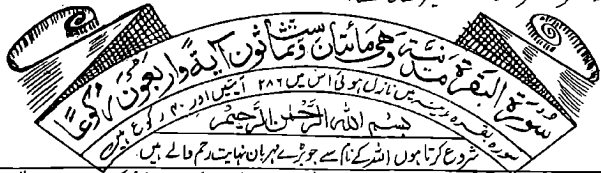
الٓمٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

الٓمٓ، یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔

حروف مقطعات کی تحقیق

بہت سی سورتوں کے شروع میں چند حرفوں سے مرکب ایک کلمہ لایا گیا ہے جیسے الٓمٓ حٰمٓ وغیرہ، ان کو اصطلاح میں حروف مقطعہ کہا جاتا ہے، اس میں سے ہر ہر حرف جدا جدا، ساکن اس طرح پڑھا جاتا ہے، الف۔ لام۔ میم،

حضرات صحابہؓ تابعین اور علمائے کرام کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہ حروف ایک راز ہیں

اقوال وتحقیق

الٓمٓ کی بحث نہایت وسیع ہے، مفسرین نے اس کی مختلف بحثیں مفصل لکھی ہیں۔ ہمارا زور قلم چونکہ زیادہ تر اقوال کی طرف ہے اس لئے وہی پیش خدمت ہے۔

اس مقام پر علمائے مفسرین کے دو گروہ ہیں ایک اس کا قائل ہے کہ حروف مقطعات کی معانی ومراد خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ وغیرہم سے یہی منقول ہے، دوسرے (باقی برصفحہ)

جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں، اور ہو سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم راز کے طور پر دیا گیا ہو اور اس راز کو امت پر ظاہر کرنے سے منع کر دیا گیا ہو،

ان حروف کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رض فاروق اعظم رض عثمان غنی رض علی مرتضیٰ رض وغیرہ کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ اللہ کے راز ہیں ان پر ایمان لانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں ان کی تلاوت کرنا چاہیئے مگر اس کے معلوم کرنے کی فکر میں پڑنا درست نہیں ہے۔

قرآن شبہات سے پاک ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، مطلب یہ ہے قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، اگرچہ کوئی ناسمجھ یا کم عقل اس میں شک و شبہ رکھتا ہو کیونکہ یقینی بات کسی کے شبہ کرنے کے بعد بھی یقینی ہی رہتی ہے، شک و شبہ والی نہیں بن جاتی

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ یعنی یہ کتاب راستہ بتلانے والی ہے، خدا سے ڈرنے والوں کو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو مخصوص کر دیا -- متقین کے ساتھ یہ صرف اس لئے کہ قرآن سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں، اور جو لوگ بدبخت ہیں، قرآن میں طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے ہیں وہ قرآن کی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ (مفہوم تفسیر حقانی پ ص۱)

(بقیہ حاشیہ اقوال وتحقیق) گروہ نے ان حروف کی تفسیر بھی کی ہے، اور ان کی تفسیروں میں کافی اختلاف ہے، ان میں سے یہاں آٹھ اقوال صفحۂ قرطاس پر لائے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس رض، سعید بن جبیر رض فرماتے ہیں کہ الٓمٓ انا اللہ اعلم (یعنی میں ہوں اللہ سب سے زیادہ اعلم) کا مخفف ہے

(۲) الف سے مراد ہے اللہ اور لام سے جبرئیل اور میم سے محمد مطلب یہ ہوا کہ اللہ کا کلام بواسطۂ جبرئیل علیہ السلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا

(۳) حضرت ابن عباس رض و ابن مسعود رض وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے اسماء کے علیحدہ علیحدہ حروف ہیں کہ الف سے خدا کا نام اللہ شروع ہوتا ہے لام سے لطیف، میم سے مجید۔

(۴) علامہ زمخشری و سیبویہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں

(۵) علامہ شعبی وغیرہ فرماتے ہیں کہ الٓمٓ اللہ کا نام ہے۔

(۶) حضرات صوفیاء کرام کی رائے یہ ہے کہ ان حروف میں تصوف کے مسائل و نکت پنہا ہیں۔

(۷) بعض مفسرین نے فرمایا کہ عرب کا ذوق تھا کہ وہ اپنے کلام کے شروع میں اس طرح کے مقطعات (بقیہ ص۱۹)

متقین اور ان کا درجہ
حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ متقی وہ ہے جو حرام کاموں سے بچے اور فرائض کو انجام دے، حضرت حسن بصریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ متقیوں کے ساتھ تقویٰ اس وقت تک ہی رہتا ہے جب تک وہ حرام کے خوف سے بہت سی حلال چیزوں سے بھی ہاتھ کھینچے رکھیں، حضرت ابن مہرانؒ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ روزانہ اپنے نفس سے ایسا سخت حساب نہ لے جیسا کہ اپنے شریک سے، کہ تیرے پاس یہ کھانا کہاں سے آیا، حلال ہے یا حرام

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں متقی کی بڑی فضیلت آئی ہے، چنانچہ حضرت معاذؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ ایک میدان میں روک لئے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں، اس پکار کو سنکر متقی کھڑے ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے آغوش میں لے لیگا۔ (تفسیر ابن کثیر، حقانی پ ۱ ص ۲)

(بقیہ اقوال و تحقیق) لایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہی کے مذاق کے مطابق سورتوں کے شروع میں ان حروف کو استعمال فرمایا ہے۔

(۸) یہ حروف قرآن عظیم کا معجزہ ہیں، ان سے خاص طور پر اہل عرب کو جنہیں فصاحت و بلاغت میں ید طولیٰ اور ملکہ راسخہ حاصل تھا، مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر تم قرآن کو بشری کلام سمجھتے ہو تو تم اس کا مثل لے آؤ، یہ بھی انہی حروف سے مرکب ہے جن کو تم روزمرہ استعمال کرتے ہو، یہ قول سب سے زائد صحیح ہے، چنانچہ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں اس قول کی تائید میں اجل علماء کے اسماء لکھے ہیں۔

ابن جریرؒ نے ان سب اقوال میں تطبیق دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور خدا کی صفات کی طرف بھی ان سے اشارہ ہو،

یہاں ایک بحث یہ بھی قابل بیان ہے کہ ان حروف کی مراد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم تھی یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم نہیں تھا، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کے اصل مخاطب آپ ہی ہیں، اگر آپ بھی نہیں سمجھیں گے تو یہ ایسے ہو جائے گا جیسے زنجی کا کلام حبشی کے ساتھ، یعنی ایک بول رہا ہے اور دوسرا سمجھ نہیں رہا، جو بلا فائدہ ہے، اس لئے صحیح تر یہی ہے کہ آپ کو علم تھا، چنانچہ شیخ سجاوندیؒ نے فرمایا کہ صدر اول کے لوگوں کا ان حروف کے متعلق یہ خیال تھا کہ انها سر بين الله وبين نبيه کہ یہ اللہ اور اسکے رسول کے مابین راز ہیں۔ (حاصل جلالین مع حاشیہ روح المعانی، مظہری، تفسیر کشاف، معارف، ابن کثیر وغیرہ)

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ دیا ہے

يُنْفِقُونَ ③ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ

ہم نے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری

مِنْ قَبْلِكَ ج وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ④ أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِنْ

گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جاچکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں، بس یہ لوگ

رَبِّهِمْ ق وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

ہیں ٹھیک راہ پر ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب

تفسیر اوپر کی آیت میں متقین کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے ان کی صفات بیان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی تین صفتیں خاص طور پر بیان کی ہیں ۱۔ غیب کی چیزوں پر ایمان لانا ۲۔ نماز قائم کرنا ۳۔ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا

ایمان بالغیب اور اس کی فضیلت

ایمان بالغیب کے اندر ہر وہ چیز آجاتی ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے، اور اس کا ثبوت مذہب سے ہے جیسے اللہ پر ایمان لانا، فرشتوں، رسولوں، کتابوں، جنت و دوزخ خدا سے ملاقات، تقدیر، مرنے اور جینے پر، ان سب چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے۔

ایمان بالغیب کی فضیلت بہت سی حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں صبح کے وقت وضو کے لئے پانی نہ تھا، آپ کے تلاش کروانے پر ایک صحابی کے پاس ایک پیالہ پانی نکلا، آپ نے اس میں انگلیاں ڈال دیں تو وہ پیالہ فوارہ کی طرح جوش مارنے لگا، آپ نے بلال رضؓ کو حکم دیا کہ سب کو بلاؤ کہ آکر وضو کریں، اس پانی سے سینکڑوں صحابہؓ نے وضو کیا، اور خوب پیٹ بھر کر پانی پیا، جب نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ پوری مخلوق میں کس کا ایمان سب سے زائد بہتر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا فرشتوں کا، آپ نے فرمایا ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے؟ وہ تو بارگاہ الٰہی میں حاضر ہیں، پھر کیوں ایمان نہ لائیں، صحابہؓ نے عرض کیا ہمارا، آپ نے فرمایا کہ تم تو میرے سینکڑوں معجزات دیکھتے ہو، تمھارے ایمان لانے میں کیا تعجب اور کمال ہے پھر آپ نے فرمایا کہ بہتر ایمان ان لوگوں کا ہوگا جو میرے بعد ہوں گے، اور مجھ پر سچے دل سے ایمان لائیں گے، وہ

میرے بھائی بہن اور تم میرے اصحاب ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ابن عمرؓ آپ نے ان آنکھوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا، ہاں، پھر اس نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو حضورؐ کے ہاتھ میں دے کر بیعت کی ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: ہاں، یہ سنکر وہ شخص حضورؐ کے شوق میں زار و قطار رونے لگا، اس کی یہ حالت دیکھ کر ابن عمرؓ نے فرمایا: میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں جو میں نے حضورؐ سے سنی تھی، وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خوش حالی ہے اس کے لئے جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، اور اس سے کبھی زیادہ خوش حالی اس کے لئے ہے جو مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائے۔

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: یعنی اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، نماز قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اچھی طرح طہارت و وضو کرکے وقت پر پابندی کے ساتھ نہایت دل جمعی اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس جگہ نماز سے مراد کوئی خاص نماز نہیں ہے بلکہ فرائض واجبات اور نوافل سب ہی نماز میں داخل ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: یعنی اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جمہور مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس میں ہر خرچ داخل ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے خواہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ ہوں، چاہے صدقات نفلی و خیرات ہوں، اسی طرح اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے

اس آیت پاک میں ان اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے متعلق ارشاد ہے، جو مسلمان ہوگئے تھے کہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو ان کے نبی پر نازل ہوئی تھی، اور قرآن شریف پر بھی ایمان لائے ان لوگوں کے لئے بخاری شریف کی حدیث میں دوہرے اجر و ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے۔

آسمانی کتابیں

پہلے انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں ان میں سے مشہور اور اہم یہ ہیں۔ توراۃ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی، زبور حضرت داؤدؑ پر انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ پر کچھ صحیفے نازل کئے گئے ان سب کتابوں پر آج بھی مسلمان کے لئے ایمان رکھنا ضروری ہے، ان کتابوں پر ایمان اس طرح لائے کہ جو کچھ ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، وہ سب حق ہے اور اس زمانہ

کے لئے وہی واجب العمل تھا، مگر قرآن کریم نازل ہونے کے بعد پچھلی سب کتابیں منسوخ ہوگئیں اس لئے اب عمل صرف قرآن کریم پر ہی ہوگا، **مفلحون** یعنی فلاح یاب وہ لوگ ہوں گے جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا، اللہ کے دیئے ہوئے میں سے دینا حضور پر جو نازل ہوا اس پر ایمان لانا، آپ سے پہلے جو کتابیں اتریں ان کو ماننا آخرت پر یقین رکھ کر اچھے کام کرنا برے کاموں سے بچنا، بس یہی ہدایت یافتہ اور فلاح یاب ہیں، انہی لوگوں کے لئے نجات و کامیابی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر و معارف ص۱۱۱ وحقانی، تفصیل تلخیص بخاری شریف ص۴ میں دیکھئے)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ

نہ لائیں گے بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے سزا بڑی ہے

تفسیر ان آیات میں خاص انہیں کافروں کا ذکر ہے جو دولت اسلام سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے جیسے ابولہب، ابوجہل وغیرہ، ورنہ ظاہر ہے کہ بہت سے کافر مسلمان ہوئے اور اس وقت سے آج تک برابر ہو رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور کو تسلی دی ہے کہ یہ بدنصیب کبھی بھی ایمان قبول نہیں کریں گے آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غمگین و پریشان نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ تمام لوگ مسلمان ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایمان کی دولت ہر ایک کے حصہ کی نہیں، یہ نعمت بٹ چکی ہے، جس کے حصہ میں آئی ہے وہ آپ کی ماننے گا اور جو بدقسمت ہے وہ ہرگز آپ کی فرمانبرداری نہیں کرے گا ۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جس چیز کا جو شخص کہ قابل نظر آیا

ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ

ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم الخ اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص کافرین کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ بیان فرمادی ہے کہ بند لگادیا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، سوچنے سمجھنے کے جتنے راستے تھے وہ سب بند ہیں، اس لئے ان کی اصلاح ہونا اور ایمان قبول کرنا ناممکن ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اس مقام پر یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب ان کافروں کے دلوں اور کانوں پر بند اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے تو اب ان بیچاروں کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی یہ ایمان قبول کرنے سے معذور ہیں پھر ان کو عذاب کیوں دیا جائے گا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ انھوں نے اپنی مسلسل شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے ایمان قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد کو خود تباہ وبرباد کیا ہے، اس کے اصل سبب یہی ہیں، اس لئے ان کو عذاب وسزا دینا بالکل صحیح اور عین انصاف ہے۔

(خلاصہ معارف القرآن ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۱۹)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ

اور ان لوگوں میں سے بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل

بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ

ایمان والے نہیں، چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں اور واقع

اقوال وتحقیق

ختم بمعنی مہر لگادینا، حضرت قتادہ رہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیطان ان پر غالب آگیا اور یہ لوگ اسی کے تابعدار بن گئے، حتی کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر ثبت فرمادی، حضرت مجاہد رہ کا قول ہے کہ گناہوں کے دل کو ہر طرف سے گھیر لینے کو حق تعالیٰ نے مہر لگادینے سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مضمون وہی ہے جو سورۂ مطففین کی اس آیت کا ہے۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ یعنی ایسا نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے، جس میں حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ ان کی بداعمالیاں اور سرکشی ہی ان کے دلوں کا زنگ بن گیا ہے، اس زنگ کو آیت مذکورہ میں مہر یا پردہ کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے (مظہری وتفسیر ابن کثیر ومعارف القرآن)

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے، اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

منافقوں کا تذکرہ

اس پورے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا تذکرہ فرمایا ہے، منافقین یہ مدینہ میں ایسے لوگ تھے جو صرف زبان سے کہتے تھے کہ ہم اللہ و رسول اور قیامت پر ایمان لائے اور مسلمان ہوگئے، یہ صرف اس لئے کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دنیا کے منافع اور فائدے حاصل کریں اور جو پریشانیاں اور سختیاں آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں مگر یہ ایمان حقیقت میں ایمان نہ تھا، خدا جو سینوں کے حال کو خوب جانتا ہے، اس کے سامنے ان کے اس ایمان کی کچھ وقعت نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمادیا کہ یہ لوگ فریبی ہیں مسلمان نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ الآیۃ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حقیقت ظاہر فرمادی ہے کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت پر، ان کا یہ کہنا بالکل غلط اور جھوٹ ہے اپنی ان میٹھی میٹھی باتوں سے اللہ اور مسلمانوں سے فریب بازی کررہے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ دھوکا اور فریب خود اپنے آپ کو دے رہے ہیں، کیونکہ اللہ تو علام الغیوب ہے، دلوں کی باتوں کو جانتا ہے اسے یہ کیسے دھوکا دے سکتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو بھی دھوکا نہیں دے رہے ہیں کیونکہ وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کے فریب سے حضور کو اور مسلمانوں کو مطلع فرمادیتا ہے، بس ان کے مکر و فریب کا الٹا اثر انہی پر آکر پڑتا ہے کہ دنیا میں ان کے لئے رسوائی و ذلت ہے اور آخرت میں سخت عذاب (تفسیر ابن کثیر و حقانی و معارف)

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے سو اور بھی بڑھادیا اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض اور ان کے لئے سزا

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰

دردناک ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

اقوال و تحقیق

نفاق کی دو قسمیں ہیں ۱۔ اعتقادی ۲۔ عملی، پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں، یہ آیات منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول، معتب بن قشیر وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی (معالم التنزیل، ابن کثیر)

تفسیر منافق فریب باز اس لئے ہیں کہ ان کے دلوں میں مرض ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرض سے مراد شک وشبہ ہے، حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ دلوں کے امراض نفس کی خواہشوں کو پورا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں، منافقوں کے دلوں میں جو کفر چھپا ہوا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے مرض سے تعبیر فرمایا، اور پھر یہ فرمایا کہ ہم نے ان کے مرض کو اور زیادہ بڑھا دیا، اس طرح کہ مذہب اسلام کو روز بروز ترقی ہوتی رہی، مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی یہ دیکھ کر انھیں حسد وجلن ہوتا رہا اور مرض بڑھتا رہا، حضورؐ پر روح کو صحت بخشنے والی باتیں نازل ہوتی گئیں اور ان کے مرض میں ان باتوں کا انکار کرنے کی وجہ سے زیادتی ہوتی گئی ؎

مریض کفر پر لعنت خدا کی　　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

(خلاصہ معارف القرآن وتفسیر حقانی)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح ہی کرنے

⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

والے ہیں یاد رکھو یہی لوگ مفسد ہیں، لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

تفسیر یعنی ان کے دلوں کا مرض ان پر اتنا غالب آگیا ہے کہ ان کو نیک و بد میں بھی تمیز نہیں رہی، اسی لئے جب ان سے کوئی مومن یا رسول اللہ یا خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ملک میں فساد برپا مت کرو تو یہ اسکے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی لوگ فساد مچانے والے ہیں مگر بے شعور ہیں کہ اپنے فساد کا احساس تک نہیں، جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو بڑی خرابی میں مبتلا ہوجاتا ہے کوئی خدا کا تقرب سمجھ کر بتوں کو پوجتا ہے کوئی گنگا میں غوطہ لگا کر گناہوں سے پاکی سمجھتا ہے۔

اقوال وتحقیق فساد (۱) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ منافقین کا فساد یہ تھا کہ خود ایمان قبول نہ کرتے اور دوسروں کو ایمان سے روکتے تھے (۲) حضرت ابن عباسؓ وابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ منافقین کے فساد فی الارض سے مراد کفر ومعصیت ہے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں انھیں جب خدا کی نافرمانی سے روکا جاتا تو کہتے ہم تو ہدایت اور اصلاح پر ہیں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقین کہا کرتے تھے کہ ہم تو مومنوں اور اہل کتاب میں صلح کراتے ہیں لیکن حق تعالیٰ نے فرمایا یہ صلح نہیں بلکہ فساد کراتے ہیں　　(تفسیر بیضاوی، ابن کثیر، جلالین شریف)

فساد سے کیا مراد ہے

اس موقع پر فساد کی جو تفسیر امام ابن جریرؒ نے فرمائی ہے پیش کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے، جس کام سے خدا منع کرتا تھا اسے کرتے تھے جن کاموں کا حکم دیتا تھا ان کو نہیں کرتے تھے، اللہ کے سچے دین میں شک و شبہ کرتے تھے، مسلمانوں کے سامنے اپنا مومن ہونا ظاہر کرتے تھے اور دل اللہ ورسول کے بارے میں شک و شبہ اور وسوسوں سے بھرا ہوا تھا، موقع لگتا تو خدا کے دشمنوں کی مدد و نصرت کرتے تھے، اللہ کے نیک اور صالح بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے، ان سب مکاریوں کے باوجود اپنے آپ کو اصلاح کرنے والا سمجھتے تھے (ابن کثیر)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان

اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ (۱۳)

لائیں گے جیسا ایمان لائے ہیں یہ بے وقوف، یاد رکھو بیشک یہی ہیں بیوقوف لیکن وہ اس کا علم نہیں رکھتے

تفسیر:- اور جب ان منافقوں کو صحابہ کی طرح ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو یہ ملعون فرقہ ایسے ایمان کو بے وقوفوں کا ایمان بتلاتا ہے۔

صحابہؓ کا ایمان کسوٹی ہے

اللہ کے نزدیک وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہؓ کے ایمان کی طرح ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے جس پر باقی پوری امت کے ایمان کو پرکھا جائیگا، منافقوں نے صحابہؓ کو بیوقوف کہا اور یہی ہر زمانے کے گمراہوں کا طریقہ رہا ہے جو ان کو صحیح راستہ بتلائے اس کو بیوقوف جاہل ٹھہراتے ہیں قرآن کریم نے بتلادیا کہ حقیقت میں وہ خود ہی بے وقوف ہیں

اقوال و تحقیق

كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ:- منافقوں نے ایمان قبول کرنے والوں کو بے وقوف دو وجہ سے کہا (۱) منافق اپنے دور کے رئیس تھے، اور مومنوں میں زیادہ تر غریب طبقہ تھا بلکہ بعض تو آزاد کردہ غلام تھے، بس ان کے غریب ہونے کی وجہ سے انھیں بے وقوف کہا کہ اگر یہ ہمارے ساتھ مل جاتے تو ہم انھیں مالدار بنا دیتے (۲) منافق اپنے آپ کو صحیح العقیدہ اور مومنوں کو باطل العقیدہ تصور کرتے تھے اور بے وقوف کہتے تھے (خلاصہ بیضاوی شریف)

بیوقوف کون ؟ منافق لوگ مسلمانوں کو بے وقوف کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ بے وقوف مسلمان نہیں بلکہ منافق ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ منافقوں نے طمع ولالچ اور دنیوی اغراض کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا فانی (دنیا) کو لینا باقی (آخرت) کو چھوڑنا کس قدر بے وقوفی ہے، مخلوق سے خوف کھا بیٹھے جبکہ ان سے ہزاروں طریقہ سے بچنا ممکن ہے اور خدا سے نہ ڈرے جس سے بچنا کسی طرح بھی ممکن نہیں، بس منافق اس درجہ بیوقوف ہیں کہ اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھے۔ (بابا کے بیان ومعارف)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ

اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمھارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزا کیا کرتے ہیں،

وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ہی استہزار کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران وسرگردان ہو رہے ہیں

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی دورخی پالیسی کا ذکر کیا ہے، کہ جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو انھیں خوش کرنے کو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہوگئے اور جب اپنی قوم کے لوگوں سے ملتے ہیں، تو کہتے تھے کہ ہم تو تمھارے ہی ساتھ ہیں، مسلمانوں کے ساتھ تو دل لگی اور مذاق کرنے اور ان کو بیوقوف بنانے کے لئے ملتے ہیں، وہ سیدھے سادے لوگ ہیں، ہمیں سچا جان کر اپنے راز اور دلی ارادے تبلادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے کیا دل لگی اور مسخرہ پن کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے دل لگی کر رہا ہے کہ ان کو ڈھیل دی حتیٰ کہ انھوں نے انجام سے غافل ہوکر خوب سرکشی ونافرمانی کی اور پھر ایک دم اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا۔ (حقانی ومعارف وابن کثیرؒ)

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ یعنی اللہ ان سے دل لگی کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ مذاق و

اقوال وتحقیق اللہ کے مستہزی ہونے کے سلسلہ میں علماء کے دوگروہ ہوگئے، بعض اہل تاویل واہلحدیث فرماتے ہیں۔ اگرچہ اللہ کے اسماء میں المستہزی نہیں مگر وہ استہزاء اپنی شان کے مطابق فرماتے ہیں، مگر اکثر علماء عظام اسکے برخلاف فرماتے ہیں کہ استہزاء خدائے عزوجل کے شایان شان نہیں (باقی برصفحہ ۲)

دل لگی سے پاک ہے۔ وہ ہمارے جیسی مذاق و دل لگی نہیں کرتا، بلکہ اس کی دل لگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان منافقین کے دھوکہ دل لگی اور مذاق کا بدلہ دیں گے یا یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر فرمائے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت

یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو سودمند نہ ہوئی ان کی یہ تجارت

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے۔

تفسیر اس آیت میں منافقوں کے حال کا ذکر ہے کہ انھوں نے اسلام کو بھی قریب سے دیکھا اس کا ذائقہ چکھا اور کفر میں تو پہلے سے مبتلا ہی تھے، پھر کفر اور اسلام دونوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد انھوں نے اپنی ذلیل دنیوی غرض کی خاطر اسلام کے بدلہ کفر ہی کو اختیار کیا۔ ان کے اس عمل کو قرآن نے تجارت کا نام دے کر یہ بتلادیا کہ ان لوگوں کو تجارت کا بھی سلیقہ نہ آیا کہ بہترین قیمتی چیز یعنی ایمان دیکر ردّی اور تکلیف دہ چیز کفر خرید لیا۔

(بقیہ اقوال و تحقیق) اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ پھر یہاں استہزاء کا کیا مطلب ہے۔

علماء مفسرین سے اس کے کئی جواب منقول ہیں، دو لکھے جاتے ہیں (۱) یہاں اللہ کی طرف استہزاء مجازاً منسوب کیا گیا ہے، کہ صنعتِ مشاکلت کے طور پر استہزاء کی سزا کو استہزاء ہی سے موسوم کیا گیا ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے قرآن میں دوسری جگہ ہے، جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا، یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے حالانکہ برائی کا بدلہ لینا برائی نہیں بلکہ عدل ہے (۲) حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اللہ کا استہزاء یہی ہے کہ ان کو مہلت دی جارہی ہے جب وہ خوب کفر میں کامل ہوجاویں اور جرم سنگین ہوجائے اس وقت اچانک پکڑ لئے جاویں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ان کے استہزاء کے مقابلہ میں تھا اس لئے اس کو استہزاء کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے (۳) بعض مفسرین نے فرمایا اللہ تعالیٰ منافقین سے آخرت میں مذاق اس طرح فرمائیں گے کہ جب منافقین جہنم میں ہوں گے تو ان کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائیگا، یہ اس دروازہ کی طرف دوڑیں گے اور دروازے پر پہونچ جانے کے بعد دروازہ بند کردیا جائیگا، یہ منظر دیکھ کر مومن ہنس پڑیں گے، اسی منظر کو اس آیت میں پیش کیا گیا ہے۔ فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون۔ یعنی آج مومن کافروں پر ہنسیں گے۔ (ابن کثیر، بیضاوی شریف)

الغرض یہ لوگ چمنستان سے نکل کر کانٹوں میں جا پڑے جماعت کے مضبوط قلعہ سے نکل کر افراتفری میں پڑ گئے، امن کے وسیع میدان سے نکل کر خوف کی اندھیری کوٹھری میں پہونچ گئے، سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے پژمردہ جنگل میں آ گئے۔

آئے تھے کس کام کو کیا کر چلے ٭ تہمت چند اپنے ذمہ دھر چلے (معارف القرآن، ابن کثیر، حقانی)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ

ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ⑰ صُمٌّ

اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان

بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ⑱

کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے

تفسیر ان آیتوں میں منافقوں کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ مثال دے کر سمجھا رہے ہیں منافقین میں چونکہ دو طرح کے آدمی تھے ایک وہ جو اپنے کفر میں بالکل پختہ تھے، ایمان صرف دنیوی مصلحت کی وجہ سے ظاہر کرتے تھے، دوسرے وہ جو اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر کبھی کبھی سچے ہونے کا ارادہ بھی کر لیتے تھے، مگر پھر دنیوی غرضیں سامنے آتیں اور وہ اپنے ارادہ کو بدل دیتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں ایک مثال ان دو آیتوں میں اور دوسری مثال اگلی دو آیتوں میں

منافقین کی مثال منافقین کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں آگ جلائے اس سے روشنی ہو اور چاروں طرف کی چیزیں نظر آئیں، پریشانی دور ہو اور فائدے کی امید بندھے، اس کے بعد اچانک آگ بجھ جائے اور سخت اندھیرا چھا جائے نہ نگاہ کام کرے نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص بہرہ ہو کسی بات کو نہ سن سکے، گونگا ہو کسی سے کچھ معلوم نہ کر سکے، اندھا ہو روشنی سے کام نہ لے سکے، اب بھلا یہ شخص راستہ کیسے پا سکے گا۔

بس یہی حال منافقین کا ہے کہ وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ودیعت رکھا ہے ذرا چمکا تھا اور خیر و شر، نیکی و بدی پہچاننے کا وقت آیا تھا کہ تعصب و عناد اور عزت و مال کی ہوس کے اندھیاؤں نے اس نور کی شمع کو گل کر دیا، بس اب یہ بہرے ہیں ہدایت کی بات نہیں سن سکتے،

گونگے ہیں کسی سے کچھ کہہ کر اپنی اصلاح بھی نہیں کرا سکتے، اندھے بھی ہیں جس کی وجہ سے از خود قدرت کے آثار دیکھ کر ہدایت کی راہ پر چل بھی نہیں سکتے، پس جب ان کا یہ حال ہے تو ان کے ہدایت پر آنے کی اب کوئی صورت نہیں۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ

یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے اس میں اندھیری بھی ہو اور رعد و برق بھی جو لوگ اس بارش میں

أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ

چل رہے ہیں وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشۂ موت سے، اور اللہ تعالیٰ

بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم

احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کافروں کو برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لی، جہاں ذرا ان کو بجلی

مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ

کی چمک ہوئی تو اسکی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے، اور اگر اللہ

وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے گوش و چشم سلب کر لیتے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

تفسیر ان آیات میں اللہ نے منافقین کی دوسری مثال بیان فرمائی ہے کہ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ جن پر سخت بارش ہو رہی ہو اس میں خوب تاریکی اور اندھیرا ہو اور اس میں بجلی کی چمک و کڑک ایسی ہولناک ہو کہ وہ لوگ موت کے ڈر اور خوف سے کانوں میں انگلیاں دیتے ہوں کہ کہیں آواز کی شدت سے دم نہ نکل جائے، بجلی کی چمک سے ان لوگوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، جب بجلی کی چمک و روشنی ہوتی ہے تو یہ لوگ چلتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو رک جاتے ہیں۔

بس یہی حال ان منافقین کا ہے کہ شریعت کے احکام و عبادات اوامر و نواہی کی مشقتوں کے خوف اور دنیاوی اغراض و مقاصد کے چکر میں پڑ کر پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی بیہودہ تدبیروں سے اپنا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں مگر حق تعالیٰ ان کا احاطہ ہر طرف سے کئے ہوئے ہیں اس کی گرفت اور عذاب سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے، ان منافقوں کی چالاکی کا عالم یہ ہے جب مذہب اسلام کا غلبہ یا حضور صلی اللہ علیہ کا معجزہ دیکھتے ہیں تو اسلام قبول کرنے کو بڑھتے ہیں

اور جب کوئی دنیوی مشقت و تکلیف سامنے آتی ہے تو کھر کفر پر اڑ جاتے ہیں، بس منافقوں کے ان حیلوں اور تدبیروں سے کچھ کام نہ چلے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ

اے لوگو عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا، اور ان لوگوں کو بھی کہ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا

عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش

وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ

اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی پھر پردۂ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں کی غذار

رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

کو تم لوگوں کے واسطے تو اب مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو

تفسیر یہاں تک اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کا بیان کیا، مومنین، کافرین، منافقین، ان آیات میں تینوں گروہوں کو خطاب کرکے وہ دعوت پیش کی گئی جس کے لئے قرآن نازل کیا گیا جس کے لئے دوسری آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا، یعنی مخلوق پرستی سے باز آنا اور خدا کی عبادت کرنا، یہ دعوت ایسے انداز میں پیش کی گئی کہ اس دعوے کے ساتھ واضح اور روشن دلیلیں بھی موجود ہیں اگر ان میں معمولی سی سمجھ بوجھ والا انسان بھی ذرا سا غور وفکر کرے تو خدا کو ماننے پر مجبور ہوجائے، دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی ایسی چار صفات کا ذکر فرمایا جو خدا کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔

پہلی صفت الذی خلقکم الآیۃ، یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان قوموں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں، انسان کو ماں کے پیٹ کی اندھیریوں اور گندگیوں میں ایسا حسین وجمیل اور پاک وصاف بنادیا کہ فرشتوں کو بھی اس کی پاکی پر رشک ہے، دوسری صفت جعل لکم الارض فراشًا ہے، یعنی رب وہ ذات ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اس ذات پاک نے اس زمین کو نہ تو دلدل کی طرح بالکل نرم بنایا کہ اس پر رہا نہ جاسکے، تعمیرات نہ بنائی جاسکیں، اور نہ ہی لوہے اور پتھر کی طرح بالکل سخت بنایا کہ اس میں کھیتی وغیرہ نہ ہوسکے

بلکہ نرمی اور سختی کے درمیان ایسا بنایا جو انسان کی عام ضرورتوں میں کام دے سکے،

تیسری صفت وَالسَّمَاءَ بِنَاءً یعنی اس ذات وحدہ لا شریک لہ نے تمہارے لئے آسمان کو چھت بنایا، خدا نے اس بلند و وسیع چھت کو کیسی کاریگری سے بنایا کہ یہ بلا ستون کے کھڑی ہوئی ہے، دیکھنے میں کتنی خوبصورت اور نظر فریب ہے، چوتھی صفت وانزل من السماء الآیہ یعنی اس ذات حق نے برسایا آسمان سے پانی، پھر نکال دیئے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے۔

غور کیجئے کہ ایک ننھے سے بیج اور گٹھلی سے وہ ذات پھل و پھول والا درخت بنا دیتی ہے الحاصل اللہ رب العزت نے اپنے بے شمار صفات میں سے ان چار مخصوص صفتوں کا ذکر فرما کر اس انسان کو غور و فکر کا موقع مہیا فرمایا ہے کہ اے انسان ذرا سوچ یہ سب کام اس ذات کے سوا، اور کون کر سکتا ہے بلا شبہ وہی ایک ذات ہے جس کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں، پس اے غافل انسان تجھے خدا کے در کے علاوہ کسی اور کے در پر سر نہیں جھکانا چاہئے اس میں تیری مکمل کامیابی ہے ؎

ایک در چھوڑ کے ہم ہوگئے لاکھوں کے غلام ؛ ہم نے آزادیٔ عرفی کا نہ سوچا انجام

اقوال و تحقیق

لعلکم۔ اس پر اشکال یہ واقع ہوتا ہے کہ لفظ لعل شک و تردد کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ کو کسی بھی شئی میں تردد نہیں پھر یہاں لعل کیوں لایا گیا، اس کے چار جواب پیش ہیں (۱) علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اصل میں لعل ترجی (تردد) کیلئے ہے مگر حق تعالیٰ کے کلام میں تحقیق کے معنی میں مستعمل ہے (۲) قطرب اور طبری نے یہ تاویل کی کہ یہاں لعل کی کے معنی میں ہے، عبارت اس طرح ہوگی "اعبدوا ربکم لکی تتقوا" یعنی اپنے رب کی عبادت کرو تاکہ تم متقی بن جاؤ (۳) مفسر حقانیؒ نے لکھا ہے، اللہ تعالیٰ بندوں کے محاورہ میں کلام فرماتے ہیں اور جس موقع پر بندے جو کلمہ استعمال کرتے ہیں وہی خدا بھی کرتا ہے، لہٰذا اب کوئی اشکال نہ رہا (۴) حضرت تھانویؒ نے لعل کا ترجمہ "عجب نہیں" کیا ہے اور فرمایا کہ شاہی محاورہ میں عجب نہیں کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے "کیا ہی خوب ہے یہ جواب"۔ (۵) مفتی شفیع صاحبؒ نے اس کا جواب پُر از حکمت یہ دیا ہے کہ لعل ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے جہاں کسی فعل کا وقوع یقینی نہ ہو، ایمان و توحید کے نتیجہ میں نجات اور جنت کا حصول وعدۂ الٰہیہ کے مطابق یقینی ہے مگر اس یقینی شئی کو امید و رجاء کے عنوان سے بیان کرنے میں حکمت یہ بتلانا ہے کہ انسان کا کوئی عمل اپنی ذات میں نجات و جنت کی قیمت نہیں بن سکتا بلکہ فضل خداوندی اس کا اصل سبب ہے ایمان و عمل کی توفیق ہونا اس فضل خداوندی کی علامت ہے علت نہیں {مفہوم حقانی جلالین مع حاشیہ بیان القرآن، معارف القرآن}

خدا کے وجود پر دلائل اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک دو دلیل ہی نہیں بلکہ اس جہان کا ہر ہر ذرہ اس کے وجود پر واضح دلیل ہے بعض حضرات نے ایسے دلائل بھی پیش کئے کہ جن کو سنکر سخت منکر اور متعصب شخص بھی ہکا بکا ہو کر خاموش ہو جائے (۱) کسی دیہاتی سے پوچھا گیا کہ اللہ کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مینگنیں دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس راستہ سے اونٹ گیا ہے اور زمین پر پاؤں کے نشان دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ اس راستہ سے کوئی آدمی گیا ہے، تو کیا یہ آسمان، یہ زمین، موجیں مارنے والے سمندر اس ذات حق کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے۔

(۲) امام شافعیؒ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ شہتوت کے پتے ایک ہی صورت اور ایک ہی ذائقہ کے ہیں مگر ان کو اگر ہرن کھائے تو مشک بن جاتا ہے، کیڑے کھائیں تو ریشم بن جاتا ہے، شہد کی مکھی کھائے تو شہد بن جاتا ہے اور گائے بکریاں کھائیں تو دودھ بن جاتا ہے، کیا یہ اس کی صاف دلیل نہیں کہ پتوں میں یہ مختلف صفات و خواص پیدا کرنے والی کوئی ذات ہے، بس وہی ذات اس جہان کو بنانے والی اور چلانے والی ہے، وہی ہمارا معبود ہے (ابن کثیر، معارف)

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ

اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک

مِنْ مِثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ

محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں اگر تم سچے ہو

صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾

آدمی اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے

تفسیر پچھلی دو آیتوں میں توحید کا بیان ہوا، اب ان دو آیتوں میں نبوت و رسالت کو ثابت کیا جا رہا ہے، کفار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم کو ہمارے اس کلام میں جس کو ہم نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے، کچھ شک ہو کہ یہ خدا کی طرف سے آیا ہے یا نہیں اور یہ نبی برحق ہے یا نہیں، تو تم اس قرآن جیسی کوئی سورت

ہی بنا لو، اس میں تمہیں یہ بھی سہولت ہے کہ تم اس سلسلے میں مدد لے لو ان لوگوں سے جو ماہر فن ہیں تمہارے استاد ہیں، سردار ہیں، اور پھر تم اسی قوم اسی شہر کے اور اسی ملک کے رہنے والے ہو جن کے محمدؐ ہیں، بلکہ تم محمدؐ سے اس کام میں کہیں بڑھ کر ہو، کیونکہ اول تو تم شعر وسخن اور اشعار وادب کے ماہر ہو، دوسرے اس قسم کی مجلسوں میں برابر شرکت کرتے رہتے ہو، اور محمدؐ بچپن ہی سے عبادت وریاضت اور تنہائی کے گوشہ میں رہے نہ انھوں نے کسی سے شعر و شاعری سیکھی اور نہ ہی زندگی بھر ایسی کسی مجلس میں شرکت کی، بس تمہارے لئے قرآن کا مثل لانا بہت آسان ہے، تو لاؤ، بس یاد رکھو اگر تم کوئی سورت نہ بنا سکے تو اپنے آپ کو عاجز تسلیم کرکے یہ مان لینا کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو تمام مخلوق اور سب باطل معبودوں سے بڑھ کر ہے

اقوال وتحقیق

فأتوا بسورة :- قرآن کے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکا، اور اگر ایک نے دیا بھی تو بے ہودہ اور بے معنی، چنانچہ سورہ والعصر جب نازل ہوئی تو مسیلمہ کذاب نے کہا مجھ پر ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے، اور پھر عمرو بن عاص (یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو یہ کلمات سنائے، یَا وَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ ۝ وَسَائِرُكَ حَقْرٌ فَقْرٌ، یعنی اے جنگلی چوہے تیرا وجود سوائے دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں باقی تو سراسر ناچیز ہے، پھر فخریہ طور سے کہنے لگا، اے عمرو کہو یہ سورت کیسی ہے عمرو بن عاص نے جواب دیا مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اسے تم خود جانتے ہو کہ یہ سراسر کذب وبہتان ہے، بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں وہ حکمتوں سے پُر کلام۔

شہداء :- شہید کی جمع ہے اس کے چار معنی ہیں (۱) گواہی دینے والا (۲) مدد کرنے والا (۳) حاضر (۴) حاکم، یہاں یہ چاروں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں ۱؎ جو تمہارے کلام پر مثل سورۃ ہونے کی گواہی دیتا ہو اس کو بھی بلاؤ ۲؎ جو تمہاری مدد کرنے والے ہیں ان کو بھی بلاؤ ۳؎ جو لوگ اس وقت فصیح وبلیغ حاضر ہیں ان کو بھی بلا لو، اپنے بنائے ہوئے کلام اور سورت میں کسی حاکم سے فیصلہ کرا لو۔

وقودھا الناس والحجارۃ :- ناس، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں، چنانچہ قرآن میں ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ، یعنی تم اور تمہارے وہ معبود جو خدا کے علاوہ ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں، قرآن میں دوسری جگہ ہے، وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا، یعنی ظالم لوگ (مشرک) دوزخ کی لکڑیاں ہیں۔ یہاں ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کا جہنم میں جانا اس کے ذی حس ہونے کی وجہ سے عقل کے مطابق ہے مگر پتھر جو بے جان وبے حس ہیں ان کو جہنم میں کس لئے ڈالا جائیگا (۱) جواب اس کا یہ ہے کہ یہ عام پتھر نہیں ہوں گے بلکہ وہ مورتیاں ہوں گی جن کی یہ لوگ دنیا میں پرستش کیا کرتے تھے ان مورتیوں کو جہنم میں ڈال کر ان مشرکین کے عذاب میں زیادتی کرنا مقصود ہے کہ ہائے جن کو ہم اپنے لئے رہائی کرانے والا

(باقی ۳۴ پر)

فان لم تفعلوا الآیۃ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو شرم و غیرت دلاتے ہوئے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ یہ لوگ ہرگز قرآن جیسی کوئی سورت نہیں لاسکیں گے اور ساتھ ہی ان کو سخت عذاب سے بھی ڈرایا کہ اپنے عجز کے بعد بھی خدا کو نہ مانا تو جہنم تمہارا ٹھکانہ ہوگا اور جہنم میں تمکو گندھک کے سیاہ پتھروں جن کی بدبو مردار سے زائد بری ہوگی عذاب دیا جائیگا۔

قرآن سب سے بڑا معجزہ ہے یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں معجزات مرحمت فرمائے مگر ان میں سب سے بڑا اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ قرآن کریم ہے، اسی معجزہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر پیش فرما کر محمد عربی امی کی رسالت و نبوت کو ثابت فرما دیا (خلاصہ ومفہوم تفسیر حقانی، معارف القرآن و تفسیر ابن کثیر)

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور خوشخبری سنا دیجئے آپ اے پیغمبر ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اس بات کی کہ بیشک

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا

ان کے واسطے بہشتیں ہیں کہ چلتی ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ ان بہشتوں میں

(بقیہ احوال و تحقیق) سمجھتے تھے وہ بھی ہمارے ساتھ جل رہے ہیں (۲) یہ پتھر گندھک کے بڑے بڑے بدبودار سیاہ رنگ کے ہوں گے، حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ان پتھروں کی بدبو مردار کی بدبو سے زیادہ سخت ہوگی حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ان پتھروں کو خدا نے زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا فرما دیا تھا، بہرحال ان پتھروں کی سخت آگ اور بدبو سے کافروں کو عذاب دیا جائیگا۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ :۔ یعنی تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے لئے، آیت کریمہ کے اس ٹکڑے سے جمہور اہل سنت والجماعت نے معتزلہ، قاضی اندلس، منذر بن سعید بلوطی وغیرہ کے اس نظریہ کو رد کیا ہے کہ جنت و دوزخ ابھی پیدا نہیں کی گئی، اگر یہ حضرات تلاش حق کی نظر احادیث مقدسہ کے صحیح ذخیرہ پر ڈالیں تو انھیں صاف نظر آئیگا کہ جنت و دوزخ پیدا کر دی گئی ہیں، چند احادیث لکھی جاتی ہیں (۱) ایک طویل حدیث میں ہے کہ جنت و دوزخ میں جھگڑا ہوا (۲) شب معراج میں حضورؐ نے جنت و دوزخ کا سیر فرمائی (۳) بہت سی مرتبہ آپ نے بعض بعض لوگوں کو جنت یا دوزخ میں دیکھ کر صحابہؓ کو بتلایا، اسکے علاوہ اور بے شمار اس نوع کی احادیث ہیں ان سب سے یہ ظاہر ہے کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں، ان سب کے باوجود بھی اگر کوئی اپنے نظریہ اور عقیدہ سے نہ ہٹے تو یہ ہٹ دھرمی اور کھلی جہالت ہے (تفسیر ابن کثیر، تفسیر حقانی)

هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَآ

میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی ان کو

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور ان کے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہوں گی پاک صاف کی ہوئی اور وہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ کو بسنے والے

تفسیر

اس سے پہلے آیت میں قرآن کریم کو نہ ماننے والوں کے عذاب کا بیان تھا اس آیت میں ماننے والوں کے لئے بشارت وخوشخبری بیان فرمائی گئی ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے ان کو خوشخبری سنادو کہ انھیں مرنے کے بعد عالم آخرت میں ایسے باغ ملیں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں کے میوؤں میں عجیب لطف ہوگا کہ شکل وصورت اور رنگ یکساں اور مزے الگ الگ ہوں گے جب ان کو پھل دیئے جائیں گے تو یہ کہیں گے، یہ تو وہی پھل ہیں جو ہم ابھی ابھی کھا چکے ہیں، یا وہی پھل ہیں جو دنیا میں ہم کھایا کرتے تھے مگر جب کھاویں گے تو نیا لطف، نیا ذائقہ اور لذت پائیں گے، ان نیک کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پاکیزہ بیویاں مرحمت فرمائیں گے، جو دنیا کی تمام ظاہری اور اخلاقی گندگیوں سے پاک وصاف ہوں گی، یعنی پیشاب، پاخانہ، حیض، نفاس کے خون، تھوک، ناک کی رینٹ اور ہر ایسی چیز سے پاک صاف ہوں گی جس سے انسان کو گھن اور نفرت پیدا ہوتی ہے، ان کی سیرت وصورت نہایت عمدہ ہوگی، ان جنتیوں کو بڑھاپے اور موت وغیرہ کا کوئی خوف نہ ہوگا بلکہ وہ اسی عیش وآرام کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔

جنت کی نہریں

جنت کی نہروں کی جو تفصیل حدیث پاک میں آئی ہے مختصراً یہاں وہ پیش کی جاتی ہیں۔ جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں، یہ نہریں بلا گڑھے کے بہتی ہیں، نہر کوثر کے متعلق حدیث میں ہے کہ اس کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں اس کی مٹی خالص مشک ہے اور اس کی کنکریاں لُولُو، اور جواہرات کی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ سب نعمتیں ہم گنہگاروں کو بھی نصیب فرمائے آمین - (تفسیر حقانی، معارف القرآن، ابن کثیر)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا

ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کردیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ہوئی ہو سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کرینگے کہ بیشک یہ مثال تو بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی

كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا

جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں سو چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یوں ہی کہتے رہیں گے وہ کون مطلب ہوگا جسکا قصد

وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ

کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اسکی وجہ سے بہتوں کو اور گمراہ نہیں کرتے اللہ اس

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ

مثال سے کسی کو مگر صرف بے حکمی کرنے والوں کو جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے ہیں اس کے استحکام کے بعد اور

اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗئِكَ ھُمُ

قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں بس یہ لوگ پورے

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

خسارے میں پڑنے والے ہیں

تفسیر بعض مخالفین نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض کیا تھا کہ اس میں بہت سی حقیر و ذلیل چیزوں کا ذکر مثال میں کیا گیا ہے، جیسے مچھر مکھی وغیرہ، اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو ایسی حقیر و ذلیل چیزوں کا ذکر اس میں نہ ہوتا، اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مثال ہوا کرتی ہے سمجھانے کے لئے، اب جس چیز کو سمجھانا ہے اس کے مطابق مثال دی جائے گی اگر حقیر ہے تو حقیر اور اعلیٰ ہے تو اعلیٰ چیز کی مثال دیجائیگی

اقوال و تحقیق ان آیات کے شان نزول میں دو قول ہیں (۱) حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ و بعض دیگر صحابہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں آگ اور پانی کی جو پچھلے صفحات میں گذریں بیان کیں تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ ہرگز ایسی حقیر مثالیں بیان نہیں کرتا اس پر حق تعالیٰ نے یہ دو آیتیں نازل فرمائیں (۲) حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ جب قرآن میں مکھی اور مکڑی کی مثال بیان ہوئی تو کہنے لگے قرآن جیسی عظیم کتاب میں ان حقیر مثالوں کی کیا ضرورت، اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں، دوسرے قول کو علماء مفسرین نے زیادہ پسند فرمایا ہے (تفسیر ابن کثیر)

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھر اور مکھی کی مثال کس کس جگہ دی ہے۔
قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو مثال بیان کی جاتی ہے غور سے سنو، خدا کے علاوہ جنھیں تم پکارتے ہو وہ سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے، دیکھئے اس جگہ اللہ تعالیٰ کا مقصود ان باطل معبودوں کی کمزوری اور ضعف کو بیان کرنا ہے ذرا عقل پر زور دیکر سوچو کہ کمزوری کے لئے مکھی کی مثال ہونی چاہئے یا ہاتھی کی، جس کے پاس معمولی عقل بھی ہوگی وہ یہی کہے گا کہ بیشک خدا نے بالکل صحیح موقع کی مثال دی ہے
قرآن شریف میں دوسری جگہ ہے۔ ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں مکڑی کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں میں سب سے زیادہ بودا اور کمزور ہے دیکھئے یہاں پر بھی کافروں کے معبودوں کی حقیقت کھولنا مقصود ہے کہ وہ بالکل بے جان اور کمزور ہیں وہ تمھاری کیا مدد کریں گے جیسے کوئی آندھی وطوفان میں مکڑی کے جالے میں چھپ کر مدد لینا چاہے تو بھلا اسے وہاں کیسے مدد مل سکتی ہے وہ خود ہوا میں اڑ جائے گا پھر کیا اللہ تعالیٰ اس موقع پر مضبوط قلعہ کی مثال دیتے، نہیں ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے عین موقع کی اور بالکل صحیح مثال بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ایسی مثالیں دینے سے بالکل نہیں شرماتے کیوں کہ یہ مثالیں فصاحت وبلاغت اور عقل کے مطابق ہیں، اس قسم کے اعتراض وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دماغ کی صلاحیت ان کے کفر کی وجہ سے ختم ہوگئی اور جو مسلمان ہیں وہ تو یہی کہتے ہیں کہ جو مثالیں ہمارے پروردگار نے بیان فرمائی ہیں وہ بالکل حق اور سچ ہیں یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس طرح کی مثالوں سے بہتیروں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی مثالوں سے لوگوں کا ایک امتحان بھی ہوتا ہے کہ غور وفکر کرنے والوں کے لئے یہ مثالیں ہدایت کا سامان ہیں اور بے پروائی برتنے والوں کے لئے اور زیادہ گمراہی کا سبب بنتی ہیں، اس کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ قرآن کریم کی ان مثالوں سے ایسے سرکش لوگ گمراہ ہوتے ہیں جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں، اس سے وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے سب روحوں کو جمع فرما کر لیا تھا، اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، اس پر سب نے ایک زبان ہو کر کہا تھا بَلٰی، ہاں آپ ہمارے پروردگار ہیں
اور جن تعلقات کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے یہ اس کو توڑ دیتے ہیں، اس میں وہ سب تعلقات داخل ہیں جو اللہ اور بندے کے درمیان ہیں، اور وہ تعلق بھی جو انسان کا اپنے والدین

اور دوسرے عزیزوں سے ہے اور وہ تعلق بھی جو پڑوسی اور دوسرے عام انسانوں سے ہوتا ہے ان سب تعلقات کے حقوق ادا کرنے کا نام اسلام ہے، اور انھی میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ساری زمین میں فساد آتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں اور یہی لوگ نقصان اور ٹوٹے میں ہیں کیونکہ ان برے کاموں کا بدلہ ان کو ملے گا ۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ

بھلا کیوں کر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جاندار کیا۔ پھر تم کو موت دینگے

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ

پھر زندہ کریں گے پھر انہی کے پاس لیجائے جاؤ گے ۔ وہ ذات پاک ایسی ہی ہے جس نے پیدا کیا تمھارے فائدے

جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ

کیلئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب، پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف سو درست کرکے بنائے سات آسمان

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں

تفسیر

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات و انعامات کا ذکر فرماکر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اتنے احسانوں کے ہوتے ہوئے یہ ظالم کیسے خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں، یا خدا کے ساتھ دوسرے کی بھی پوجا کرتے ہیں، حالانکہ تم بے جان تھے تمکو جاندار بنایا انسان اگر اپنی حقیقت پر غور کرے تو اسے پتہ چلے کہ وہ اپنے باپ کی پیٹھ میں بے جان تھا، اللہ نے اس کو جاندار بنایا اور پھر اس کی عمر کا مقررہ وقت پورا ہونے کے بعد اللہ موت دیگا اور پھر ایک عرصہ کے بعد قیامت میں زندہ کرے گا پھر اس ذات کے پاس لے جائے جاؤ گے ۔

اقوال وتحقیق

ثم استوی الی السماء الآیۃ :- آسمان کو پہلے پیدا کیا گیا یا زمین کو اس میں علماء مفسرین کی دونوں رائے ہیں (۱) جمہور علماء صحابہؓ تابعین ابن عباس مجاہد حسن وغیرہم فرماتے ہیں کہ زمین کو پہلے پیدا کیا گیا، دلیل میں یہی آیت ثم استوی الی السماء پیش کرتے ہیں (۲) حضرت قتادہؓ، سُدی مقاتلؒ اور بیضاوی وغیرہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں کو پہلے پیدا کیا گیا، دلیل میں سورہ والنزعٰت کی یہ آیت پیش کرتے ہیں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا، یعنی آسمانوں کو پہلے پیدا کرنے کے بعد زمین کو بچھایا (بقیہ ص ۳۹ پر)

ع ۳

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ الآیہ اس سے پہلی آیت میں ان مخصوص نعمتوں کا ذکر تھا جو انسان کی ذات میں موجود ہیں، اور اس آیت میں ان عام نعمتوں کا ذکر ہے جن سے پوری مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے اور وہ انسان کی زندگی اور بقا کے لئے ضروری ہے، ارشاد ہوتا ہے اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا اور انسان کی ضروریات کی تقریبًا سب ہی چیزیں زمین میں پیدا ہوتی ہیں جیسے غذا، لباس، مکان، دوا اور آرام وراحت کے دوسرے سامان، زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوئے اور سات آسمان مکمل طریقہ سے بنا دیئے زمین آسمان

(بقیہ احوال وتحقیق) دونوں جماعتوں کے خیالات قطعًا جداگانہ بلکہ متضاد ہیں اور دونوں قرآن مقدس کے آیات کو مستدل بناتے ہیں، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اس پیچیدہ سوال کو حضرت ابن عباس رض کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا کردی گئی تھی مگر اس کو پھیلایا گیا ہے آسمانوں کے پیدا کرنے کے بعد، یعنی پانی، چارہ، پہاڑ وغیرہ کو بعد میں ظاہر کیا گیا ہے، اس طرح اصل مادۂ زمین کی پیدائش کو مدنظر رکھتے ہوئے سورۂ بقرہ کی اس آیت میں الارض کو مقدم کردیا اور تکمیل کو مدنظر رکھ کر والنّٰزعٰت کی آیت میں الارض کو مؤخر کردیا۔ کل کائنات کو اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں پیدا فرمایا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ یعنی چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، اس پر ایک اعتراض یہ اٹھتا ہے کہ دن تو آفتاب کے طلوع وغروب سے ہوتا ہے، اس وقت دن اور دنوں کے نام کہاں تھے؟ اس کے دو جواب قلمبند کئے جاتے ہیں (۱) جو کچھ عالم ظہور میں ہونیوالا ہوتا ہے وہ علم الٰہی میں پہلے سے موجود ہوتا ہے (۲) اللہ تعالیٰ دن کی مقدار سے بخوبی واقف تھے، بس اندازہ لگا کر اتنے وقت کو دن سے تعبیر فرمادیا

سبع سمٰوٰت: آیت کے اس ٹکڑے سے بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سات ہیں اس کے برخلاف اہل ہیئت وسائنس کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں، اس تعارض کے دفعیہ سے پہلے ایک بات بطور اصول کے سمجھ لیجئے وہ یہ کہ ہیئت وسائنس والوں کی نظر سطحی ہوا کرتی ہے، مشاہدہ میں جیسا آیا ویسا بیان کردیا اس میں حقیقت کا اوجھل رہنا بہت ممکن ہے اور خالق ہردو عالم جو بیان فرماتا ہے وہ عین حقیقت ہوتا ہے، کیونکہ صاحب البیت ادری بما فیہ یعنی گھر والا ہی گھر کی حقیقت سے پورے طور پر واقف ہوتا ہے، بہرحال نصوص قطعیہ اور ہیئت وسائنس میں اگر کسی نوع کا بھی تعارض ہوگا تو ہم آنکھ بند کرکے نص کو رہنا لیں گے اور ہیئت وسائنس کو چھوڑ دیں گے۔

اس مقام پر جو تعارض نظر آرہا ہے وہ بھی درحقیقت اہل ہیئت وسائنس کی ضعفِ نظر کے سبب ہے، انھوں نے آلات کے ذریعہ دیکھا کہ پے درپے نو چھتیں ہیں بس نو آسمانوں کے قائل ہوگئے (بقیہ صفحہ ۴۳ پر)

اور جو کچھ ان میں ہے ان کا پیدا کرنا خدا کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر چیز کا جاننے والا اور قدرت والا ہے، اس پورے عالم کو اللہ رب العزت نے چھ دن میں پیدا کیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوتی ہے، دو دن میں زمین کو دو دن میں اس کی سب چیزوں کو اور دو دن میں آسمان کو پیدا کیا جمعہ کی شام میں ان سب چیزوں کی پیدائش سے فراغت ہوئی

عارف باللہ ابن عطار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو تمہارے واسطے اس لئے پیدا فرمایا کہ ساری کائنات تمہاری ہو، اور تم اللہ کے لئے ہو، اس لئے عقل مندی کا کام یہ ہے کہ جو چیز انسان کے لئے پیدا ہوئی ہے وہ تو اس کو ملے گی ہی اس میں لگ کر اس ذات سے غافل نہ ہو جس کے لئے یہ انسان پیدا کیا گیا ہے

(معارف القرآن و تفسیر ابن کثیر)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب، فرشتے کہنے لگے، کیا آپ پیدا

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

کرینگے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں، بحمد اللہ

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾

اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے

قصہ حضرت آدم علیہ السلام

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاص و عام نعمتوں کا ذکر فرمایا اس پورے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بھی اسی سلسلہ میں بیان کیا کہ اے انسان ہم نے تیرے باپ کو علم کی دولت دے کر اور فرشتوں سے سجدہ کرا کر تجھے عزت بخشی۔

روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے جنات زمین پر آباد تھے، انھوں نے فساد مچایا، قتل و غارت کیا، حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا گیا، جبرئیل اور اسکے ساتھیوں نے انھیں مار مار کر

بقیہ اقوال تحقیق) اور حقیقت یہ ہے کہ آسمان سات ہی ہیں آٹھویں عرش ہے اور نویں کرسی ہے، عرش و کرسی کی حقیقت سے ناواقفیت کیوجہ سے انھوں نے ان کو بھی آسمان کا نام دے کر نو آسمان بیان کر دیئے، فافہم و تشکر۔

جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا، پھر حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے زمین میں بسایا گیا
جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کرنے اور دنیا میں ان کی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتوں سے بظاہر امتحان لینے کے لئے اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا، فرشتوں کو کسی طرح یہ معلوم ہوگیا تھا کہ جو نئی مخلوق مٹی سے بنائی جائے گی، ان میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ ہوں گے، اس لئے انھوں نے نیاز مندانہ عرض کی کہ ہم سب کے سب ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں، ہر وقت تسبیح و تقدیس اور طاعت میں لگے رہتے ہیں، اور فرشتوں کی جماعت میں کوئی گناہ کرنے والا بھی نہیں، اس لئے کوئی نیا عملہ بڑھانے اور نئی مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے غلط ہونے کا اظہار حاکمانہ طرز پر کیا، کہ نئی مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اس کو میں جانتا ہوں تم نہیں۔ (ابن کثیر، معارف وغیرہ)

اقوال و تحقیق

اذ قال ربك الخ اللہ رب العزت کا یہ فرمان فرشتوں سے کس لئے تھا، اس میں مفسرین کے دو قول ہیں (۱) حضرت سدّی فرماتے ہیں بطور مشورہ تھا (اس پر جو اعتراض واقع ہوتا ہے اس کا مفصل جواب تفسیر کے تحت مذکور ہو چکا) (۲) اپنے اظہار حال کے لئے تھا، چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ایک روایت ہے کہ آدمؑ کی پیدائش سے قبل ملائکہ آپس میں کہا کرتے تھے۔ لَنْ يَّخْلُقَ اللهُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ "یعنی اللہ تعالیٰ کوئی مخلوق ہم سے افضل و اکرم اور اعلم پیدا نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ میں ایک مخلوق ان سے زائد افضل و اکرم اور اعلم پیدا کروں گا اور اس کو خلیفہ بناؤں گا، اسی کا اظہار اس آیت میں فرشتوں سے کر دیا۔

قالوا اتجعل فیہا الخ (فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے) فرشتوں کا یہ کہنا کسی اعتراض یا آدم پر حسد کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ صرف حکمت و مصلحت معلوم کرنے کے لئے تھا، کہ جو مخلوق خون خرابے کرے گی اس کے پیدا کرنے میں کیا راز ہے، کیا حکمت ہے؟
اب یہاں پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملائکہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ فساد و خوں ریزی کریں گے، علماء مفسرین نے اس کے تین جوابات دیئے ہیں (۱) جنات کے فساد پر قیاس کر کے کہا کہ نئی مخلوق بھی اسی طرح فساد کرے گی (۲) حضرت حسن و قتادہؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مطلع فرما دیا تھا کہ وہ ایسا ایسا کریں گے (۳) ابو جعفر محمد بن علیؒ فرماتے ہیں کہ سجل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت و ماروت تھے، اسے ہر روز تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی، ایک مرتبہ جب اس نے آدمؑ کی پیدائش وغیرہ کا مطالعہ کیا تو اس نے چپکے سے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی بتا دیا، جب اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ تو فساد کرنے والے ہوں گے، اخیر کے دونوں قول غریب روایت سے ثابت ہیں، واللہ اعلم (ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ)

اللہ مشورہ کا محتاج نہیں

یہاں سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ نے فرشتوں سے مشورہ لیا اور وہ محتاج ہے دوسروں کے مشورہ کا، نہیں حقیقت میں یہاں مشورہ لینا مقصود نہیں اور نہ ہی خدا کو ضرورت ہے، لیکن یہاں صورت مشورہ کی بنائی گئی، جس سے یہ فائدہ ہوا کہ مخلوق کو مشورہ کرنا چاہئے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ سے مشورہ لینے کی ہدایت قرآن میں فرمائی گئی، حالانکہ آپ تو صاحب وحی ہیں تمام حالات آپ کو وحی کے ذریعہ بتلائے جاسکتے تھے مگر مشورہ کی سنت کو جاری کرنے اور امت کو سکھانے کے لئے آپ کو مشورہ کی تاکید فرمائی گئی۔ (بیان القرآن بتغیر یسیر)

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي

اور علم دیدیا آدمؑ کو سب چیزوں کے اسماء کا پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کردیں پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھکو

بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ

اسماء ان چیزوں کے اگر تم سچے ہو فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں ہمکو کوئی

لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾

علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا بیشک آپ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حاکمانہ طرز پر جواب دیا تھا، اس آیت میں حضرت آدمؑ کی بڑائی جتلا کر جواب دیا گیا ہے کہ پوری کائنات کی چیزوں کے نام مع ان کی خاصیت اور علامتوں کے کہ کون سی چیز نقصان دہ ہے، کون سی فائدہ مند، کس جاندار کا مزاج کیسا ہے وغیرہ، سب کچھ حضرت آدمؑ کو سکھایا گیا کیونکہ آدمؑ میں صلاحیت تھی

اقوال و تحقیق

الاسماء کلھا۔ حضرت آدمؑ کو کن چیزوں کے نام سکھلائے گئے اس میں علماء مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) ہر وہ چیز جو اس وقت تھی اور جو قیامت تک وجود میں آئے گی یہاں تک کہ چھوٹے بڑے پیالے، چمچے اور وہ ریح جو دُبر سے بلا آواز نکلتی ہے اس کا بھی نام بتادیا گیا تھا (۲) اللہ تعالیٰ کے نام (۳) فرشتوں کے نام (۴) انسانوں کے نام (۵) ستاروں کے نام (۶) صاحب روح المعانی علامہ آلوسی نے چند اقوال نقل فرماکر لکھا ہے کہ حق میرے نزدیک یہ ہے اور اسی پر اہل اللہ کا اتفاق ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر اس چیز کا علم دیا گیا تھا جو منصب خلافت کے لئے ضروری ہے یہ قول عقل کے بھی عین مطابق ہے۔ (روح المعانی، ابن کثیر)

کہ وہ ان باتوں کو یاد کر سکیں، فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی، اس لئے آدمؑ کو ان سب چیزوں کے نام یاد ہوگئے فرشتوں کو نہیں، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کرکے سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ ہم زمین کے خلیفہ بننے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں تو ان چیزوں کے نام وغیرہ بتاؤ، فرشتوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار، آپ پاک ہیں ہم کچھ نہیں جانتے مگر وہی جو آپ نے سکھایا، بے شک آپ بڑے علم و حکمت والے ہیں، الحاصل فرشتوں نے ظاہری طور پر بھی اس بات کا اقرار کیا کہ ہماری رائے غلط تھی، آپ نے جو نئی مخلوق یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا ہے وہی زمین کے خلیفہ بننے کے زیادہ مستحق ہیں (بیان القرآن معارف، ابن کثیر وغیرہ)

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم ان کو ان چیزوں کے اسماء بتلا دو سو جب بتلا دیئے ان کو آدم نے ان

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ

چیزوں کے اسماء، تو حق تعالیٰ نے فرمایا میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس بات کو دل میں رکھتے ہو

اقوال و تحقیق ثُمَّ عَرَضَهُمْ ا حضرت آدم نے ملائکہ پر بحکم خداوندی چیزیں پیش کیں جن کے نام سکھلائے گئے تھے، یا وہ نام ہی ان کو سنائے، مفسرین کے دونوں قول ہیں علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ نام پیش کئے گئے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ:۔ کس بات میں سچے ہیں اس کے متعلق تین قول منقول ہیں (۱) ہم تمام مخلوقات میں افضل واعلم ہیں (۲) ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں (۳) اولاد آدم فساد و خوں ریزی کرے گی، حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان میں پہلا قول صحیح ہے

اس مقام پر ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو صلاحیت آدمؑ میں خلافت کے لئے تھی وہ تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ملائکہ میں بھی پیدا کر سکتے تھے، پھر فرشتوں ہی کو کیوں نہ وہ صلاحیت عطا کی گئی۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس اعتراض کا مطلب تو یہ ہوا کہ ملائکہ کو انسان بنا دیتے کیونکہ جب وہ صلاحیت جو آدم میں ودیعت کی گئی تھی، ملائکہ میں پیدا کر دی جاتی تو پھر فرشتے نہ رہتے بلکہ انسان بن جاتے۔

(روح المعانی، ابن کثیر، معارف، جلالین)

تفسیر جب فرشتوں نے اپنا عجز تسلیم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ آدم علیہ السلام نے فرفر سب چیزوں کے نام بتادیئے، سب فرشتے دنگ رہ گئے اور آدم ؑ کی یادداشت پر عش عش کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم آسمان و زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتے ہیں اور جو باتیں تمھارے دلوں میں پوشیدہ ہیں ان سے بھی واقف ہیں

(معارف القرآن جلد اول مفہوم و فوائد ترجمہ شیخ الہندؒ)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى

اور جس وقت ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے

وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہوگیا کافروں میں سے

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کی بزرگی و فضیلت کو ظاہر فرمایا ہے کہ فرشتوں اور جنوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس ملعون نے سجدہ سے انکار کیا اور غرور میں آگیا، اور کہنے لگا کہ میں آدم ؑ سے افضل ہوں کیوں کہ میں عمر میں بھی اس سے بڑا ہوں اور اس سے زائد طاقتور اور مضبوط ہوں یہ مٹی سے بنایا گیا اور میں آگ سے بنا ہوں، آگ مٹی سے بہتر و افضل ہے، لہٰذا میں آدم کو سجدہ نہیں کروں گا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اس کو راندۂ درگاہ بنا دیا

(معارف القرآن، ابن کثیر)

اقوال و تحقیق (ابلیس یعنی شیطان کون ہے؟ اس کی مختصر سی تاریخ یا تعارف کو یہاں قلمبند کیا جاتا ہے، اسکے دو نام تبلائے جاتے ہیں ۱ حارث ۲ عزازیل، اسکے چار پر تھے، علم اجتہاد میں بڑا ماہر تھا اسی لئے کبر و غرور اور بڑائی اسکے دماغ پر بُری طرح چھا گئی تھی، جنت کا خازن تھا، اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ ابلیس جنوں میں سے تھا یا ملائکہ میں سے؟ حق یہ ہے کہ یہ جنات میں سے تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں تصریح ہے "مِنَ الْجِنِّ" یہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے پیدا کیا گیا تھا جس کا بیان قرآن عزیز کی اس آیت میں ہے "مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ" اوپر کی اس تقریر سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ شیطان جنوں میں سے تھا لیکن شبہ ہوتا ہے کہ یہ فرشتوں میں سے تھا کیونکہ اِلَّآ اِبْلِيْسَ کہہ کر ملائکہ سے استثنیٰ کیا گیا ہے (بقیہ ص ۴۵ پر)

ایک سوال کا جواب

یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ خدا کے سوا دوسروں کو سجدہ کرنا حرام ہے پھر یہاں فرشتوں نے آدم ؑ کو سجدہ کیوں کیا ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سجدہ کے لغوی معنی ہیں جھکنے اور تعظیم کرنے کے جیسے چھوٹا بڑوں سے اور شاگرد استاد سے پیش آتا ہے، حضرت یوسف ؑ کے بھائی جب شہر مصر میں پہنچے تو یوسف سے اسی طرح تعظیم و تکریم سے پیش آئے تھے۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ پہلے نبیوں کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم میں سجدہ جائز تھا اور شریعت محمدیہ میں اس سے منع کر دیا گیا، ہماری شریعت میں صرف سلام اور مصافحہ کی اجازت ہے، رکوع، سجدہ، یا نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

وَقُلْنَا يَآ اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے با فراغت جس جگہ سے

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں

تفسیر

جب آدم علیہ السلام کی فضیلت اور خلافت فرشتوں پر واضح کر دی گئی، اور فرشتوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور ابلیس لعین اپنے تکبر اور اللہ سے بحث و مباحثہ کی وجہ سے کافر ہو کر نکال دیا گیا تو حضرت آدم ؑ اور ان کی بیوی حوا کو یہ حکم ملا کہ تم دونوں جنت میں رہو اس کی سب نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ تم پر کوئی روک ٹوک نہیں، جہاں سے جو جی چاہے خوب کھاؤ پیو مگر اللہ تعالیٰ نے ایک معین درخت کے لئے ہدایت کی کہ اس کے قریب نہ جانا یعنی اسکے کھانے سے مکمل پرہیز کرنا نہیں تو تم بھی انھی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھے۔

(معارف و حقانی وغیرہ)

(بقیہ احوال و تحقیق) اور استثنار جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ پہلے سے اس میں داخل بھی ہو، اس کا سب سے زیادہ سہل اور بے غبار جواب یہ ہے کہ یہاں اس کا استثنار تغلیباً کیا گیا ہے، چونکہ یہ بے پناہ عبادت و ریاضت کر کے اور ملائکہ میں خوب گھل مل گیا تھا اسلئے ان ہی کے مثل ہو گیا تھا، چنانچہ ظاہری طور پر اس کو اسی لائن میں کھڑا کیا، واللہ اعلم۔

حضرت آدم کو سجدہ کرنے کے سلسلے میں جو اعتراض ہے جس کے دو جواب تفسیر کے عنوان میں پیش کیے گئے

بقیہ ص۴۶ پر

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

پھر لغزش دیدی آدم وحوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کرکے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

ہم نے کہا نیچے اترو تم میں سے بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر چند سے ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ایک میعاد معین تک

تفسیر حضرت آدمؑ و حضرت حواء بڑے آرام سے جنت میں رہنے لگے، شیطان جو سمجھتا تھا کہ میں آدم ہی کی وجہ سے مردود ہوا ہوں، اس تاک میں تھا کہ ان کو جنت سے نکلوا دے اس نے کسی طرح موقع پا کر اور مصلحتیں بتلا کر ان دونوں کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر دیا ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ حکم ملا کہ اب تم زمین پر جا کر رہو اور یہ بھی بتلا دیا کہ زمین کی رہائش جنت کی طرح راحت و آرام اور اطمینان و سکون کی نہ ہوگی بلکہ وہاں آپس میں لڑائی جھگڑے اور دشمنیاں اور اختلافات بھی ہوں گے جس سے زندگی کا لطف و مزا پورا نہ رہے گا اور یہ بھی بتلا دیا کہ زمین پر ہمکو نہ رہنا ہو سکے گا بلکہ اس کو بھی میعاد پوری ہو جانے پر چھوڑنا پڑے گا۔

(بقیہ اقوال و تحقیق) اس کا ایک جواب امام رازیؒ نے دیا کہ اصل سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا، حضرت آدم بطور قبلہ تھے، میں کہتا ہوں سجدہ کرنا ایک عبادت ہے۔ عبادت کا مقصد ہے خدائے تعالیٰ کی اطاعت گزاری، حکم کا مان لینا سو اگر حق تعالیٰ انسانوں کو بھی اپنے سوا کسی اور شئی کو خواہ وہ شجر و حجر کچھ بھی ہو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو وہ بھی انسان کے لئے عبادت ہوتی اسلئے ابلیس کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنا بھی عبادت تھا کیونکہ وہ اطاعت حکم خداوندی تھا، (ہذا ما در دنی صدری والعلم عند اللہ تعالیٰ) (خلاصہ ابن کثیر وغیرہ)

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ :- یہ درخت کون سا تھا، اس کی قرآن شریف اور حدیث صحیح میں کوئی وضاحت نہیں البتہ مفسرین کے کچھ اقوال موجود ہیں، بعض نے فرمایا یہ درخت گیہوں کا تھا، بعض نے انجیر اور بعض نے انگور کی بیل اور بعض نے کھجور کا درخت بتلایا ہے، بعض فرماتے ہیں کہ یہ ایک خاص قسم کا درخت تھا جس کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی ہے جو جنت کے لائق نہیں۔

علامہ ابن کثیر اور امام رازیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس درخت کے بارے میں جستجو نہ کرنی چاہئے کیونکہ معلوم کر لینے سے نہ کوئی اہم فائدہ ہے اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان۔

(خلاصہ ابن کثیرؒ) محمد یعقوب غفرلہ ولوالدیہ

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شیطان کو مردود کر کے جنت سے نکال دیا گیا تھا تو یہ آدم وحواء کو بہکانے کے لئے جنت میں کس طرح پہونچا؟ علمار مفسرین نے اس کے بہت سے جواب دیئے ہیں (۱) ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالدیا ہو، چونکہ شیطان جنوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی قدرت دے رکھی ہے جو عام انسانوں کو نہیں دی گئی (۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان نے کسی جانور کی شکل اختیار کرلی ہو اور پھر جنت میں داخل ہوگیا ہو جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ سانپ وغیرہ کی صورت بنا کر جنت میں داخل ہوگیا ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم ؑ کو ان کی دشمنی کی طرف دھیان نہ رہا۔

آدم وحوا کو کس خطہ پر اتارا گیا

حضرت آدمؑ وحواؑ اور ابلیس ملعون کو زمین کے کس خطہ پر اتارا گیا؟ اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، حضرت سدیؒ کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام ہند میں اترے، آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنت کے درخت کے پتے تھے جنھیں آپ نے ہند میں پھیلایا، اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شہر دھنا میں اترے تھے، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آدم ہند میں حوا جدہ میں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دستیمان میں پھینکا گیا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم صفا پر اور حوا مروہ پر اتریں اترتے وقت ان کے ہاتھ گھٹنوں پر اور سر جھکا ہوا تھا، اور اترتے وقت ابلیس کی حالت یہ تھی کہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھا۔

انبیار معصوم ہیں

علمار اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرات انبیار علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ومحفوظ ہیں، کیونکہ ان کو لوگوں کا مقتدیٰ بنا کر بھیجا جاتا ہے اگر ان سے بھی کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف چاہے چھوٹا گناہ ہو یا بڑا ہونے لگے تو وہ قابل اعتماد واطمینان نہیں رہینگے، جب انبیار ہی پر اعتماد واطمینان نہ رہے تو پھر دین ومذہب کا کہاں ٹھکانا۔

اب لازمی طور پر یہ سوال ذہن میں آئے گا کہ جب انبیار معصوم ہیں تو پھر حضرت آدم ؑ سے اس درخت کے کھانے کی لغزش کیوں ہوئی، یہ واقعہ اور اس قسم کے وہ تمام دوسرے واقعات جو قرآن کریم میں مذکور ہیں بالاتفاق علمائے امت انکا یہ جواب ہے کہ ایسے واقعات کسی غلط فہمی یا خطا کی وجہ سے ہوجاتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ غلط فہمی خطا و بھول انبیار سے تبلیغ اور خدا کے احکام پہونچانے میں ہرگز نہیں ہوتی، کبھی کوئی موقع پرست اسی کو لے کر انبیار کی معصومیت کا انکار کرنے لگے، رہ جاتا ہے یہ سوال کہ آدم علیہ السلام کا واقعہ کس غلط فہمی کی وجہ سے ہوا، اسکے

بھی بہت سے جواب ہیں مگر ہم یہاں صرف دو قلمبند کرتے ہیں

اول یہ کہ جس وقت آدمؑ کو منع کیا گیا تھا تو ایک خاص درخت کی طرف اشارہ کرکے منع کیا گیا، مراد یہ تھی کہ اس طرح کے جتنے بھی درخت ہیں اور حضرت آدمؑ نے یہ سمجھ لیا کہ صرف اسی ایک درخت کے کھانے کی ممانعت ہے دوسروں کی نہیں اس وجہ سے کھا بیٹھے۔

دوم یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا ہو کہ اس درخت کے کھانے کی ممانعت صرف آپ کی ابتدار پیدائش کے وقت تھی جیسے چھوٹے بچوں کو اول عمر میں قوی اور بھاری غذا سے روکا جاتا ہے، اور بڑا اور طاقتور ہو جانے کے بعد ہر غذا کی اجازت ہو جاتی ہے، اور اب آپ بھی قوی و طاقتور ہو چکے ہیں اس لئے اس درخت کے کھانے کی ممانعت اب باقی نہیں رہی، یہ سب باتیں شیطان نے قسمیں کھا کر کہیں جس کی وجہ سے حضرت آدمؑ اس درخت کے کھانے کی لغزش میں مبتلا ہو گئے۔ (بیان معارف و ابن کثیر وغیرہ)

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِؕ اِنَّهٗ هُوَ

بعد ازاں حاصل کر لئے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

ان پر بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان۔

تفسیر:- اس سے پچھلی آیتوں میں شیطانی وسوسہ، حضرت آدم کی لغزش، جنت سے نکالنا اور زمین پر اترنے کا بیان ہوا، اس آیت میں حضرت آدم کی توبہ اور اسکے قبول ہونے کا بیان ہے

حضرت آدمؑ پر جب اللہ تعالیٰ کا عتاب (غصہ و غضب) ہوا تو یہ گھبرا گئے، بے چین ہو گئے فوراً توبہ و معافی کرنا چاہی مگر اس خوف سے زبان خاموش رہی کہ کہیں معافی کی التجا خدائے ذوالجلال کی شان کے خلاف نہ ہو جائے جس سے خدا کا غصہ اور بڑھ جائے، بہرحال اللہ تعالیٰ تو دلوں

اقوال و تحقیق کلمات:- اس کی تفسیر میں کئی اقوال منقول ہیں یہاں چار کو سپرد قرطاس کیا جاتا ہے (۱) رَبَّنَا ظَلَمْنَا الخ جو مکمل اوپر تفسیر کے ذیل میں درج کیا گیا (۲) حضرت ابن عباس رضؓ نے اس کی تفسیر احکام حج کی ہے (۳) حضرت ابن عباس رضؓ نے یہ تفسیر بھی فرمائی ہے کہ حضرت آدمؑ نے پروردگار عالم کے حضور میں عرض کیا، خدایا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ بقیہ ۴۹

کے حال کو خوب جانتا ہے، اسلئے حضرت آدمؑ کی حالت دیکھ کر خود ہی توبہ کے کلمات بھی سکھلا دیئے جن کا ذکر قرآن کریم میں دوسری جگہ اس آیت میں ہے، رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یعنی ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم نقصان والے ہوجائینگے
جب آدم وحوا نے ان کلمات کے ذریعہ توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی اور بلا شبہ وہی ہے بڑے توبہ قبول کرنے والے۔

توبہ قبول کرنے کا اختیار صرف خدا کو ہے

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توبہ قبول کرنے اور گناہ معاف کرنے کا اختیار صرف خدائے تعالیٰ کو ہے اس کے سوا کسی کو نہیں
یہود ونصاریٰ اس قاعدہ سے غفلت کی بنا پر سخت فتنہ میں مبتلا ہوگئے کہ پادریوں اور پیروں کے پاس جاتے اور ان کو کچھ ہدیہ دے کر اپنے گناہ معاف کرالیتے اور سمجھتے کہ انھوں نے معاف کردیا تو اللہ کے نزدیک بھی معاف ہوگیا، آج بھی بہت سے ناواقف مسلمان اس طرح کے غلط عقیدے رکھتے ہیں، کوئی بزرگ یا پیر کسی کے گناہ معاف نہیں کرسکتا، البتہ گناہوں کی معافی کی اللہ سے دعا کرسکتا ہے۔ (خلاصہ معارف القرآن جلد اول)

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ
ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ، اس بہشت سے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم
تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے

(بقیہ اقوال وتحقیق) میرے چھینکنے پر یَرْحَمُكَ اللہ نہیں کہا؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں تھی؟ کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں کرگئی؟ جواب ملا کہ ہاں یہ سب میں نے کیا ہے، حضرت آدمؑ نے عرض کیا پروردگار کیا میری توبہ قبول کرکے مجھے پھر جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں، بس یہی وہ کلمات ہیں جو آدمؑ نے اللہ سے سیکھے (۴) علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے آدمؑ نے عرش پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا اور پھر اسی کے وسیلہ سے شفاعت کرائی، علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کلمات کی تفسیر رَبَّنَا ظَلَمْنَا اور ان سب باتوں کو شامل ہے (جو اوپر لکھی گئی ہے) (تفسیر ابن کثیر، روح المعانی۔)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر جنت سے نکالتے وقت جو خبر حضرت آدمؑ وغیرہ کو دی ان دو آیتوں میں اس کا ذکر ہے کہ تم سب جنت سے نکل کر زمین پر چلے جاؤ، میری نظر کرم وہاں بھی تم پر رہے گی میں تمھارے پاس اپنی ہدایت یعنی آسمانی کتابیں اور انبیاء کو بھیجوں گا، تم میری ہدایت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا، بس جو میری ہدایت پر عمل کرے گا نہ اسے آئندہ کا خوف ہوگا، اور نہ گذری ہوئی زندگی پر غمگین ہوگا، یعنی دونوں جہان میں خوش و خرم رہے گا اور جو میری ہدایت پر عمل نہیں کرے گا، کفر و شرک کرے گا اور ہماری کتاب کی آیتوں کو یا ہماری ان نشانیوں کو جو ہمارے وجود اور انبیاءؑ کی صداقت و سچائی پر اس جہان کے ذرے ذرے سے روشن ہیں کو جھٹلائے گا وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔

کیا مومن جہنم میں جائیں گے اس آیت سے یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ کافر ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے، اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ کیا مومن بھی جہنم میں جائیں گے یا نہیں؟ اس کا جواب صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ خدا و رسول کے ماننے والے لوگوں کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائیگا وہ جل کر کوئلہ ہوکر مرجائیں گے پھر ان کو نبی کی شفاعت کرنے پر جہنم سے نکال لیا جائیگا

(خلاصہ تفسیر حقانی و ابن کثیر)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا

اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ میرے احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے عہد کو

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ

پورا کروں گا میں تمھارے عہد کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں

اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ

نے نازل کی ہے ایسی حالت میں کہ سچ بتلانیوالی ہے اس کتاب کو جو تمھارے پاس ہے اور مت ہو تم سب میں پہلے انکار کرنے والے

تفسیر
حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کو بنی اسرائیل کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے، اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے، اسکے معنی عبداللہ ہیں، اسرائیل حضرت یعقوب ؑ کا دوسرا نام ہے، اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بنی یعقوب سے خطاب نہیں کیا بلکہ بنی اسرائیل سے کیا ہے حکمت و مصلحت اس میں یہ ہے کہ اس خاندان کو اس خطاب ہی سے معلوم ہو جائے کہ ہم اللہ کے عبادت گذار بندے کی اولاد ہیں، ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ تم عالم کی اولاد ہو تمھیں علم میں کمال حاصل کرنا چاہیئے، تم پہلوان کی اولاد ہو تمھیں پہلوانی اور بہادری میں آگے بڑھنا چاہیے، تم سخی کی اولاد ہو، تمھیں خوب سخاوت کرنی چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

یٰبنی اسرائیل اذکروا الآیہ یعنی اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں یعنی فرعونیوں سے آزاد کرانا، پتھر سے نہروں کو نکالنا، بادشاہت عنایت فرمانا تم میں رسولوں کو بھیجنا وغیرہ، ان احسانوں اور نعمتوں کو یاد دلاکر اللہ رب العزت اس قوم سے فرمارہے ہیں کہ اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، حضرت قتادہ رحؒ نے فرمایا، اس عہد کا بیان چھٹے پارے کے چھٹے رکوع کی اس آیت میں ہے وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِىٓ اِسْرَآئِيلَ الخ یعنی اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز کی پابندی کروگے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہوگے، اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہوگے اور ان کی مدد کرتے رہوگے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہوگے۔

اس عہد کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کرو اور اسکے رسول کو سچا جانتے ہوئے اس کے لائے ہوئے احکام پر پابندی سے عمل کرتے رہو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تم اپنے عہد کو پورا کروگے تو میں اپنے عہد کو پورا کروں گا جس کا تذکرہ اسی آیت میں آگے آتا ہے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ الآیۃ یعنی تو میں ضرور تم سے تمھارے گناہ دور کردوں گا اور ضرور تمکو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

عہد شکنی کی سزا
حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عہد و معاہدہ کو پورا کرنا ضروری ہے اور عہد توڑنا حرام ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عہد توڑنے والوں کو جو سزا آخرت میں ملے گی اسکے پہلے ایک سزا یہ دی جائے گی کہ میدان حشر میں عہد شکنی کرنے والے کے اوپر ایک جھنڈا علامت کے طور پر لگا دیا جائیگا اور جتنی بڑی عہد شکنی ہوگی اتنا ہی یہ جھنڈا بلند ہوگا، اس طرح ان کو

میدان حشر میں رسوا و شرمندہ کیا جائیگا (مسلم شریف)
وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ، اور صرف مجھ ہی سے ڈرو، مطلب یہ ہے کہ اپنے مریدین و معتقدین عوام سے نہ ڈرو کہ اگر ہم نے ان کے منشاء و مفاد کے خلاف کوئی حق بات کہدی تو یہ ہم سے ناراض ہوجائیں گے اور ہماری آمدنی بند ہوجائے گی۔
اور تم قرآن کریم پر ایمان لے آؤ، اس کتاب کی خصوصیت ہے کہ یہ تمہاری کتاب تورات و انجیل کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ آسمانی ہے۔ پس جب یہ بات ہے تو تمھیں اس کا انکار کرکے سب سے پہلے کافر نہیں ہونا چاہیئے، کفر چاہے سب سے پہلے ہو یا بعد میں بہرصورت بہت برا کام ہے مگر اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم پڑھے لکھے ہو لوگ تمھیں دیندار سمجھتے ہیں اگر تم کافر ہوگئے تو تمھیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی کافر ہوجائیں گے ان کا عذاب بھی تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کے لئے کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے تو جتنے آدمی اسکے سبب سے گناہ میں مبتلا ہوں گے اس کا گناہ ان آدمیوں کو بھی ہوگا، اور اس شخص کو بھی۔ اسی طرح جو آدمی دوسروں کے لئے کسی نیکی کا سبب بن جائے تو جتنے آدمی اس کی وجہ سے نیک کام کریں گے اس کا ثواب جیسا کہ ان کو ملیگا ویسا ہی اس کو ملیگا۔ (حاصل معارف، حقانی، ابن کثیر)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ز وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا

اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضۂ حقیر کو اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو، اور مخلوط مت

تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو اس حالت میں کہ تم جانتے ہو

تفسیر اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دو چیزوں پر تنبیہ فرمائی ہے اول یہ کہ میری آیتوں کے بدلے میں حقیر مال مت لو کہ مال و دولت کے لالچ میں اور مریدین کی خوشی و رضا کے لئے ان آیتوں کو چھپانے لگو یا ان کا غلط مطلب بتانے لگو۔

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا حکم اس مقام پر ذہن میں اس سوال کا آنا بھی ضروری ہے کہ جو لوگ قرآن شریف کی تعلیم دیتے ہیں، ان کے لئے اجرت لینا کیسا ہے؟ صاحب ہدایہ رح نے لکھا ہے کہ آج کل تعلیم قرآن پر اجرت و تنخواہ کے جائز ہونے کا فتوی دینا چاہیے، کیونکہ اسلامی دور میں قرآن شریف کے پڑھانے والوں کو بیت المال سے وظیفے ملتے تھے، اب چونکہ یہ شکل نہیں ہے اس لئے متاخرین علماء حنفیہ نے معلمین قرآن کے لئے اجرت و تنخواہ لینا ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے

اسی طرح فقہاء نے دوسرے ایسے کاموں پر بھی تنخواہ لینا جائز فرمادیا ہے جن پر دین کی بقاء موقوف ہے جیسے امامت اذان، فقہ و حدیث کی تعلیم دینا وغیرہ (درمختار، شامی)

ختم قرآن پر اجرت لینے کا حکم علامہ شامی رح نے لکھا ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینا اس وجہ سے جائز ہے تاکہ دین برقرار رہے اس کا نظام درست رہے مگر مردوں کو ایصال ثواب کے لئے اجرت پر قرآن ختم کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا حرام ہے، کیونکہ اس پر کسی دینی ضرورت کا مدار نہیں۔

بہر حال اجرت پر قرآن ختم کرنے اور کرانے والے دونوں گنہ گار ہوں گے، اور جب پڑھنے والے ہی کو کوئی ثواب نہ ملا تو مردے کو وہ کیا پہونچے گا (شامی ص۴۷ ج۱)

اس آیت میں دوسرے اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ حق بات کو نہ چھپاؤ، اور نہ ہی حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط کرو۔

بنی اسرائیل (قوم یہود) کی عادت تھی کہ وہ اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب توراۃ و انجیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں تھی ان کو لوگوں کے سامنے بیان کرکے حضورﷺ کی خوب تعریف کرتے تھے، اور جب آپ دنیا میں تشریف لے آئے تو حسد کرنے لگے اور ان سب بشارتوں اور خوشخبریوں کو جان بوجھ کر گڑبڑ کرنے لگے، اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا۔

اس لئے ان سے کہا جارہا ہے کہ محمد عربی کے متعلق جو پیشین گوئیاں تمہاری کتابوں میں ہیں ان کو لوگوں سے نہ چھپاؤ، اپنی ان گندی عادتوں کو چھوڑ دو۔ (حاصل معارف، حقانی، ابن کثیر)

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور قائم کرو تم لوگ نماز کو۔ اور دو زکوۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ

تفسیر اس آیت شریفہ میں قوم یہود کو حکم دیا جارہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھو اور ان کو زکوٰۃ دو، الغرض ان کی امت میں پورے طور پر شریک ہوجاؤ۔

باجماعت نماز کا حکم وارکعوا مع الراکعین:- حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے (اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ) آیت کے اس ٹکڑے میں نماز کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرات صحابہؓ وتابعینؒ اور جمہور علماء امت کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ (خلاصہ ابن کثیر و معارف ص ۲۱۶، ۲۱۷ ج ۱)

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ

کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے

الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے

تفسیر علماء بنی اسرائیل کے بعض رشتہ دار مسلمان ہوگئے تھے، جب ان سے گفتگو ہوئی تو یہ علماء ان سے کہتے کہ بے شک محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق رسول ہیں ہم لوگ کسی مصلحت کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوتے، تم مذہب اسلام کو نہ چھوڑنا، اسی بنا پر حق تعالیٰ نے فرمایا کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو اور آپ کی اطاعت کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے، حالانکہ تم توارت کی تلاوت کرتے رہتے ہو جس میں جگہ جگہ بے عمل عالم کی برائی مذکور ہے۔

بے عمل واعظ کی سزا بے عمل واعظ کی سزا بہت سی روایات میں آئی ہے، بعض کو یہاں لکھا جاتا ہے

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ واعظ بے عمل کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہ خود جل رہا ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج والی رات میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ قینچی سے کاٹے جارہے ہیں، آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا آپ کی امت کے وہ واعظ جو دوسروں کو اچھی باتیں بتاتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے

(۳) حضورؐ نے فرمایا بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم یہاں

کیسے پہونچ گئے حالانکہ ہم تو انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے وہ کہیں گے ہم زبان سے کہتے تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے۔

کیا بے عمل وعظ نہیں کرسکتا ان تینوں روایات کو پڑھ کر شاید یہ بات ذہن میں جم رہی ہو کہ بے عمل عالم وعظ و نصیحت نہیں کرسکتا ہے نہیں نہیں، ایسی بات ہرگز نہیں، عالم بے عمل کو وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے کیونکہ اچھا عمل الگ نیکی ہے اور اس اچھے عمل کی تبلیغ الگ نیکی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کو چھوڑنے سے یہ ضروری نہیں کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے جیسے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس کی وجہ سے روزہ بھی چھوڑ دے۔

امام مالکؒ نے حضرت سعید بن جبیرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، اگر ایک شخص یہ سوچ کر اچھے کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے روکنا چھوڑ دے کہ میں خود گناہ گار ہوں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تبلیغ کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا، کیونکہ ایسا کون ہے جو گناہوں سے بالکل پاک ہو، حضرت حسنؒ کا ارشاد ہے کہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ لوگ اسی غلط خیال میں پڑکر فریضۂ تبلیغ چھوڑ بیٹھیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے، کہ جب مجھے اپنی کسی بری عادت کا علم ہوتا ہے تو میں اس عادت کی برائی کو اپنے مواعظ میں خاص طور سے ذکر کرتا ہوں تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے۔

بہرحال اس آیت کا خلاصہ و مطلب یہ نکلتا ہے کہ واعظ کو بے عمل نہ ہونا چاہیئے اگرچہ اس کو وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے کیونکہ بے عمل کی بات میں اثر نہیں ہوتا اور جب سننے والوں پر اثر ہی نہ ہو تو ایسے وعظ سے کوئی خاص فائدہ نہیں (ملخصاً ابن کثیر، معارف ج ۱ ص ۲۱۵-۲۱۹)

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿٤٥﴾

اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بلیک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿٤٦﴾

نہیں اور خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانیوالے ہیں۔

تفسیر :- قوم یہود ایمان قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے پہلے انھیں وہ طریقہ

بتلایا جس سے ایمان قبول کرنے میں آسانی ہوسکے
ان کے اندر دو خصلتیں بڑی کثرت سے پائی جاتی تھی، ایک حبّ جاہ یعنی عزت و مرتبہ کی چاہ دوسرے حُبّ مال یعنی مال و دولت کا لالچ یہی دونوں چیزیں ایمان قبول کرنے میں آڑے بنتی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو علاج بتلایا کہ تم صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو جب صبر کیا جائیگا تو مال کی محبت آہستہ آہستہ دل سے نکل جائے گی اور نماز سے حب جاہ کم ہوجائے گی، کیونکہ نماز میں ظاہری اور باطنی ہر طرح کی عاجزی و انکساری ہے جب عاجزی آنی شروع ہوجائے گی تو حب جاہ و منصب اور تکبر و غرور گھٹے گا، مال و منصب سے محبت کی وجہ سے ایمان لانا دشوار ہورہا تھا جب یہ دونوں گھٹ جائیں گے تو اب ایمان لانا آسان ہوجائے گا مگر بجائے خود ایک دشوار گھاٹی یہ ہے کہ نماز کا پڑھنا ان کو نہایت مشکل لگتا ہے اس لئے آگے اس کو بتلادیا گیا کہ نماز اگرچہ دشوار اور بھاری معلوم ہوتی ہے لیکن جن کے دلوں میں خشوع ہے ان کے لئے کچھ دشوار نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر یقین رکھتے ہیں کہ ہم ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہاں جاکر حساب و کتاب بھی دینا ہے ان دونوں خیالوں سے دل میں رغبت پیدا ہوگی اور خوف بھی اور یہی دونوں چیزیں ہر عمل کی روح ہیں
بہرحال اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے اس نسخہ کو استعمال کرنے کے بعد ہر اس شخص کیلئے ایمان قبول کرنا آسان ہوجائیگا - جو حُبِّ جاہ و حبِّ مال میں پھنسا ہوا ہے۔
(بیان القرآن و معارف القرآن، بتغیر یسیر)

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ

اے اولاد یعقوب کی تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمکو انعام میں دی تھی اور اس کو کہ میں نے تمکو

عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٤٧﴾ وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا لَّا تَجۡزِي نَفۡسٌ عَن نَّفۡسٖ شَيۡـٔٗا وَلَا يُقۡبَلُ

تمام دنیا جہاں والوں پر فوقیت دی تھی اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے اور نہ کسی

مِنۡهَا شَفَٰعَةٞ وَلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٞ وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾

شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوسکتی ہے اور نہ کسی شخص کیطرف سے کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے اور نہ ان لوگوں کی طرفداری چل سکے گی۔

تفسیر اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی نعمتوں کو یاد کرنے کو فرمایا تاکہ کچھ خجالت ہو اور ایمان لے آئیں، اسکے بعد ان کو قیامت کے ہولناک منظر سے ڈرایا گیا کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور اسی غلط راہ پر چلتے رہے تو کل قیامت کے دن کوئی تدبیر کارگر

نہیں ہوسکتی

مصیبت سے بچنے کے چار راستے

دنیا میں اگر کسی کا کوئی کام نہ بنتا ہو تو وہ ان چار راستوں میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرتا ہے ۱۔ مطالبہ کرکے اپنا کام چلالیا ۲۔ دوسرے لوگ مدد کردیتے ہیں ۳۔ سفارش کراکر کام حل کرالیا جاتا ہے پھر بھی کام نہ چلے تو رشوت ۴۔ دے کر مقصد حل کرلیا جاتا ہے۔ مگر آخرت میں یہ تدبیریں بھی کام نہ آئیں گی اگر ایک سے نماز روزہ کا مطالبہ ہورہا ہے اور دوسرا کہے کہ میرا نماز روزہ لے کر اس کا حساب صاف کردیا جائے تو یہ وہاں نہ چلے گا، ایسے ہی اگر غیر مسلم کے حق میں کوئی سفارش کرے گا وہ بھی قبول نہ کی جائے گی اس لئے سمجھداری یہ ہے کہ آدمی اس دنیا میں ہی سنبھل جائے تاکہ آخرت کی رسوائی و ذلت اور عذاب سے چھٹکارا پاسکے (بیان القرآن)

اقوال و تحقیق

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں علماء نے بہت سی توجیہات و توضیحات کی ہیں۔ کہ اس سے مراد سارا عالم ہے جس میں انسان، ملائکہ، جنات، چرند، پرند سب ہی داخل ہیں مگر اس پر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی فوقیت و افضلیت کیسے ثابت ہوگی، اسی طرح تمام بنی اسرائیل کی افضلیت کس طرح صحیح ہوسکتی ہے جبکہ ان میں بہت سے یقیناً شریر و بدمعاش بھی ہوں گے اس لئے جواب میں تخصیصات کی ضرورت پیش آئی لیکن اگر بلاتکلف یہ کہہ دیا جائے کہ محاورہ میں دنیا بول کر اکثر معاصرین اور ہم زمانہ لوگ مراد لئے جاتے ہیں تو بات بالکل سہل ہوجاتی ہے گی، دیکھو قرآن کریم میں حضرت بلقیس کی نسبت فرمایا گیا " اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ" کہ ہم نے بلقیس کو تمام چیزیں مرحمت فرمارکھی تھی حالانکہ بیچاری کے پاس بہت سی چیزیں نہیں ہوں گی مگر محاورہ کے لحاظ سے کہنا بالکل صحیح ہے دوسرا اعتراض یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعات حضورؐ کے دور کے یہودیوں کو تو پیش نہیں آئے پھر ان کو احسان جتلانا کیسا؟ جواب اسکا یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد کی تکریم و تعظیم چونکہ ان کے لئے باعث فخر ہے اس لئے ان سے خطاب فرمایا گیا۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ۔ دنیا میں کسی مصیبت سے بچ نکلنے کے چار ہی راستے ہوسکتے ہیں (۱) مطالبہ (۲) معاوضہ (۳) نصرت (۴) شفاعت۔ معتزلہ نے اس آیت سے نفی شفاعت پر استدلال کیا ہے اور عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ شفاعت انصاف کے خلاف ہے مگر ان کا یہ دلیل پیش کرنا سراسر غلط ہے کیونکہ حقوق اللہ تو خود خدائے تعالیٰ ازروئے جود و کرم معاف فرمادیں گے اور اپنا حق معاف کرنا ظلم نہیں کہلاتا بلکہ سخاوت و کرم اور ابراء کہلائیگا البتہ حقوق العباد حق تعالیٰ خود معاف نہیں کریں گے بلکہ صاحب حق کو اس درجہ خوش کردیں گے کہ وہ خود راضی ہوکر خوشدلی سے معاف کردے گا، اس میں معتزلہ کا رد باقی ص۵۹ پر)

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ

اور جب کر رہائی دی ہم نے تمکو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری سخت آزاری کے گلے کاٹتے تھے

اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾

تمہاری اولاد ذکور کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو اس میں ایک امتحان تھا تمہارے پروردگار کیجانب سے بڑا بھاری

تفسیر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جن نعمتوں کے یاد کرنے کو فرمایا تھا اب یہاں سے ان کی تفصیل شروع کر رہے ہیں، فرعون ملعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی اور مصر کے ہر ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے ایک بھی گھر میں نہ لگی، فرعون یہ دیکھ کر گھبرا گیا، ملک کے مشہور اور قابل معبروں سے تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے بتلایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو آپ کی بادشاہت کو اجاڑ پھینکے گا، اس کے بعد فرعون نے پورے ملک میں یہ حکم نافذ کر دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے البتہ لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ

اور جب شق کر دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے بچا لیا تمکو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو اور تم

اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ

معائنہ کر رہے تھے اور جب کہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے

اقوال و تحقیق (بقیہ صفحہ) کیا بگڑتا ہے، اب رہا ان کا آیت مذکورہ کی نفی شفاعت پر پیش کرنا یہ بھی ان کی کم علمی اور کج فہمی کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ یہاں شفاعت کا انکار کافرین کے حق میں ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔ اور رہا مومنون کے حق میں اس کا ثبوت اس آیت "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ الخ اور حدیث" شفاعتی لاھل الکبائر من امتی " سے ہو رہا ہے (حاصل کمالین

(صفحہ ھذا) فرعون مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے ہیں، ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا (اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا، اور بعضوں نے مصعب بن ریان بتایا ہے، عمالیق بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا، اس کی کنیت ابومرہ تھی، یہ اصطخر کے فارسیوں کی اصل میں سے تھا) جیسے روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلیموس کہا جاتا ہے علہ فرعون کے خاندان کو قبطی کہتے ہیں

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا

تجویز کر لیا گوسالہ کو موسیٰؑ کے بعد اور تم نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی پھر بھی ہم نے درگذر

عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا

کیا تم سے اتنی بڑی بات ہوئے پیچھے اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے اور جب دی ہم نے موسیٰؑ

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

کو کتاب اور فیصلہ کی چیز اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو۔

فرعون کا غرق اور موسیٰؑ کا پار ہو جانا

یہ قصہ اس وقت ہوا جب موسیٰؑ پیدا ہو کر پیغمبر ہو گئے، اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے جب وہ کسی طرح نہ مانا تو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو خفیہ طور پر یہاں سے لے کر چلے جاؤ، فرعون کو خبر ہوئی تو وہ چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر لے کر بڑے کر و فر سے نکلا اور حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو دریائے شور کے کنارے پر جا لیا فرعون کے اس عظیم لشکر کو دیکھ کر بنی اسرائیل بے حد حیران و پریشان ہوئے کہ اگر پیچھے ہٹتیں تو فرعونیوں کے تلواروں کی بھینٹ چڑھیں اور اگر آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں، قوم کی یہ حالت دیکھ کر حضرت یوشع بن نون نے عرض کیا اے اللہ کے نبی اب کیا کیا جائے، موسیٰؑ نے فرمایا اللہ کا حکم آگے آگے ہے یہ سنتے ہی حضرت یوشع نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اس گہرے پانی میں گھوڑا جب غوطہ کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور موسیٰؑ سے پوچھا کہ رب کی مدد کہاں ہے، ہم نہ آپ کو جھوٹا مانتے ہیں اور نہ آپ کے رب کو، اب حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی آئی کہ اپنا عصا (لاٹھی) دریا پر مارو، لاٹھی لگتے ہی دریا نے راستہ دیدیا اور پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا، حضرت موسیٰؑ مع اپنے ساتھیوں سمت دریا کے ان راستوں میں اتر پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں پار ہو گئے، فرعون اور ان کے ساتھیوں نے ان کو پار ہوتے دیکھ کر اپنے بھی گھوڑے ڈال۔۔۔ دیئے جب یہ سب دریا کے بیچ میں آپہنچے تو دریا کو مل جانے کا حکم ہوا، چنانچہ دریا اپنی حالت پر ہو گیا فرعون اور اس کے تمام ساتھی وہاں ہی غرق ہو کر مر گئے، بنی اسرائیل نے خدا کی قدرت کاملہ کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا اور بہت خوش ہوئے اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔

تفسیر یہاں پر حق تعالیٰ شانہ اپنے احسان کو یاد دلا رہے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے چلے گئے تھے اور تم نے ان کے جانے کے بعد بچھڑے کو اختیار کر لیا تھا۔

یہ بچھڑا اسامری نامی شخص نے چاندی سونے سے تیار کیا تھا اور وہ مٹی جو اس نے حضرت جبرئیلؑ کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھ رکھی تھی، اس بچھڑے کے اندر ڈال دی جس کی وجہ سے اس میں جان پڑ گئی اور تم نے اس کو پوجنا شروع کر دیا، ہم نے بڑے گناہ (شرک) کو بھی تمہارے معافی چاہنے پر معاف کر دیا۔

یہ واقعہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد اس وقت پیش آیا جب بنی اسرائیل شہر مصر یا اور کسی مقام پر ٹھہر گئے تو حضرت موسیٰؑ سے بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارا دشمن تو ختم ہی ہو چکا، اب ہم ہر طرح سے مطمئن ہیں، اگر کوئی شریعت ہمارے لئے مقرر ہو جائے تو ہم اس کے مطابق اپنی زندگی گذاریں، حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم ایک مہینہ کوہ طور پر آ کر ہماری عبادت میں مشغول رہو ہم ایک کتاب تم کو دیں گے، آپ نے ایسا ہی کیا اور توراۃ آپ کو مل گئی اور ساتھ میں فیصلہ کی چیز یعنی معجزے بھی مرحمت ہوئے

پہلے حضرت موسیٰ کو صرف تیس دن کا حکم ملا تھا، مگر بعد میں دس دن اور بڑھا دیئے گئے، جس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ نے مسلسل ایک مہینہ روزے رکھنے کے بعد افطار کر لیا تھا اور حق تعالیٰ کو روزہ دار کے منہ کی بو بہت پسند ہے اس لئے حکم ہوا کہ دس دن اور روزے رکھیں تاکہ وہ بو پیدا ہو (تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن ۱/۲۲۵ کمالین)

قوم کے دو موسیٰ جن کا نام ایک اور کام مختلف

دیکھئے قوم میں ایک ہی نام کے دو موسیٰ پیدا ہوئے لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، ایک خدا کا برگزیدہ نبی اور دوسرا حرامی اور دلدا آلزنا، موسیٰؑ کو ان کے دشمن فرعون کے ہاتھوں پرورش کرایا اور موسیٰ سامری کی پرورش حضرت جبرئیل جیسے مقدس فرشتے سے کرائی پھر بھی یہ محروم القسمت شرک دبت پرستی کے جھنڈے گاڑتا اور خدا کے دشمن کے گھر پلا ہوا موسیٰؑ خدا کے گن گاتا اور شرک دبت پرستی کی جڑیں اکھاڑتا اور توحید کے پرچم لہراتا۔

اقوال و تحقیق: واذ وٰعدنا علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ وعدہ کا زمانہ ذی قعدہ کا پورا مہینہ اور ذی الحجہ کے دس دن تھے (ابن کثیر)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

اور جب موسیٰ نے فرمایا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم بیشک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنی اس گوسالہ کی تجویز سے سو تم

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ

اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو پھر بعض آدمی بعض کو قتل کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے

عِنْدَ بَارِىٕكُمْؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (۵۴)

خالق کے نزدیک پھر حق تعالیٰ تمہارے حال پر متوجہ ہوئے بیشک وہ ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کرلیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں

تفسیر اس آیت میں ان کی توبہ کرنے کا طریقہ بیان ہو رہا ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے انھیں اللہ کا حکم سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑے کو پوجا تھا انھیں بٹھادیا گیا اور دوسروں کو کھڑا کردیا گیا اور قدرتی طور پر ایک اندھیرا چھا گیا، اور جن لوگوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا انھوں نے ان لوگوں کو قتل کیا جنھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، اندھیرا ختم ہونے پر مقتولوں کو شمار کیا گیا تو ان کی تعداد ستر ہزار ہوئی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے یہ حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ جو قتل ہوچکے ان کا غم نہ کرو وہ شہید ہیں، اور جو باقی رہ گئے ہیں ہم نے ان کی بھی توبہ قبول کرلی اور دوسرے لوگوں کو جہاد کا ثواب ملا (تفسیر ابن کثیر)

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور جب تم لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے یہانتک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۵۵) ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ

سو آپڑی تم پر کڑک بجلی اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا

بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵۶)

تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانوگے

اقوال و تحقیق فاقتلوا انفسکم حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہماری شریعت میں بھی بعض گناہوں کی سزا باوجود توبہ کے قتل نفس ہے، مثلاً قتل عمد کے عوض قتل اور ثبوت زنا بالشہادۃ پر رجم یعنی سنگسار کرکے ماردینا۔ (از معارف القرآن)

تفسیر یہ قصہ اس طرح ہوا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے لاکر توراۃ پیش کی، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے تو بیشک ہمکو یقین آجائے گا، موسیٰ علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کے حکم و اذن سے فرمایا کہ کوہ طور پر چلو، بنی اسرائیل نے اس کے لئے اپنے سرداروں اور ہوشیار لوگوں میں سے ستر آدمی چن کر حضرت موسیٰ ؑ کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے، حضرت موسیٰ ؑ پہاڑ کے پاس پہنچے ایک بادل نے پورے پہاڑ کو ڈھانک لیا آپ اسی کے اندر اندر پہاڑ پر پہنچ گئے، جب اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہوا تو حضرت موسیٰ ؑ کی پیشانی نور سے اس طرح چمکنے لگی کہ اس کو دیکھنے کی کوئی تاب نہ لاسکا۔

بہرحال ان سب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا جب حق تعالیٰ کا کلام ختم ہوا، اور بادل بھی چھٹ گیا تو یہ لوگ کہنے لگے کہ اے موسیٰ ؑ صرف سننا ہمارے لئے کافی نہیں، نہ جانے کون بول رہا ہے، ہم جب تک حق تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے، چونکہ حق تعالیٰ کو دنیا میں دیکھنے کی کسی بھی شخص میں قوت نہیں، اس لئے ان کی اس گستاخی پر بجلی ٹوٹ پڑی اور زلزلہ آن پڑا اور سب کے سب وہیں مرگئے، حضرت موسیٰ نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے رب کی بارگاہ میں گڑگڑانا شروع کیا اور خلوص دل سے دعائیں کرنے لگے کہ اے میرے رب بنی اسرائیل تو ویسے ہی مجھ سے بدگمان ہیں اب وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے انھیں کہیں لے جاکر کسی تدبیر سے ختم کرادیا ہے، اے میرے پروردگار تو مجھے اس تہمت سے محفوظ رکھ اور اپنی قدرت کاملہ سے ان سب کو زندہ فرمادے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ؑ کی دعا قبول فرمائی، اور اپنے فضل وکرم سے ان سب کو زندہ فرمادیا۔ (ابن کثیر و معارف ص۲۲۷ ج ا بتغیر)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ

اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو اور پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں

كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوٓا

کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تمکو دی ہیں، اور انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اپنا ہی نقصان کرتے تھے

تفسیر :۔ اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ دو انعام ذکر فرمائے ہیں جو بنی

اسرائیل پر وادی تیہ میں ہوئے

وادی تیہ :- یہ ملک مصر اور شام کے درمیان تقریباً دس میل کا رقبہ تھا، نہ اس میں کوئی عمارت تھی نہ درخت وغیرہ سائے کی کوئی چیز۔ روایت میں ہے کہ یہ لوگ اپنے ملک مصر جانے کے لئے روز دن بھر سفر کرتے اور رات کو کسی جگہ پر اترتے صبح کو دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں، اس طرح یہ لوگ پورے چالیس سال اسی کھلے میدان میں سرگردان و پریشان پھرتے رہے۔

یہ سزا ان کو اس لئے دی گئی تھی کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام ہے یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر آگئے تھے اور ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا تھا، جب وہ غرق ہو گئے اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ قوم عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنی اصلی جگہ ان کے قبضہ سے چھڑا لو، یہ لوگ جہاد کے ارادہ سے مصر سے چلے، مگر ملک شام کے حدود میں داخل ہونے پر جب ان کو عمالقہ کی طاقت و قوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور بزدلی دکھا کر جنگ سے صاف انکار کر دیا، اس انکار کرنے کی وجہ سے وادی تیہ میں چالیس سال حیران و پریشان پھرتے رہے یہاں نہ سردی گرمی سے بچنے کے لئے کوئی سایہ دار جگہ تھی، نہ کھانے پینے کا کوئی سامان تھا، نہ پہننے کے لئے لباس تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس لق و دق میدان میں معجزہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر تمام ضروریات کی چیزوں کا انتظام فرما دیا۔

اقوال و تحقیق

غمام، غمامۃ (بادل) کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اس لئے اسے غمامہ کہتے ہیں، یہ بادل کوئی خاص قسم کا تھا یا عام تھا اس سلسلہ میں علماء مفسرین کے تین قول پیش ہیں (۱) ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا جو وادی تیہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا، ضحاک، سدی، حسن اور قتادہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے (۲) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ وہی بادل تھا جس میں حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن آئیں گے، ابو حذیفہ رح کا یہی قول ہے (۳) بعض فرماتے ہیں کہ یہ بادل عام بادلوں سے زیادہ ٹھنڈا اور عمدہ تھا

المنّ والسلوىٰ۔ منّ کیا چیز تھی اس کے متعلق مفسرین عظام کے پانچ اقوال مرقوم ہیں (۱) منّ سے مراد ترنجبین ہے، یہ ایک میٹھا پھل ہے جو ان کے لئے درختوں پر کثرت سے پیدا ہوتا تھا (۲) منّ گوند کی قسم کا ہوتا تھا جو درختوں پر اترتا تھا (۳) منّ بادلوں کی طرح ان کی خیموں میں اترتا تھا دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا، یہ قول حضرت قتادہؓ کا ہے (۴) ان کے خیموں میں دھینے کے (باقی صفحہ ۶۴ پر)

انھوں نے جب دھوپ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچنے کے لئے ایک باریک اور سفید بادل کا سایہ ان پر فرما دیا اور جب بھوک کی شکایت کی تو مَن وسلویٰ نازل فرمایا، مَنّ یہ ایک میٹھی قسم کی چیز ہے جس کا ترجمہ حضرت تھانوی ؒ نے ترنجبین کیا ہے۔

سَلویٰ :- حضرت تھانوی رحؒ نے اس کا ترجمہ بٹیر کیا ہے، یہ ایک قسم کا پرندہ ہے جو چڑیا سے بڑا ہوتا ہے سرخی مائل رنگ کا، یہ پرندے ان کے پاس آسمان سے صبح وشام آتے تھے، یہ ان میں سے کمزور اور دبلوں کو چھوڑ دیتے، اور موٹے تازوں کو پکڑ لیتے اور ذبح کرکے کھاتے، جب انھوں نے پانی کی شکایت کی تو حضرت موسیٰ ؑ نے اللہ کے حکم سے اپنی لاٹھی ایک پتھر پر ماری اس سے چشمے پھوٹ پڑے، رات کی اندھیری کی شکایت پر اللہ نے روشنی کا ایک کھمبا ان کے درمیان

(بقیہ اقوال تحقیق) دانہ کے مثل گول گول اور میٹھی شبنم جمع ہو جایا کرتی تھی جس کو وہ تودوں میں پکا کر روٹی کی جگہ استعمال کرتے ہیں (۵) حضرت ربیع بن انس رحؒ کا قول ہے کہ مَنّ شہد کے مانند ایک چیز تھی، حضرت شعبیؒ نے فرمایا کہ تمھارا موجودہ شہد اس شہد کا ستّر واں حصہ ہے (۶) حضرت وہب رحؒ کا قول ہے کہ مَنّ پتلی روٹی ہوتی تھی (۷) زجاج ؒ کا قول ہے کہ مَنّ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو وادی تیہ میں ان کو عطا کی گئی، یہ قول معنویت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، چونکہ مَنّ کے معنی احسان کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر وادی تیہ میں احسان فرمایا وہ مراد ہے مَنّ سے

سلویٰ :- یہ ایک پرندہ ہے جس کا نام بٹیر بتلایا گیا ہے، بعض مفسرین نے اس کو کبوتر کے برابر بتایا ہے، اور بعض نے فرمایا کہ یہ چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا تھا، سرخی مائل رنگ کا، جنوبی ہوائیں چلتی تھیں اور ان پرندوں کو جمع کر دیتی تھیں - بنی اسرائیل ان پرندوں کو حاصل کس طرح کرتے تھے، اس کی علماء مفسرین نے کئی شکلیں تحریر فرمائی ہیں (۱) ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا لگ جاتا تھا اور ہر ایک فرد اپنی ضرورت کے مطابق یہاں سے لے جاتا تھا (۲) یہ پرندے ان کے خیموں کے ارد گرد آ جاتے اور ان سے ذرا بھی نہ گھبراتے، یہ ان کو پکڑ لیتے اور ذبح کرکے کھاتے، یہ صبح وشام ان پر اترتے تھے یہ لوگ ان میں سے موٹے موٹے پکڑ لیتے تھے اور پھر پتلے دبلے بھاگ جاتے تھے، علامہ صاوی رحؒ نے لکھا ہے کہ یہ جانور ان کے پاس ایک قول کے مطابق پکے پکائے نازل ہوتے تھے، اور دوسرے قول کے مطابق یہ خود پکاتے تھے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ مَن وسلویٰ کو ایک دن کی خوراک کی مقدار میں لیں سوا جمعہ کے کہ جمعہ اور ہفتہ دونوں کا لے لیں اکٹھا ہی، چونکہ ہفتہ کا دن ان کے لئے بڑا دن اور عید کا دن تھا اس دن عبادت میں مشغول رہنے اور شکار نہ کرنے کا حکم تھا، جمعہ کے علاوہ اگر یہ ایک دن سے زیادہ کا کھانا جمع کر لیتے تو وہ خراب ہو جاتا تھا (ابن کثیر، معارف، حقانی، روح المعانی)

میں قائم فرمادیا، کپڑوں کے میلے ہونے اور پھٹنے کی شکایت کو پہلے ہی سے اس طور پر دور فرمادیا کہ جو کپڑے ان کے بدن پر تھے وہ نہ میلے ہوتے تھے اور نہ ہی پھٹتے تھے اور بچوں کے کپڑے جسم کے بڑھنے کی مقدار کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے تھے

اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم فرمایا کہ کھانا اپنی ضرورت کے مطابق لو زائد نہیں مگر انھوں نے لالچ میں آکر اسے جمع کرکے رکھنا شروع کردیا اور وہ سڑ گیا، اس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ (معارف، تفسیر تسہیل، ابن کثیر، روح المعانی پ ۱ ص ۲۶۴)

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

اور جب ہم نے حکم کیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو

رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ

بے تکلفی سے اور دروازہ میں داخل ہونا جھکے جھکے اور کہتے جانا کہ توبہ ہے ہم معاف کردیں گے تمہاری خطائیں

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ

اور بھی مزید برآں دینگے دل سے نیک کام کرنے والوں کو سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا، اس کلمہ کے

قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک آفت سماوی اس وجہ سے

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے

تفسیر یہ واقعہ وادی تیہ سے نکل جانے کے بعد اس وقت کا ہے، جب بنی اسرائیل نے حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں بیت المقدس یعنی ملک شام کو فتح کیا اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو اس شہر میں تم فخر و غرور اور تکبر کے ساتھ داخل نہ ہونا کہ ہم نے یہ ملک فتح کیا ہے بلکہ عاجزی اور تواضع کے ساتھ اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہاری پچھلی سب خطائیں درگذر کریں گے اور مزید تم پر انعامات کی بارش برسائیں گے مگر ان بدبختوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بالکل خلاف کرکے دکھایا، صحیح بخاری شریف میں ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا تھا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے زبان سے

حِطَّۃٌ (توبہ ہے) کہتے ہوئے دروازے سے جائیں مگر یہ اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے حَبَّۃٌ فِیْ شَعِیْرَۃٍ (یعنی غلہ درمیان جو کے) کہتے ہوئے جانے لگے ان کی اس گستاخی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر دیا جس میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔

(ابن کثیر، روح المعانی ۲٦۵ وغیرہ)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَؕ

اور جب موسیٰ نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اس پر ہم نے حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًاؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

پتھر پر مارو پس فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے معلوم کر لیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع

مَّشْرَبَهُمْؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ

کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور حد سے مت نکلو فساد کرتے

مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾

ہوئے سر زمین میں

تفسیر:۔ یہ قصہ بھی وادی تیہ میں ہوا جب ان لوگوں کو پیاس لگی تو پانی مانگا، موسیٰ نے دعا کی تو ایک پتھر پر لاٹھی مارنے سے قدرت خداوندی سے بارہ چشمے نکل پڑے، خاص طور پر بارہ چشمے پھوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بارہ خاندان تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ہر ایک کی اولاد کا ایک ایک خاندان تھا سب کے افسر بھی الگ الگ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ من و سلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو اور اس بلا محنت و مشقت کی روزی کو کھا لی کر ہماری عبادت و بندگی میں مشغول رہو، سرکشی اور نافرمانی کر کے زمین میں فتنہ و فساد مت مچاؤ نہیں تو یہ سب نعمتیں چھین لی جائیں گی

(بیان القرآن و ابن کثیر بتغیر و تسہیل)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اور جب تم لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے آپ ہمارے واسطے اپنے

يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَ

پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اگا کرتی ہیں، ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور

عَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ

اور پیاز، آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ

اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ ۗ

کی ہے کسی شہر میں اترو، البتہ تمکو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو۔

تفسیر

یہ قصہ بھی وادی تیہ کا ہے، جب انھوں نے من وسلویٰ سے اکتا کر غلہ و سبزی کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے ان کی بے صبری اور نعمت کی ناقدری کو بیان فرمایا کہ من وسلویٰ جیسے لذیذ اور پاک کھانے پر جو بلا مشقت و محنت کے ملتا تھا صبر نہ ہوا اور مسور، گیہوں، اور ساگ جیسی ہلکی پھلکی چیزیں انگنا شروع کر دیں، حضرت موسیٰؑ نے ان کو ڈانٹا کہ یہ کیا حماقت ہے کہ عمدہ اور بہتر چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز مانگتے ہو، مگر جب یہ نہ مانے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ شہر میں جاؤ اور کھیتی کرو تمھیں یہ سب چیزیں ملیں گی

اقوال و تحقیق

عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ:۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کھانے تو مَنّ، سلْویٰ دو تھے پھر طعام واحد کہنا کس طرح درست ہوا اسکے چار جواب دیئے گئے ہیں (۱) ایک نوع کے تھے (۲) دونوں وقت ایک ہی قسم کا کھانا آتا تھا (۳) عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ من وسلویٰ دونوں کو ملا کر کھا لیا کرتے تھے اس لئے اس کو طعام واحد سے تعبیر کر دیا گیا (۴) شاہی دسترخوان پر مختلف قسم کے کھانے ہوتے ہیں اور اس کو ایک ہی کھانا بولا جاتا ہے بس اسی طرح کے محاوروں کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں طعام واحد کہا گیا ہے۔ فُوْمِهَا:۔ فوم کی تفسیریں مختلف کی گئی ہیں ۱۔ گیہوں ۲۔ لہسن ۳۔ روٹی ۴۔ سنبلہ ۵۔ ہر قسم کا اناج۔ مِصْرًا:۔ مصر سے شہر مصر بھی مراد ہو سکتا ہے حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس میدان کے داخل حدود میں کوئی شہر آباد تھا وہاں جا کر رہنے کا حکم ہوا، علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ مصر سے عام شہر مراد لینا بہتر ہے۔ اس سے انکی درخواست کا حقیر ہونا معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی تم نے درخواست کی ہے وہ تو تمھیں کسی بھی شہر میں مل سکتی ہے۔

(حاصل ابن کثیر، بیان القرآن، کمالین، مظہری)

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

اور جم گئی ان پر ذلت اور پستی اور مستحق ہوگئے غضب الٰہی کے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ منکر ہوجاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ سے نکل نکل جاتے تھے

ع

تفسیر

بنی اسرائیل روز بروز نافرمانی و سرکشی میں ترقی کرتے جاتے تھے، حق تعالیٰ ان پر انعامات کی بارش برسا رہے تھے اور یہ اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے تھے، عام انسان ہی کو ناحق قتل کرنا بلکہ کسی جانور ہی کو بلا وجہ مار ڈالنا گناہ عظیم ہے اور ان بدبختوں نے خدائے تعالیٰ کے محبوب انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل (شہید) کیا، حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کیا، ان سرکشیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت مسلط کردی، اہانت و پستی ان پر ڈالدی فاقہ کشی اور بھیک مانگنے تک نوبت پہونچی۔

اقوال و تحقیق

ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ:۔ منجملہ ذلت و مسکنت کے یہ بھی ہے کہ یہودیوں سے سلطنت قرب قیامت تک کے لئے چھین لی جائے گی البتہ بالکل قیامت کے قریب محض لٹیروں کا سا بے ضابطہ تھوڑا زور و شور دجال یہودی کا صرف چالیس دن کے لئے ہوجائیگا اور اس کو کوئی بھی عقل مند سلطنت نہیں کہہ سکتا، یہود کی ذلت کا مطلب علامہ ابن کثیرؒ نے یہ لکھا ہے کہ وہ کتنے ہی مالدار ہوجائیں مگر ہمیشہ تمام اقوام میں ذلیل و حقیر ہی سمجھے جائیں گے، جس کے ہاتھ لگیں گے، ان کو ذلیل کرے گا، اور ان پر غلامی کی علامتیں لگادیگا، امام ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ سے ذلت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے اور ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے خود ان کو کوئی قوت و اقتدار حاصل نہ ہوگا۔

ان سب اقوال کی روشنی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تقریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان اقوال سے وہ تمام شبہات بھی دور ہوگئے جو آج کل فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کی بنا پر بہت سے مسلمانوں کو پیش آتے ہیں کہ قرآن عزیز کے قطعی ارشادات سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت (باقی ص ۶۹)

کس قدر۔ عبرت کا مقام ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کل عزت و دولت شان و شوکت اور سلطنت کے مالک تھے ان کے خاندان میں بڑے بڑے انبیاء اور بادشاہ پیدا ہوئے، حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام کو دیکھئے کہ ان جیسی بادشاہت کسی دوسرے کو نہ نصیب ہوئی اور نہ ہوسکے گی۔ بس اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصہ سے ہر وقت ڈرتا رہے اپنے اونچے خاندان اور بزرگ زادہ ہونے پر ہرگز فخر و غرور نہ کرے نہ جانے خدا کی گرفت میں کون کب آجائے، اے اللہ ہم سب کی مکمل حفاظت فرما اور اپنی امان میں رکھ (مفہوم و خلاصہ ابن کثیر و حقانی ج ۲۳۵/۱)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ

یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ

آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

پر اور روز قیامت پر اور کارگذاری اچھی کرے ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

پروردگار کے پاس اور کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے

تفسیر پچھلی آیت میں یہود۔۔کی ذلت و خواری اور ان پر خدا کا غضب و غصہ نازل ہونا بیان ہوا، اس سے ان کو مایوسی ہوئی کہ اب ہمارا بارگاہ کبریائی میں کہاں ٹھکانا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مایوسی کو ختم فرما دیا کہ ہمارے یہاں کسی کی ذات سے دشمنی نہیں بلکہ ایمان اور عمل پر دار و مدار ہے چاہے وہ پہلے کیسا ہی رہا ہو یعنی چاہے یہودی رہا ہو، چاہے نصرانی، اب اگر اس نے محمد عربی کے دامن کو تھام لیا اور ان کے لائے ہوئے احکام

(بقیہ احوال و تحقیق) کبھی قائم نہ ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی، جواب واضح ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو لوگ باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت درحقیقت اسرائیل کی نہیں بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور یہودی ان کی نظر میں ایک فرماں بردار غلام کی حیثیت سے زیادہ کچھ نہیں، یہ اپنی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے، اسکے علاوہ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں میں سب سے پہلے یہود ہیں ان کی شریعت ان کی تہذیب سب سے پہلی ہے اگر پوری دنیا میں فلسطین کے ایک چھوٹے سے قصبے پر ان کا تسلط کسی طرح ہوگیا بھی تو پوری دنیا کے نقشے میں یہ ایک نقطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اسلئے ان کی اس معمولی سلطنت سے قرآن کریم کے قطعی ارشادات پر کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا (بیان القرآن معارف القرآن)

وقوانین کو اپنالیا تو اب اس کی ضرور نجات ہوجائے گی۔

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت سلمان فارسیؓ کا فرمان نقل کیا ہے حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن دینداروں سے ملا تھا ان کی عبادت نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں حضرت سلمان کے اس سوال کا کہ کیا وہ لوگ جنتی ہیں؟ جواب دیا گیا کہ محمد عربی کے مبعوث ہوجانے کے بعد اگر کوئی بھی کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرے گا چاہے وہ مذہب آسمانی ہی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ مذہب اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قابل عمل رہ چکا ہو مگر اب وہ قابل عمل نہیں، اس کو اختیار کرکے کسی کو نجات نہیں مل سکتی بلکہ موجودہ مذہب اور موجودہ نبی کے اتباع کرنے پر نجات حاصل ہوگی

اقوال وتحقیق

ان الذین آمنوا:- سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضورؐ پر ایمان لائے خواہ فقط زبان ہی سے ایمان لائے ہوں، اس صورت میں اس کے اندر منافقین بھی داخل ہوجائیں گے، اور من آمن سے خالص مسلمان مراد ہیں، اس طرح تفسیر کرنے پر آیت میں تکرار کا اشکال خود بخود رفع دفع ہوجائیگا۔ ھادوا:- لفظ یہود یا تو عربی ہے ھاد بمعنی تاب (توبہ کی) سے مشتق ہے چونکہ انھوں نے گوسالہ کی پرستش سے توبہ کی تھی، یا پھر یہودا کا معرب ہے جو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا اور عرب کی یہ عادت تھی کہ قبائل کے نام اپنے بزرگوں کے نام کے ساتھ منسوب کیا کرتے تھے، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ تورات پڑھتے وقت ہلتے تھے اس لئے ان کو یہود (یعنی حرکت کرنے والا) کہا گیا نصٰری:- یہ جمع ہے نصران کی، اور یٓ نصرانی میں مبالغہ کی ہے جیسے احمری (بہت سرخ) میں یٓ مبالغہ کی ہے ان کو نصاریٰ کہنے کی وجہ میں مفسرین کے تین قول لکھے جاتے ہیں ۱ انھوں نے حضرت عیسیٰ کی نصرت کی تھی (من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ) یعنی جب عیسیٰ نے فرمایا تھا (اللہ کے دین میں میرے مددگار کون ہیں انھوں نے کہا تھا ہم ہیں ۲ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت کی تھی ۳ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے ساتھ موضع نصران یا ناصرہ میں آئے تھے صابئین:- صابی کے لغوی معنی بے دین اور لا مذہب کے کئے گئے ہیں، صابی سے کون لوگ مراد ہیں، اس میں علماء مفسرین کے بہت اقوال ہیں، یہاں بعض کو لکھا جاتا ہے ۱ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا فرمان ہے کہ یہ لوگ بتوں کو تو نہیں پوجتے ہیں، البتہ ستاروں کی تعظیم اس طرح کرتے تھے جس طرح کعبۃ اللہ شریف کی تعظیم کی جاتی ہے ۲ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب میں سے ایک قوم ہے مگر ان کا دین یہودیت اور مجوسیت کے بین بین ہے ۳ حضرت کلبیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا دین نصرانیت و یہودیت کے بین بین ہے ۴ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے مگر کسی شریعت کے پابند نہ تھے (باقی برص ۷۱)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ

اور جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمھارے اوپر معلق کر دیا

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ

کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کیساتھ اور یاد رکھو جو اس میں ہے جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ پھر

تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

تم اس قول وقرار کے بعد بھی پھر گئے سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

تو تم ضرور تباہ ہو جاتے

تفسیر یہ قصہ اس وقت پیش آیا جب کہ ان کو توریت مل گئی اور اس پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ کوہ طور کا ایک بڑا ٹکڑا ان کے سروں پر لا کر کھڑا کر دو چنانچہ آدمی کے قد کے برابر فاصلہ پر پہاڑ ان کے سروں پر کھڑا کر دیا گیا، حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے کہ اوپر پہاڑ تھا سامنے آگ اور پیچھے دریائے شور تھا، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ماں باپ اولاد کو غلطی پر ڈانٹتے ہیں، بیماری میں زبردستی کڑوی دوا پلاتے ہیں اسی طرح انسان سے کہا گیا کہ یا تم ایمان لے آؤ اور توریت پر مضبوطی سے عمل کرو نہیں تو یہ چیزیں تمھیں ہلاک کر ڈالیں گی

جب انھیں یہ نظر آنے لگا کہ آج تو ہم بچتے ہی نہیں انکار کرنے پر کچل دیئے جائیں گے تو اسی وقت سجدے میں گر پڑے اور مارے خوف کے کنکھیوں سے اوپر کو دیکھتے رہے، اللہ تعالیٰ کو رحم آیا تو پہاڑ کو ہٹا لیا۔

(بقیہ اقوال وتحقیق) ۵ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جہانتک مجھے معلوم ہوا ہے یہ لوگ موحد تھے مگر تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے ۶ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ستارہ پرست لوگ تھے ۷ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ وہ قوم ہے جو زبور پڑھتی ہے اور فرشتوں کی عبادت کرتی ہے کعبہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتی ہے، انھوں نے ہر دین سے کچھ لیکر ایک مستقل دین تیار کر رکھا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ مجاہد، حسن، ابن نجیح کا یہی فتویٰ ہے ابوسعید اصطخری نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا ہے حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حقیقت حال کا علم صرف خدائے تعالیٰ کو ہے البتہ بظاہر یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے (واللہ اعلم)

اس کے بعد یہ پھر اپنی عادت و خصلت کے مطابق بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ تو غفور الرحیم ہیں، ان کی سخت نافرمانی اور سرکشی کو بھی درگذر کیا اور ان پر ایسا کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا جیسا کہ پہلے بددینوں اور سرکشی پر ہوتا رہا ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کی فضل و کرم فرمائی اور رحمت ہے

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تسلی دی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اتنا پختہ عہد کر کے پھر گئے اور تورات کو نہ مانا، پس اگر وہ قرآن کو نہ مانیں تو کچھ تعجب نہیں یہ تو ان کی پرانی عادت ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ

اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنھوں نے تم میں سے تجاوز کیا تھا در بارہ یوم ہفتہ کے سو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم

كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ (۶۵) فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا

بندر ذلیل بن جاؤ ۔ پھر ہم نے اس کو ایک (واقعہ) عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے بھی جو اس

وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (۶۶)

قوم کے معاصر تھے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو مابعد زمانہ میں آتے رہے اور موجب نصیحت ڈرنے والوں کے لئے

تفسیر یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوا ملک شام میں سمندر کے کنارے کوئی شہر یا قصبہ تھا جس کا نام ایلہ بتایا گیا ہے یہ لوگ وہاں آباد تھے اور مچھلی کے بہت شوقین تھے، بنی اسرائیل کے لئے ہفتہ (سنیچر) کا دن عبادت کے لئے مقرر تھا، شکار کھیلنا اور دنیوی کاروبار کی ممانعت تھی، جیسا کہ تورات میں موجود ہے اور مشیت خدا سے اسی دن مچھلیاں پانی کے اوپر بکثرت آتی تھیں اور باقی دنوں میں نظر بھی نہیں آتی تھیں اس لئے ان لوگوں نے یہ حیلہ کیا کہ سنیچر کے دن پانی کی نالیاں تالابوں اور گڈھوں اور حوضوں میں ڈالدیں جس سے وہ مچھلی آکر ان میں

اقوال و تحقیق اس مقام پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کا ارشاد ہے "لا اکراہ فی الدین" کہ دین میں زبردستی نہیں پھر بنی اسرائیل پر کیوں اکراہ و زبردستی کی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ زبردستی ایمان لانے پر نہیں بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان و اسلام قبول کر لینے اور اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے کافر کی سزا قتل نہیں (بیان القرآن)

جمع ہو جاتی تھیں اور یہ نالیوں کو بند کر دیتے تھے اور اگلے دن پھر ان کو تالابوں سے پکڑ لیا کرتے تھے ان کے اس حیلہ کو دیکھ کر اگلی نسل نے خاص ہفتہ کے دن ہی شکار کرنا شروع کر دیا، ہر چند ان کو نبی اور دوسرے نیک لوگوں نے منع کیا خدا کے عذاب سے ڈرایا مگر یہ نہ مانے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا قہر و عذاب نازل کیا کہ طاعون میں مبتلا ہو گئے اور ورم کی زیادتی اور شدت کی وجہ سے ان کی صورتیں بگڑ کر بندروں جیسی ہو گئیں، بعض مفسرین کی رائے ہے کہ وہ حقیقت میں ہی بندر بن گئے تھے اور تین دن کے اندر اندر سب ختم ہو گئے ۔

تفسیر قرطبیؒ میں ہے کہ ان لوگوں کی دو جماعتیں بن گئی تھیں، ایک علماء و صلحاء کی تھی جنھوں نے ان کو شکار کرنے سے روکا یہ باز نہ آئے تو ان سے برادرانہ تعلقات قطع کر کے بالکل الگ ہو گئے اور بستی کے بیچ میں دیوار کر کے دو حصے کر لئے ایک میں نافرمان رہنے لگے اور دوسرے میں نیک اور صالح لوگ رہنے لگے، ایک روز ان کو محسوس ہوا کہ جس حصہ میں وہ نافرمان لوگ رہتے تھے ادھر بالکل سناٹا ہے تو وہاں جا کر دیکھا تو سب کے سب بندروں کی صورت میں مسخ ہو گئے تھے، یہ اپنے رشتہ داروں اور تعلق والوں کو پہچانتے تھے، ان کے پاس آکر روتے تھے ۔

تنبیہ :- بعض لوگوں کا اب بھی یہ خیال ہے کہ موجودہ وقت کے بندر ان کی ہی نسل سے چلے آرہے ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے چنانچہ جب یہی سوال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی صورتوں کو بدل دیتا ہے تو پھر ان کی نسل نہیں چلتی بلکہ چند روز میں وہ سب کے سب مر جاتے ہیں، اور پھر فرمایا کہ بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے موجود تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس واقعہ کو ان لوگوں کے لئے بھی جو اس زمانہ میں موجود تھے اور بعد میں آنے والوں کے لئے بھی عبرت انگیز اور سبق آموز بنایا ہے ۔ کہ جو ہماری نافرمانی کرتا ہے ہم اس کو ہر قسم کی سزا دے سکتے ہیں (تفسیر حقانی، معارف وغیرہ)

اقوال و تحقیق

قردۃً :- ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر بنا دیا تھا، علماء مفسرین کی اس میں دو رائے ہے ۔ ایک کا خیال ہے کہ ان کو حقیقتاً بندر بنا دیا گیا تھا، جمہور علماء اور حضرت قتادہ رہ اسی کے قائل ہیں، حضرت ابن عباس رہ فرماتے ہیں کہ جوان لوگوں کو بندر بنا دیا تھا اور بوڑھوں کو خنزیر، علامہ ابن کثیر رہ نے لکھا ہے کہ بچے چھوٹے بندروں کی صورت میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں مسخ ہو گئے تھے ۔ ان میں سے ہر ایک پہچانا جاتا تھا کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ ، دوسرے فرماتے ہیں کہ ان کی صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ ان کے قلوب مسخ کر دیئے گئے تھے ان کو بندر بطور مثال کے فرمایا گیا ہے جیسے بے عمل علماء کی گدھوں سے مثال دی گئی ہے اور جیسے بے وقوف اور بے شرم (باقی ۵۲ پر)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تمکو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ لوگ کہنے لگے کہ آیا

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ

وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے اپنے رب سے کہ ہم سے بیان کردیں کہ اسکے اوصاف

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ

کیا ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو، پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا

میں سو اب کر ڈالو جو کچھ تمکو حکم ملا ہے کہنے لگے کہ درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ ہم سے یہ

لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ

بھی بیان کردیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہے جس کا رنگ

النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ

تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو، کہنے لگے کہ ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ ہم سے بیان کردیں کہ اس

تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ

کے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ ہم کو اس بیل میں اشتباہ ہے ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ ٹھیک سمجھ جاویں گے، موسیٰ نے جواب

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اس سے زراعت کی

(بقیہ احوال و تحقیق) کو گدھا کہہ دیا جاتا ہے، یہ قول حضرت مجاہد کا ہے۔

علامہ تورپشتی نے لکھا ہے کہ صورتیں بدل جانے کے بعد ان کا کھانا پینا سب ختم ہو گیا تھا، اور تین دن یا حضرت مقاتل کے قول کے مطابق سات دن زندہ رہے اور آٹھویں دن سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

(ابن کثیر، روح المعانی)

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا

آب پاشی کی جائے سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری بات فرمائی پھر اس کو

كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

ذبح کیا اور کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے

واقعہ ذبح بقرہ

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا واقعہ بیان فرمایا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا مالدار تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا، بھتیجے نے جب دیکھا کہ بوڑھا مرتا ہی نہیں تو وراثت کی دھن میں آکر سوچا کہ اسے قتل کیوں نہ کر دوں تاکہ اسکی لڑکی سے شادی بھی کر لوں اور اس کے قتل کی تہمت دوسروں پر لگا کر دیت (مقتول کے عوض مال) بھی وصول کر لوں اور اسکے پورے مال کا مالک بن جاؤں، یہ خیال شیطانی اس کے دل و دماغ پر خوب چھا گیا اور ایک دن موقع پاکر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا اور نعش کو غیر جگہ ڈالدیا اور اپنے چچا کے قتل پر پوری بستی میں شور مچا کر اُن لوگوں سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا، جن لوگوں پر قتل کا الزام لگایا گیا انھوں نے یہ مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی عدالت میں پیش کیا کہ ہم خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم قاتل نہیں اور نہ ہی ہمیں قاتل کا علم ہے،

حضرت موسیٰ ؑ نے حق تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ان سے کہو کہ ایک بیل ذبح کریں جب ان سے کہا گیا تو کہنے لگے، اے موسیٰ ؑ کیا آپ ہم سے دل لگی اور مذاق کر رہے ہو بھلا بیل کے ذبح کرنے سے قاتل کا پتہ کیسے ہو سکتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا توبہ توبہ مسائل شرعیہ کے موقع پر مذاق کرنا تو جاہلوں کا کام ہے اللہ رب العزت کا حکم یہی ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو اور اس کی دم میت سے لگا دو وہ زندہ ہو کر خود قاتل کا نام و پتہ بتلا دے گا، پھر جب ان کو اطمینان ہو گیا کہ بیل ذبح کرنے کا ہی حکم ہے، تو بیل کے متعلق بار بار مختلف سوال کرنے لگے کہ رنگ کیسا ہوگا، اور اس کے دوسرے صفات کیا کیا ہیں، جواب ملا کہ وہ بیل درمیانی عمر کا ہو، تیز زرد رنگ کا دیکھنے والوں کو اچھا لگے اس کو نہ ہل میں جوتا گیا ہو، اور نہ ہی رہٹ میں چلایا گیا ہو اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا کوئی داغ و دھبہ ہو غرضیکہ وہ ہر عیب سے بالکل پاک و صاف اور صحیح و سالم ہو، کہنے لگے، اے موسیٰ ؑ اب آپ نے پوری بات بتلا دی ہے، ہم انشاء اللہ ایسا ہی کرینگے جیسا آپ کے رب نے حکم دیا ہے۔

اب یہ بیل کی تلاش میں نکل پڑے بے انتہا جستجو اور تلاش کے بعد ان کو ایک بیل ان

صفات کا ملا اس کی قیمت معلوم کی مالک نے بیل کے وزن کے برابر سونا مانگا، یہ لوگ موسیٰ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ بیل کا مالک اتنا سونا مانگتا ہے، ہم میں اتنی ہمت کہاں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تو اسی بیل کو خریدنا ہوگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ حجتیں نہ کرتے اور کوئی بھی بیل ذبح کر دیتے تو کافی تھا مگر انھوں نے سوال پر سوال کر کے خود یہ پریشانی خریدی

بہرحال چارونا چار انھوں نے اس بیل کو خرید کر ذبح کیا اور اس کی دم میت پر لگائی مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ مجھے میرے بھتیجے نے میرے مال کے لالچ میں قتل کیا ہے اتنا کہہ کر پھر مرگیا۔

اس طریقہ پر مردہ کا زندہ ہوجانا اور قاتل کا نام پتہ بتانا یہ کوئی اس بیل کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا (تفسیر ابن کثیر، حقانی)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

اور جب تم لوگوں نے ایک آدمی کا خون کر دیا پھر ایک دوسرے پر اسکو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور

تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ

تھا جس کو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے اسلئے ہم نے حکم دیا کہ اس کو اسکے کوئی ٹکڑے سے چھوادو اسی طرح حق تعالیٰ مُردوں

الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

کو زندہ کردیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر قدرت تمکو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو

تفسیر ان دونوں آیتوں میں وہی بھتیجے کا چچا کو قتل کرنے کا ابتدائی واقعہ ہے جس کی تفصیل ہم پیچھے بیان کر چکے، اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے قصہ کے ابتدائی حصہ کو آخر میں کیوں بیان فرمایا؟

اقوال وتحقیق اضربوہ ببعضہا۔ بیل کے کون سے حصہ کو میت کے ساتھ ملایا گیا، اس میں مفسرین کے پانچ اقوال ہیں ۱ زبان ۲ دُم ۳ ران کے گوشت سے ۴ شانوں کے درمیان کے گوشت سے ۵ غضروف کی نرم ہڈی سے

علامہ ابن کثیر نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے، ہم بھی اسے مبہم ہی رہنے دیں ہماری فلاح اسی میں ہے۔ اس واقعہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو لیس (باقی ....)

اس کی وجہ معلوم کرنے میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں البتہ اتنا ضرور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس میں ضرور کوئی مصلحت ہے اور ہر مصلحت کا علم انسان کو ہو ضروری نہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ

ایسے ایسے واقعات کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو ان کی مثال پتھر کی سی ہے بلکہ سختی میں

قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا

زیادہ سخت اور بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور انہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں کہ جو شق

لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ

ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکل آتا ہے اور انہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے

اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

لڑھک آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں

تفسیر ان آیات شریفہ میں بنی اسرائیل (یہود) کی بے حسی اور سخت دلی کو بیان کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے بے شمار انعامات و احسانات ان پر ہوئے، بہت سی بڑی بڑی مصیبتوں سے حق تعالیٰ نے ان کو چھٹکارا دیا، نبی علیہ السلام کے سیکڑوں بڑے بڑے دلوں کو ہلا دینے والے معجزات انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے مگر ان سب کے باوجود بھی ان کے دل ایمان قبول کرنے کے لئے ٹس سے مس نہ ہوئے ان کی اس سخت حالت کو اللہ تعالیٰ نے پتھر سے تشبیہ دی ہے کہ ان کے دل ایسے ہیں جیسے

(بقیہ اقوال و تحقیق) ہی قدرت تھی کہ اسکے قاتل کا نام دیتہ تبلا دیتے پھر بیل ذبح کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے تو اس کا جواب یہ لکھدیا ہے کہ اللہ کا ہر کام حکمت و مصلحت والا ہوتا ہے، اب یہ ضروری نہیں کہ ہر کام یا واقعہ کی حکمت ہماری سمجھ میں آجائے اور نہ ہی ہم اسکے مکلف ہیں، البتہ دوسرے مفسرین نے اس کی مصلحتیں بیان کی ہیں، تین کو یہاں لکھا جاتا ہے ۱ جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کو دکھلانا ہے کہ دیکھو قیامت کے دن ہم تمکو بھی اسیطرح زندہ کردینگے ۲ اس یتیم ماں کے فرمانبردار بچے کو آننا مال دلانا منظور تھا ۳ چونکہ بنی اسرائیل نے ایک زمانہ میں بچھڑے کی عبادت کی تھی اسلئے بیل کو انہی سے ذبح کرا کر اسکی عظمت و احترام کو دل سے نکالنا تھا (ابن کثیر، بیان القرآن حقانی)

پتھر بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت کیونکہ بعضے پتھر تو ایسے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں جن سے خدا کی مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔ اور ان یہودیوں کے دل ایسے بھی نہیں کہ خدا کی مخلوق کی تکلیف ومصیبت میں پگھل جائیں اور بعضے پتھر ایسے ہیں کہ جن سے پانی رستا ہے یعنی قطرے قطرے ہو کر ٹپکتا ہے جس سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ نفع ضرور پہونچتا ہے اور بعضے پتھر ایسے ہیں جو خدا کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں

ایک شبہ کا ازالہ اس مقام پر خالق دوجہان نے پتھروں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں تیسری قسم کے پتھر (یعنی جو خدا کے خوف سے لڑھک جاتا ہے) ممکن ہے کسی کو یہ شبہ ہو کہ پتھر تو بے جان و بے حس ہیں پھر ان کا خوفِ خدا سے گرنا کیونکر ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ سب ہی پتھر ہمارے خوف سے گرتے ہیں بلکہ فرمایا کہ بعض پتھر ہمارے خوف و ڈر سے گرتے ہیں اور بعضے پتھروں کے اندر اللہ تعالیٰ یہ صلاحیت پیدا فرمادیتے ہیں اس سلسلہ کے بعض واقعات پیش کئے جاتے ہیں

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احد پہاڑ کے متعلق کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں

۲۔ حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر حضورؐ ٹیک لگا کر جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا وہاں سے ہٹا دیا گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔

ان کے علاوہ قرآن وحدیث میں اور بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے جمادات میں بھی ادراک کی صلاحیت ودیعت کر رکھی ہے (ابن کثیر)

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ

کیا تم اب بھی توقع رکھتے ہو کہ یہ یہود تمھارے کہنے سے ایمان لے آویں گے حالانکہ ان میں کے کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں

كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے اس کو سمجھنے کے بعد اور جانتے تھے

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضا اس گمراہ قوم یہود کو مومن ومسلم بنانے کے لیئے برابر کوشش کرتے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو وہ شریر لوگ ہیں جنھوں نے بڑے بڑے معجزے دیکھ کر بھی اپنا دل پتھر جیسا رکھا اور اللہ کا کلام سنکر اور خوب سمجھ کر پھر اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے بدل دیا تم ان سے ایمان کی کیا امید رکھتے ہو

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ

اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے دوسرے بعضے یہودیوں

اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوْكُمْ

کے پاس تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کو وہ باتیں تبلائے دیتے ہو جو اللہ نے تم پر منکشف کردی ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تمکو

بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٦﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

حجت میں مغلوب کردینگے کہ یہ مضمون اللہ کے پاس ہے کیا تم نہیں سمجھتے کیا ان کو علم نہیں ہے اسکا کہ حق تعالیٰ کو سب خبر

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٧﴾

ہے ان چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کی بھی جنکا وہ اظہار کرتے ہیں

تفسیر ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں ہمارے پاس صرف مؤمن آئیں جب یہود کو اسکا علم ہوا تو انھوں نے اپنے بعض آدمیوں کو تیار کیا کہ تم ان کی مجلس میں شرکت کرو، اور اپنے کو مسلمان ظاہر کرو ان کا مقصد اس سے یہ تھا کہ حضور اور مسلمانوں کی راز کی باتیں معلوم ہوتی رہیں گی ۔

اقوال و تحقیق يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ۔ اللہ کے کلام سے مراد یا تو تورات ہے جو انھوں نے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے سنا یا تو وہ کلام ہے جو ان ستر آدمیوں نے سنا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے، یا تو اس سے مراد وہ کلام ہے جو حضورؐ پر نازل ہوتا تھا، چنانچہ یہود کی مستقل ایک جماعت اس کلام کو سنکر اس میں تحریف کیا کرتی تھی تاکہ محمد عربیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین خلط ملط ہوجائے

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ ۔ تحریف سے مراد یا تو انہی ستر آدمیوں کا اپنی قوم سے تحریف کرکے (باقی ص۸۰)

چنانچہ یہ یہود منافق کبھی ایک آدھ بات خوشامد میں آکر اپنے ایمان کی سچائی جتلاتے ہوئے مسلمانوں سے کہہ دیتے تھے کہ توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بشارت وخوشخبری ہے اور قرآن مجید کے متعلق یہ خبر آئی ہے وغیرہ وغیرہ اور جب یہ یہود علماء کے پاس جاتے تو وہ انھیں ڈانٹتے اور دھمکاتے کہ تم کیا غضب کر رہے ہو کہ جو باتیں توراۃ میں ان کے متعلق ہیں تم ان کو بتلا دیتے ہو ہم انھیں کسی مصلحت سے چھپا کر رکھتے ہیں بے وقوفو! تمھیں اتنی بھی عقل نہیں کہ مسلمان ان باتوں کی وجہ سے ہم پر غالب آجائیں گے اور چھا جائیں گے اور خدا کے یہاں بھی تمکو لاجواب کر دیں گے

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم ان باتوں کو چھپاتے ہو تو کیا ہوا، ہم تو ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جانتے ہیں، مسلمانوں کو بتلا دیں گے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جابجا اور وقتاً فوقتاً ایسی باتوں سے مسلمانوں کو مطلع فرمایا ہے (بیان القرآن، وابن کثیر)

(بقیہ اقوال وتحقیق یوں کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جو حکم تم سے ادا نہ ہوسکے وہ معاف ہے یا ۵ حضرت موسیٰؑ کی موجودگی میں ہی یہود نے توراۃ کو سنکر اس کے خلاف عمل کیا اس کو تحریف سے تعبیر کیا گیا یا ۶ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور کے نزدیک توراۃ میں تحریف کرنا ہے

چنانچہ ان علماء کی عادت تھی کہ رشوتیں لیتے اور غلط مسائل بیان کرتے حلال کو حرام اور حق کو باطل کر دیتے تھے، اسی طرح جو صفات حضورؐ کے توراۃ میں ذکر کئے گئے تھے ان کو بدل ڈالا تھا، حضرت سدیؒ نے فرمایا کہ تحریف سے یہی مطلب مراد لینا زیادہ بہتر ہے چونکہ اس میں عموم ہے۔

(بیان القرآن روح المعانی، ابن کثیرؒ

تمت بالخیر

طالب دعاء **محمد یعقوب قاسمی** غفرلہٗ ولوالدیہ واساتذتہ ومشائخہ

خطوکتابت کیلئے پتہ } ادارہ دعوت وتبلیغ آلی کی چنگی گلی ۲ سہارنپور یوپی ۲۴۷۰۰۱

باسمہ تعالیٰ
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ
اور ہمنے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے
قرآن شریف کی
آسان تفسیر
اردو
قدیم وجدید مستند ومعتبر کتب تفاسیر کے ماخذ کی روشنی میں
ترجمہ قرآن شریف
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
رحمۃ اللہ علیہ
مرتب
مولانا محمد یعقوب قاسمی
فاضل دارالعلوم دیوبند
ادارہ دعوت وتبلیغ گلی ۲ آلی کی چنگی سہارنپور یوپی ۲۴۷۰۰۱
ظہیر انور قاسمی
ہدیہ :-

فہرست مضامین

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں، جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش کن باتیں اور وہ لوگ اور کچھ نہیں خیالات پکا لیتے ہیں، تو بڑی خرابی انکی

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا

ہوگی، جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے پھر کہدیتے ہیں کہ خدا کی طرف سے ہے، غرض یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد

قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

قدرے قلیل وصول کرلیں، سو بڑی خرابی آویگی انکو اسکی بدولت جسکو انکے ہاتھوں نے لکھا تھا، اور بڑی خرابی ہوگی انکو اسکی بدولت جسکو وہ وصول کرلیا کرتے تھے

تفسیر

اس سے پہلی آیت مقدسہ میں قوم یہود کے علماء کا ذکر فرمایا تھا، اس آیت میں ان کے عوام جہلاء کا ذکر فرمارہے ہیں کہ بیچارے توریت تو پڑھے ہوئے ہیں نہیں، بس انکے علماء جو خود غرض اور لالچی ہیں، ان کو خوش کرنے والی باتیں بتلادیتے ہیں، اور نبی آخرالزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات اللہ تعالیٰ نے توریت میں بیان فرمائے ہیں ان کو اس ڈر سے بدل دیتے ہیں کہ اگر عوام کو ان کا پتہ چل گیا تو وہ محمد عربیؐ کو اپنا مقتدا و پیشوا بنالیں گے، اور جو آمدنی ہمیں عوام سے ہورہی ہے، وہ سب بند ہو جائے گی چنانچہ توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک یہ لکھا ہوا تھا، درمیانہ قد، خوبصورت، اچھے بال، آنکھیں سُرگیں، مگر ان لالچی علماء نے ان صفات کو بدل کر یہ لکھدیں، قد لمبا، آنکھیں نیل گوں، بال چھدرے، اسلئے عوام نے محمد عربیؐ کے نبی ہونے کو جھٹلادیا۔

علماء کے لئے عبرت

چونکہ عوام کی اس توہم پرستی اور حضورؐ کو نبی نہ ماننے میں ان کے علماء کی خیانت بڑا سبب ہے، اس لئے وہ جرم میں بھی عوام سے زیادہ ہوئے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گندی حرکت پر سخت قسم کی دھمکی دی ہے، (تفسیر بیان القرآن، مظہری)

اقوال و تحقیق

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ، امانی جمع امنیہ کی ہے، اصل میں امنیہ اس آرزو اور تمنا کو کہتے ہیں جسے آدمی اپنے دل ہی دل میں پکاتا ہے، اور یہاں امانی سے مراد وہ جھوٹی باتیں ہیں، جنہیں علماء یہود نے گھڑ رکھا تھا، یہ قول حضرت مجاہد رحؒ و قتادہ رحؒ کا ہے،

فَوَيْلٌ، (۱) حضرت ابن عباس رضؓ کا قول ہے کہ ویل کے معنی سخت عذاب کے ہیں، (۲) حضرت زجاجؒ کا قول ہے کہ ویل ایک ایسا کلمہ ہے، جس کو ہلاکت و تباہی میں مبتلاء ہونے والا کہا کرتا ہے، (۳) حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے اگر اس میں جہنم کے پہاڑ بھی جلائے جاویں تو وہ بھی ریت ہو جائیں یا شدتِ حرارت سے بالکل پگھل کر پانی کی طرح بہہ جاویں (بقیہ صفحہ پر)

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ

اور یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ ہرگز ہم کو آتش چھوئے گی نہیں مگر تھوڑے روز جو شمار کر لئے جاسکیں، آپ یوں فرما دیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے

يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

کوئی معاہدہ لیا ہے، جسمیں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کرینگے، یا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جسکی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے، کیوں نہیں؟ جو

وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

شخص قصداً بری باتیں کرتا ہے اور اسکو اسکی خطا احاطہ کرلے، سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں، وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے،

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ

اور جو لوگ ایمان لاویں، اور نیک کام کریں، ایسے لوگ اھل بہشت ہوتے ہیں، وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے،

تفسیر یہود کو جس وقت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کے عذاب سے ڈرایا کہ یا تو مذہب اسلام اختیار کر لو نہیں تو اللہ رب العزت تم کو جہنم کے دھکتے ہوئے انگاروں میں ہمیشہ کیلئے پھینک دیں گے،

اس کے جواب میں یہود نے کہا کہ اول تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے واسطے پھر آخر ہمارا ٹھکانہ جنت ہی ہے،

حضرت قتادہ رضؓ نے فرمایا کہ یہود کی مراد چند دن سے وہ چالیس دن ہیں جن میں انکے بڑوں نے

اقوال و تحقیق:- (بقیہ صہ۸۳ کا) (۴) امام ترمذی سے روایت ہے کہ ویل جہنم کا ایک کنواں ہے، (۵) ابن جریر رضؓ سے روایت ہے کہ جہنم کا ایک پہاڑ ہے (۶) ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے کافر اس میں چالیس سال تک اترتا چلا جاویگا تب بھی اس کی تہہ کو نہ پہونچیگا، (مظہری صفحہ ۹۴ جلد ۱) أَيَّامًا مَعْدُودَةً، سے مراد (۱) بقول حضرت ابن عباس رضؓ و مجاہد رحؒ کے سات دن ہیں، جیسا کہ یہود کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار برس ہے پس ہمکو ہر ایک ہزار برس کے عوض ایک دن عذاب دیا جائے گا (۲) حضرت قتادہ رحؒ و عطاء رحؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن مراد ہیں جیسا کہ تفسیر میں مذکور ہوا (۳) حضرت حسن و ابو العالیہ نے فرمایا کہ یہود کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے (بقیہ صہ۸۵ پر)

بچھڑے کی پوجا کی تھی،
اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسد گمان کو یہ فرما کر رد کر دیا کہ کیا تم نے اپنے خدا سے کوئی عہد لے رکھا ہے جو تمہارے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، یا یوں ہی من چاہی ہانک رہے ہو،

جنتی و جہنمی ہونیکا اصول

بَلٰی مَنْ كَسَبَ الآیۃ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس اصول وضابطہ کو بیان کر دیا ہے، کہ جنت میں کون جائے گا، اور جہنم میں کون؟
فرماتے ہیں کہ جس نے اس قدر گناہ کئے کہ گناہوں نے اسکے دل کو گھیر لیا اور وہ مکمل سیاہ ہو چکا ہے کہ نورِ ایمانی اب اس میں داخل نہیں ہو سکے گا، ایسا شخص جہنم میں جائے گا، اور ہمیشہ اسی میں پڑا رہے گا۔
اور وہ شخص جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکا اور نیک اعمال کرنے لگا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا، خدائے تعالیٰ کے بیان کردہ اس اصول کی روشنی میں یہودی ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈالے جائیں گے، چونکہ وہ بھی ایمانی نور سے محروم تھے، بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ ماننے کے،

(حاصل بیان القرآن، مظہری)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ

اور جب لیا ہم نے قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا بجز اللہ تعالیٰ کے، اور ماں باپ کی اچھی طرح

إِحْسَانًا وَذِي ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا۟

خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی، اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی، اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح کہنا

ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ، پھر تم اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا

اقوال و تحقیق: (بقیہ ص۸۶ کا) ایک معاملہ میں ہم پر غصہ فرمایا تھا، اور قسم کھائی تھی کہ تمکو چالیس دن عذاب دوں گا، (۴) بعض نے فرمایا جتنی مدت وادئ تیہ میں رہے تھے، یعنی چالیس سال (۵) بعض کا قول ہے کہ جو جتنے دن دنیا میں رہا اتنے ہی دن جہنم میں ڈالا جائے گا،
یہود کے ان مذکورہ باطل وفاسد عقائد کو رد کرنے کیلئے آیت قل اتخذتم الآیۃ نازل فرمائی،
سَيِّئَةً، اس کے معنی کبیرہ گناہ ہیں،

(تفسیر کشاف، مظہری، فوائد شیخ الہند)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ

اور جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا کہ باہمی خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا، پھر تم نے اقرار

دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ

بھی کر لیا اور تم شہادت دیتے ہو۔ پھر تم یہ ہو قتل وقتال بھی کرتے ہو، اور ایک

اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو ان اپنوں کے مقابلہ میں امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ اور اگر ان لوگوں

وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کرا کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات ہے کہ تم کو ان کا

اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ

ترک وطن کرا دینا بھی ممنوع ہے، کیا کتاب کے بعض پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے، سو اور کیا سزا

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ

ہو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز رسوائی کے دنیاوی زندگی میں، اور روز قیامت کو بڑے سخت

اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

عذاب میں ڈال دیئے جاویں، اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال سے،

تفسیر

چوں کہ یہود کا یہ گمان تھا کہ ہم صرف چند روز کیلئے جہنم میں جائیں گے اور بس پھر ہمیشہ جنت کی بہاریں لیں گے، ان آیات میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیونکر نیک اور صالح سمجھتے ہو، جبکہ تمہارے حالات و اعمال گندے ہیں کہ ہم نے تم سے جو وعدے لئے تم نے ان کو پورا نہیں کیا بلکہ ان سے اعراض کیا سوائے تم میں سے چند آدمیوں کے جیسے عبداللہ بن سلام رضؓ وغیرہ ہیں،

اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ آپسمیں جنگ وجدال اور قتل وقتال مت کرنا، لوگوں کو شہر سے جلاوطن نہ کرنا کہ ان بیچاروں کو اس قدر تنگ کر دو جس سے وہ شہر چھوڑ دینے پہ مجبور ہو جائیں، مگر انہوں نے آپس میں خون خرابہ بھی کیا اور شہر بدر بھی کیا،

اصل قصہ:- اصل قصہ یہ ہے کہ عرب کے اندر چار قبیلے تھے، اوس[۱]، خزرج[۲]، بنو قریظہ[۳]، بنو نظیر[۴]،

بنو قریظہ قبیلۂ اوس کے مخالف تھے، اور بنو نظیر قبیلۂ خزرج کے مخالف تھے، ان میں سے ہر قبیلہ اپنے موافق قبیلہ کی پوری حمایت و مدد کرتا، اور ایک دوسرے کے شہر کو تباہ و برباد کرتا اور شہروں سے نکال دیتا اور اگر کسی دوسرے موقع پر دونوں گروہوں میں سے کسی بھی گروہ کا کوئی آدمی گرفتار ہو جاتا تو اسے مل جل کر مال جمع کر کے چھڑا لیا کرتے تھے، ان کے اس دو رُخے طریقہ کو دیکھکر اہل عرب نے کہا کہ تم ان سے جنگ بھی کرتے ہو اور انہیں فدیہ دیکر آزاد بھی کراتے ہو ایسا کیوں؟

یہود نے جواب دیا کہ ہمیں خدا نے توریت میں حکم دیا ہے کہ فدیہ دیکر آزاد کرا لیا کرو، عرب نے کہا پھر ان سے جنگ کیوں کرتے ہو، جواب دیا کہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے، کہ ہماری پارٹی ذلیل ہو اور پیٹے اس لئے ہم اپنی پارٹی کی مدد کرتے ہیں،

یہودیوں کے اس بے ڈھنگے رویے کو دیکھکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ تم توریت کے بعض حصے پر عمل کرتے ہو، اور بعض حصے پر عمل نہیں کرتے کہ قتل و قتال اور جلا وطن کرتے ہو، آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بھلا ان لوگوں کی کیا سزا ہو سکتی ہے، سوائے اس کے کہ ان کو دنیا میں ذلت و رسوائی میں مبتلا کیا جائے، اور آخرت میں سخت عذاب دیا جائے، چنانچہ بنو قریظہ پر دنیا میں اس طرح ذلت و رسوائی اور عذاب ڈالا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں عہد توڑنے کی وجہ سے ۵ھ ہجری میں حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے فیصلہ کے مطابق بنو قریظہ کے سات سَو نوجوان قتل کئے گئے، اور عورتوں بچوں کو قید کر لیا گیا، اور بنو نظیر کیلئے یہ رسوائی و ذلت ہوئی کہ ان کو مقام اذرعا اور اریحا میں نکال دیا گیا، وہاں ان پر اور دوسروں پر بھی جزیہ (ٹیکس) مقرر کیا گیا، (خلاصۂ تفسیر مظہری، کمالین، بیان القرآن، کشاف)

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو لے لیا ہے، بعوض آخرت کے، سو نہ تو ان کی سزا میں تخفیف کی

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا

جاوے گی، اور نہ کوئی ان کی طرفداری کرنے پاوے گا، اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی، اور ان کے بعد یکے بعد

مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۖ وَاٰتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ

دیگرے پیغمبروں کو بھیجتے رہے، اور پھر ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح دلائل عطا فرمائے، اور ہم نے

بِرُوحِ الْقُدُسِ ؕ

ان کو روح القدس سے تائید دی،

ع ۱۰

تفسیر

اس آیت پاک میں بنی اسرائیل کی ایک اور مذمت کی جارہی ہے، کہ یہ لوگ ایسے ہیں جو دنیوی لذتوں کی خاطر آخرت سے قطعاً بے پرواہ ہیں یعنی دنیا کے عیش و مزے میں ایسے منہمک ہیں کہ نہ آخرت کے عذابات کا خوف و ڈر نہ وہاں کے راحت و آرام کا خیال شوق و طلب۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ان کو ایسا سخت عذاب دیا جائے گا جس میں ذرا بھی ہلکہ پن اور کمی نہیں کی جائے گی، کوئی رشتہ دار اور دوست بھی ان کی مدد نہ کر سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ الآیۃ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو شرم و غیرت دلا رہے ہیں کہ ہم نے ہمیشہ تمہاری ہدایت کیلئے بڑے بڑے سامان مہیا کیئے، منجملہ ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت دے کر بھیجا، اور ان کے بعد بہت سے پیغمبر حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یونسؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت یوشعؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت عزیرؑ، وغیرہ کو بھیجکر توریت کی تعلیم کو قوم بنی اسرائیل میں عام کرائی، اور پھر اس خاندان کے سلسلہ کے آخیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت، واضح دلائل اور کھلے معجزے دے کر بھیجا جیسے مادرزاد نابیناؤں کو بینا کر دینا، مُردوں کو زندہ کر دینا، برص والوں کو شفا بخش دینا، وغیرہ وغیرہ

اور عیسیٰؑ کو حضرت جبرئیل امین کے ذریعہ قوت دی، بایں طور کہ یہود حضرت عیسیٰؑ کے مخالف اور دشمن تھے، اس لئے جبرئیل ان کے ساتھ ہر وقت اور ہر جگہ حفاظت کے لئے ساتھ رہتے تھے، حتیٰ کہ اخیر میں جب حضرت عیسیٰؑ کو شہید کرنا چاہا تو جبرئیلؑ کے ذریعہ آسمان پر صحیح و سالم زندہ اٹھوا لیا گیا،

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا

کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جنکو تمہارا دل نہ چاہتا تھا، تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا، سو

كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

بعضوں کو تو تم نے جھوٹا بتلایا، اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے، اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ ان کے کفر کے سبب

فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ان پر خدا کی مار ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں،

تفسیر! اِس آیت پاک میں قوم یہود کی ایک اور گندی خصلت کا ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے مقدس پیغمبروں کے ساتھ جو اُن کی رہبری کیلئے تشریف لائے تھے، یہ سلوک کیا کہ ان میں سے کچھ انبیاءؑ کو تم نے جھوٹا قرار دیا، جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ ہیں، اور کچھ کو تمنے (نعوذ باللہ) قتل ہی کر ڈالا جیسے کہ حضرت زکریاؑ حضرت یحییٰؑ حضرت شعیبؑ وغیرہ ہیں،

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ الآیۃ اس آیت میں یہود کی دلیرادلی کا تذکرہ ہے، کہ اتنی سخت ظالمانہ وجابرانہ حرکت کرنے کے بعد بھی یہ لوگ اپنے کو فرشتہ تصور کرتے ہوئے طنزیہ طور پر کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں اور ہم اپنے مذہب پر اتنی پختگی کے ساتھ جمع ہوئے ہیں کہ اس پر مذہب اسلام کا کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان یہودوں کی بات کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان پر ہی دھتکار اور پھٹکار ہے، ان کے کفر اور مسلسل نافرمانی وسرکشی کیوجہ سے بس یہ جاہل لوگ بہت ہی کم ایمان رکھتے ہیں۔

مطلب اسکا یہ ہے کہ یہ ایمان لانا ان باتوں پر ہے، جو ان کے مذہب اور مذہب اسلام میں مشترک ہیں، جیسے خدا کے وجود کو ماننا قیامت کا اقرار کرنا ان امور کو یہود بھی مانتے ہیں مگر حضور علیہ السّلام کی نبوت اور قرآن کریم کو نہیں مانتے، اس لئے ان کے ناقص ایمان کو قلیل ایمان کے ساتھ تعبیر فرمادیا ہے، اگرچہ شرعی طور پر ایسا ایمان قابل قبول نہیں اور نہ ہی جہنم سے چھٹکارہ ملنے کا ذریعہ ہے، (مفہوم وخلاصہ مظہری ومعارف القرآن)

اقوال وتحقیق!- فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ! (۱) قلیل ایمان کی ایک تفسیر اوپر گذری (۲) حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یہود بہت کم تعداد میں ایمان لاتے ہیں، چنانچہ مشرکین یہود سے زیادہ تعداد میں ایمان لائے، (۳) بعض نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعض حصّہ پر ایمان لاتے تھے، بعض کو چھوڑ دیتے تھے، اس کو ایمانِ قلیل سے تعبیر کیا گیا ہے، (۴) علامہ واقدی رحؒ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نہ قلیل ایمان لاتے ہیں نہ کثیر یعنی بالکل ایمان نہیں رکھتے یہ ایسے ہی ہے، جیسے عرب بولتے ہیں "ما اقل ما تفعل کذا"، اس مقولہ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ تم نے فلاں کام بالکل نہیں کیا۔

(حاصل مظہری)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی، جو منجانب اللہ ہے، اس کی تصدیق کرنیوالی ہے، جو پہلے سے ان کے پاس ہے، حالانکہ

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ

اس کے قبل وہ بیان کیا کرتے تھے، کفار سے، پھر جب وہ چیز آپہنچی، جس کو وہ پہچانتے ہیں تو اسکا انکار

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

کر بیٹھے سو خدا کی مار ہو، ایسے منکروں پر ؏

تفسیر!

اِس آیت مقدسہ میں یہود کی کٹ حجّتی کا تذکرہ ہے، کہ یہ وہ قوم ہے کہ ایک چیز کو اچھی طرح پہچاننے کے بعد بھی محض تعصب و عناد کیوجہ سے اسکا انکار کر دیتی ہے، چنانچہ قرآن شریف کے نازل ہونے اور حضور علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے یہ لوگ مشرکین عرب کے مقابلہ میں حضورؐ کے وسیلہ و برکت سے مدد مانگا کرتے تھے کہ اے خدا نبی آخر الزماں (جسکے صفات ہم تورات میں پڑھتے ہیں،) کی برکت سے ہماری نصرت و مدد فرما، اور ہمیں فتح و کامیابی عنایت فرما، یہ اپنے مقابل کے لوگوں سے کہا کرتے تھے، کہ دیکھو نبی آخر الزماں کا زمانہ قریب آتا جا رہا ہے، وہ ہماری تصدیق فرمائیں گے، اور پھر ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں اس طرح قتل و ہلاک کر ڈالینگے جس طرح قوم عادؔ و ثمودؔ اور ارم ہلاک و برباد کئے گئے، لیکن جس وقت حضور علیہ السّلام تشریف لائے تو انہوں نے آپؐ کو پہچاننے سے انکار کر دیا، حالانکہ حضورؐ کے اوصاف یہ لوگ تورات میں خوب اچھی طرح پڑھ چکے تھے، مگر محض تعصب اور دنیوی لالچ و طمع کی غرض سے آپؐ کو پہچاننے سے انکار کر بیٹھے، پس لعنت ہو خدا کی ایسے متکبر خبیثوں پر،

ایک واقعہ

حضرت سلمہ بن قیس نے امام احمدرحؒ سے فرمایا کہ ہمارے محلہ میں ایک یہودی رہتا تھا، اس نے ہمیں آخرت کے متعلق جزاء و سزاء کا بیان سنایا ہم نے اس سے ثبوت مانگا تو کہنے لگا کہ جلد ہی مکہ اور یمن کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوں گے وہ اس بات کو ثابت کریں گے، اور پھر چند روز بعد حضور علیہ السلام کی خبر مشہور ہوگئی اور جب آپؐ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہم نے اس یہودی سے کہا کہ اب تو حضور پر ایمان کیوں نہیں لاتا وہ کچھ شرمسار سا ہو کر کہنے لگا یہ وہ نبی نہیں ہیں، فلعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔ (خلاصہ تفسیر حقانی، مظہری، معارف، کشاف)

اقوال و تحقیق

یستفتحون، کی ایک تفسیر اوپر کی گئی، دوسری بعض مفسرین نے یہ فرمائی ہے کہ یہود مشرکین عرب سے حضور علیہ السّلام کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے الخ (از تفسیر کشاف، مظہری)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ

وہ حالت بُری ہے جسکو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں، یہ کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی

مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

محض ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

اور ان کفر کرنے والوں کو ایسی سزا ہوگی جسمیں ذلت ہے،

تفسیر! اس آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ ان یہود نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ٹھہرا کر ان پر ایمان نہ لاکر اپنے آپ کو حق تعالیٰ شانہٗ کے غصہ و غضب کا مستحق بنا لیا یہود کے حضور ؐ کو نبی نہ ماننے کی وجہ صرف حسد و بغض تھا، کیونکہ حضور ؐ یہود میں سے نہیں تھے، بلکہ عرب میں سے تھے، اس لئے ان کو جلن ہوئی، کہ جب مدتوں سے نبی ہم میں سے ہوتے آرہے ہیں تو اب عرب میں سے کیوں ہوا؟

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انکی اس بد دماغی کا جواب بھی دیا اور ان کو آخرت میں جو سزا ملے گی اس سے بھی باخبر فرمادیا۔ جواب تو یہ ہے کہ ہم سب کے حاکم ہیں کوئی ہم پر حاکم نہیں۔ ہم ہی جانتے ہیں عہدۂ نبوت کے کون لائق ہے، کون نہیں، نبوت و رسالت ہمارا فضل ہے اور یہ ہماری عادت ہے، ہم اپنا فضل جس پر فرمانا چاہیں فرمادیتے ہیں جسمیں کسی کو بھی چون و چرا کا حق نہیں، اس کے باوجود بھی اگر اے یہود تم ہمارے بنائے ہوئے نبی کو نہیں مانتے تو تم غضب بالائے غضب کے مستحق ہو، تم کو ایسا عذاب دیا جائے گا جس میں عذاب کے ساتھ ساتھ ذلت و رسوائی بھی شامل ہوگی، (حاصل تفسیر ابن کثیر)

اقوال و تحقیق: فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ، یہ امر اوپر مترشح ہو چکا ہے کہ یہود دہرے غضب کے مستحق ہیں، لیکن دوہرا غضب ان پر کن وجوہات کی وجہ سے ہوگا۔ اس میں علماءِ مفسرین کے پانچ اقوال سپرد قرطاس ہیں (۱) ایک غضب کفر کرنے پر دوسرا حسد کرنے پر (۲) ایک احکامات توریت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا حضور ؐ کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے (۳) ایک حضرت عیسیٰ ؑ کو نبی نہ ماننے پر، دوسرا حضور علیہ السلام کو نبی نہ ماننے پر (۴) پہلا بچھڑے کی پوجا کرنے پر، دوسرا حضور ؐ کی مخالفت کرنے پر، (۵) ایک عزیر ابن اللہ کہنے پر، دوسرا یوم سبت میں لااعتدالی کرنے پر، (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان لاویں گے

بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ

جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور جتنی اس کے علاوہ ہیں، ان کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی حق ہیں اور تصدیق کرنیوالی بھی ہیں اسکی جوانکے پاس ہے آپ کہئے

مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ

کہ پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اسکے قبل کے زمانہ میں اگر تم ایمان رکھنے والے تھے، اور موسیٰ تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں لائے

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾

اسپر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو تجویز کرلیا موسیٰؑ کے بعد اور تم --- ستم ڈھا رہے تھے،

تفسیر! اور جب ان یہودیوں سے قرآن مجید اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لئے تورات پر ایمان رکھنا کافی ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کرلینا کافی ہے،

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیت مقدسہ میں ان کی تردید فرمائی کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں کیوں کہ قرآن شریف جو توریت کی تصدیق کرنے والا ہے، اس کے نہ ماننے سے تورات کا نہ ماننا لازم آتا ہے، اسی طرح توریت میں انبیاءؑ کو قتل کرنیکی سخت وعیدات موجود تھیں، مگر اس کے باوجود تم نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو شہید کرکے توریت کا صاف طریقہ سے انکار کیا، اس کے ساتھ کفر کیا اس طرح اے یہودیو! تم اپنے اس دعویٰ میں قطعاً جھوٹے اور فریبی ہو کہ ہم تو صرف توریت پر ایمان لائے ہیں، تمہاری یہ حرکتیں ظاہر کرتی ہیں کہ تمہاری زبان کچھ اور عمل کچھ،

وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ الآیۃ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دوسرے دعوے کی تردید فرمائی ہے، جو یہ کہتے تھے، کہ ہم حضرت موسیٰؑ کی سچی نبوت کے قائل ہیں ان کو اپنا پیشوا، و رہنما مانتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اسمیں بھی بالکل جھوٹے ہیں، کیوں کہ اگر یہ سچے ہوتے تو موسیٰؑ سے کھلم کھلا معجزات

اقوال و تحقیق! عَذَابٌ مُّهِينٌ:- عذاب کے ساتھ مہین کی قید لگاکر یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ ذلت والا عذاب کافرین کے ساتھ مخصوص ہے، گناہگار مسلمانوں کو جو عذاب دیا جائے گا وہ ذلیل کرنے کیلئے نہیں بلکہ ان کو نافرمانی و سرکشی کی گندگی سے پاک کرنے کیلئے ہوگا۔

(خلاصہ تفسیر مظہری، معارف القرآن، ابن کثیر)

(جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا، دریا کا پھٹ جانا اور فرعون کا اس میں غرق ہو جانا، ہاتھ کا بغل میں ڈالنے سے چمکدار ہو جانا وغیرہ) دیکھنے کے بعد .... ان کے حکم کی نافرمانی نہ کرتے، مگر ان کی سرکشی کا یہ عالم تھا کہ موسیٰ ؑ ان کی خاطر کوہِ طور پر توریت مقدس لینے کیلئے تشریف لے گئے، اور انہوں نے خدا اور اسکے رسول کو ایکدم بھلا کر بچھڑے کی پرستش شروع کر دی، ان کے اس گندے اور گھناؤنے طریقے سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ نہ توریت پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں،

تنبیہ:۔ اور اس وقت تو جو لوگ اپنے آپ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں، توریت و انجیل پر عمل کرنے والا تصور کرتے ہیں، وہ تو قطعاً بے سود اور ناقابلِ قبول ہے، ۱۔ اس وجہ سے کہ اس وقت جو توریت و انجیل ہیں وہ بے پناہ تحریف شدہ ہیں، ۲۔ اور اگر ان کو بفرضِ محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ قرآن مقدس کے نازل ہو جانے کے بعد منسوخ العمل ہو چکی ہیں،

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا

اور جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا، اور طور کو تمہارے اوپر لا کھڑا کیا تھا، جو کچھ (احکام) ہم تم کو دیتے ہیں ہمت اور پختگی کیساتھ لو

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا

اور سنو، انہوں نے زبان سے کہدیا کہ ہم نے سن لیا اور ہم سے عمل نہ ہو گا۔ اور انکے قلوب میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا، انکے کفر کیوجہ سے

يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

آپؐ فرما دیجئے کہ یہ افعال بہت برے ہیں جنکی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے اگر تم اہلِ ایمان ہو،

تفسیر! اس آیت پاک میں بھی اللہ رب العزت نے یہودیوں کی سرکشی کو بیان فرمایا ہے کہ جس وقت ہم اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کے پاس اپنے احکام بھیج چکے اور ان سے ان پر پابندی سے عمل کرنے کے لئے کہا تو یہ اسکے لئے تیار نہ ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو انکے سر پہ لاکر کھڑا کر دیا کہ یا تو ہمارے احکامات پر عمل کرو نہیں تو یہ پہاڑ تم پر گر کر ابھی تم کو کچل دیگا، جب اس آفت سے انہوں نے اپنے آپ کو بچنے والا نہ سمجھا تب مجبوراً زبان سے اقرار کیا کہ اے خدا ہم نے تیرا حکم سن لیا، مگر دل ہی دل میں یوں کہہ رہے تھے کہ اے خدا ہم سے عمل نہ ہو سکے گا۔ اس طرح کی یہ باتیں ان کے دماغوں میں اسلئے آرہی تھی کہ ان کے دلوں میں اس بچھڑے کی محبت ابھی تک رچی بسی ہوئی تھی اس بچھڑے کی محبت ہی کا اثر تھا کہ جب یہ لوگ دریائے شور کے پار پہونچے اور وہاں ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا تو وہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بصد اصرار کہنے لگے کہ ہمارے لئے

بھی کو ایسا ہی معبود تجویز کر دیجئے،

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ آپؐ ان سے فرما دیجئے کہ اے یہودیو! اگر واقعتاً یہی تمہارا ایمان ہے تو یہ تمہیں بہت غلط اور بُری باتیں سکھاتا ہے،

اصلی ایمان

خلاصہ فرمانِ خداوندی کا یہ نکلتا ہے کہ ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ دباؤ میں اگر کبھی کسی بات کا اقرار کر بیٹھے اور کبھی کسی کا، اصلی ایمان تو یہ ہے کہ جب خدائے کی وحدانیت کے دامن کو تھام لیا تو پچھلی تمام مشرکانہ حرکتوں کو یکسر پسِ پشت ڈالدے، ان میں سے کوئی پرانا نمونہ سامنے آئے تو اسے نظر انداز کر کے خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تصوّر میں غرق ہو جائے، یہ ہے ایمان کی حقیقت اور اس کی رُوح۔ (بایمار تفسیر ابن کثیر و معارف القرآن)

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ

آپؐ کہہ دیجئے اگر عالمِ آخرت محض تمہارے لئے ہی نافع ہے، اللہ کے پاس بلا شرکت غیرے تو تم

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا

موت کی تمنا کر دو اگر تم سچے ہو، اور وہ ہرگز کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے،

قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور حق تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی،

تفسیر!

یہود یہ دعویٰ کیا کرتے تھے، کہ ہم دینِ حق پر ہیں، لہٰذا ہم کو آخرت میں ضرور نجات ملیگی، اور وہاں کی نعمتیں خالص ہمارا حق ہے،

چوں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بن جانے کے بعد ان کا دین منسوخ ہو چکا تھا، اس لئے یہود دینِ حق پر نہیں تھے،

اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کو قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر مختلف انداز سے غلط اور جھوٹا قرار دیا ہے، اس آیت پاک میں بھی ان کے اس دعویٰ کو بے بنیاد قرار دیا ہے اسطور پر کہ اے یہود اگر تم حق پر ہو اور مرنے کے بعد تمہیں جنت کی سب نعمتیں دی جائیں گی، تو تم مرنے کی تمنا کرو، اگر تم نے اپنی زبان سے مرنے کی تمنا کرلی، تو ہم سمجھیں گے کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو،

آگے اللہ تعالیٰ پیشین گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یاد رکھو تم ہرگز ہرگز موت کی تمنا نہیں

کرسکتے، لہٰذا تمہارا اپنے دعوے میں جھوٹا ہونا ثابت ہوا،
چوں کہ یہود پر اپنا باطل اور کفر پر ہونا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کا حق پر ہونا خوب واضح اور روشن تھا، اسلئے یا تو ان پر ایسی ہیبت چھائی کہ زبان ہی نہ اُٹھ سکی، یا وہ ڈر گئے کہ اگر ہم نے یہ جملہ منہ سے نکالا تو موت ہمیں کھا جائے گی اور پھر جہنم ہمارا ٹھکانا ہوگا نہیں تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عداوت و دشمنی تھی اسکے پیشِ نظر تو ان کو یہ سنکر جوش آجانا چاہیئے تھا، اور یہ جملہ کہہ دینا چاہیئے تھا،
حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے رسول خدا نے فرمایا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کر لیتے تو اسی وقت ان سب کا دم گھٹ جاتا اور ہلاک ہو جاتے،

موت مؤمن کا تحفہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موت مؤمن کا تحفہ ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ مؤمن کا پھول موت ہے تیسری روایت میں ہے کہ موت ایک پل ہے جو ایک دوست (مؤمن) کو دوسرے دوست (اللہ تعالیٰ) سے ملا دیتی ہے،
ان احادیث مقدسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو یہ تحفہ حاصل کرنے کیلئے موت کی تمنا کرنی چاہیئے، ...... مگر بعض روایت میں موت کی تمنا کرنے سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ ہی موت کیلئے دعا مانگے، کیونکہ مر جانے کے بعد آدمی کے عمل بالکل منقطع ہو جاتے ہیں اور پھر مؤمن کی زندگی و عمر نیکیوں میں اضافہ و زیادتی کرتی ہے، دوسری روایت حضرت انس رضؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی پریشانی اور مصیبت کی وجہ سے تم میں سے کوئی ہرگز موت نہ مانگے البتہ اگر موت کو جی ہی چاہتا ہے اور بغیر موت کے رہ ہی نہیں سکتا تو بس اتنا کہہ لے کہ اے اللہ جبتک میرے حق میں زندگی بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرا مرنا بہتر ہو تو مجھے موت دیدے،

حاصل بحث

اوپر دو طرح کی احادیث سامنے آئیں ایک سے موت کی تمنا کا جواز ملتا ہے دوسری سے ممانعت، علماءِ مفسرین نے احادیث کی روشنی میں جو فیصلہ فرمایا ہے، وہ قلم بند کیا جاتا ہے،
موت کی تمنا اگر دنیوی الجھنوں یا مالی وجسمانی تکالیف سے گھبرا کر کی جائے تو قطعًا جائز نہیں، البتہ اگر خدائے تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کی تمنا کی جائے تو وہ جائز ہی نہیں بلکہ بہتر و افضل ہے،
(حاصل معارف، مظہری) (اقوال و تحقیق صفحہ ۱۶۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ

اور آپ ان کو حیات کا حریص آدمیوں سے بڑھ کر پائیں گے۔ اور مشرکین سے بھی ان کا ایک ایک اس ہوس

أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ

میں ہے کہ اسکی عمر ہزار برس کی ہو جاوے، اور یہ امر عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ

أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (۹۶)

عمر ہو جاوے اور حق تعالیٰ کے سب پیشِ نظر ہیں ان کے اعمال،

ع ۱۰

تفسیر!

اس آیتِ پاک میں بھی انہی یہود کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ موت کی تمنا کیا خاک کریں گے، یہ تو اس بات کے متمنی اور آرزو مند ہیں کہ ان کو عمرِ نوح ؑ (لمبی عمر) ملجائے، دنیوی زندگی کیلئے یہ مشرکینِ عرب سے بھی زیادہ حریص ہیں جنکا یہ یقین ہے کہ آخرت کوئی چیز نہیں، ہمارے لئے ہر طرح کی عیش اور راحت و آرام بس اسی دنیا میں ہے، اگر مشرکینِ عرب ہزاروں برس زندہ رہنے کی خواہش کریں تو اس پر کوئی تعجب نہیں، تعجب تو یہود پر ہے جو اپنے آپ کو آخرت کی نعمتوں کا مستحق سمجھتے ہوئے بھی اس دنیا میں ہی رہنا چاہتے ہیں، اس سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا دعویٰ کہ جنت اور اس کی نعمتیں خالص ہمارا حق ہے، صرف زبانی ہے، حقیقت جو ہے اس سے یہ بھی بخوبی واقف ہیں کہ ہم جہنم رسید کئے جائیں گے،

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو یہ لمبی لمبی عمر کی آرزو کر رہے ہیں کیا بھلا یہ زیادہ دن زندہ رہکر ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے ہرگز نہیں بلکہ عمر کی زیادتی کیساتھ ساتھ انکی بداعمالیاں بھی بڑھتی رہیں گی اور پھر سزا بھی زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت دی جائیگی انکے اعمال بد سب ہمارے سامنے ہیں،

اقوال و تحقیق

بقیہ:- قل ان کانت الاٰیۃ کے شانِ نزول میں علامہ آلوسیؒ نے چند اقوال سپردِ قرطاس فرمائے ہیں (۱) ابن جوزی رح فرماتے ہیں کہ یہود کے قول "ان اللہ لم یخلق الجنۃ الا لاسرائیل وبنیہا"، (یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت کو نہیں پیدا کیا مگر صرف بنی اسرائیل اور اس کی اولاد کیلئے) کی تردید میں یہ آیت نازل کی گئی (۲) ابو العالیہ رح اور ربیع رح نے ان اقوالِ ذیل کو سببِ نزول قرار دیا ہے، ۱ـ نَحْنُ أَبْنَآءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ ۲ـ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط۔

(روح المعانی)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا

آپؐ یہ کہیئے کہ جو شخص جبرئیلؑ سے عداوت رکھے، سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ

حکم سے اس کی یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو، جو شخص

وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾

حق تعالیٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور جبرئیلؑ کا اور میکائیل کا تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے، ایسے کافروں کا،

تفسیر!

اس آیت مقدسہ کے شانِ نزول کے سلسلہ میں چند واقعات ملتے ہیں خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ بعض یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنکر کہ آپؐ کے پاس وحی جبرئیلؑ فرشتہ لیکر آتا ہے کہا کہ وہ تو ہمارا دشمن ہے وہی ہم پر ہلاکت و تباہی اور شدت و عذاب لاتا ہے، ہاں میکائیل علیہ السّلام بہت خوب ہیں کیونکہ وہ بارش اور رحمت لانے والے ہیں، اگر یہ وحی لایا کرتے تو ہم آپ کی باتوں کو مان لیتے، اور آپ کا دین قبول کر لیتے، اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیتیں نازل فرمائیں،

ان میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی اور ان کی حماقت و بیوقوفی کو ظاہر فرمایا، اور پھر اس کے انجام سے باخبر فرمایا،

فرماتے ہیں جبرئیلؑ سے عداوت کیوجہ سے قرآن کو نہ ماننے میں کیا دخل، کیونکہ جبرئیلؑ تو صرف ایک ایلچی اور خبر رساں کی حیثیت رکھتے ہیں، قرآن ہمارا کلام ہے، وہ اس کو ہمارے حکم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آتے ہیں، عقلمندی یہ نہیں کہ کلام کے لانے والے کو دیکھا جائے بلکہ عقلمندی یہ ہے کہ خود کلام کو اور کلام والے کو دیکھنا چاہیئے، چنانچہ قرآن کریم کو دیکھئے کہ وہ دوسری آسمانی کتابوں (توریت، انجیل، زبور) کی تصدیق کرتا ہے، رہبری کرنے والا ہے، اور ایمان والوں کو خوش خبری سنانے والا ہے،

عداوتِ جبرئیلؑ

رہا مسئلہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے عداوت و دشمنی رکھنے کا اسکے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کا، فرشتوں کا، رسولوں کا، جبرئیلؑ و میکائیلؑ کا دشمن ہوگا ہم اسکے دشمن ہیں۔

ذرا سوچیئے جسکے اللہ تعالیٰ دشمن ہو جائیں اسے کہاں جائے پناہ مل سکتی ہے، اور اسے اللہ کے ہاتھوں سے کون بچا سکتا ہے،

حضرت جبرئیلؑ کا مقام

حضرت جبرئیلؑ امین کا مقام اللہ رب العزت کے یہاں کیا ہے؟ وہ ذیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے، (۱) حضرت سعید خدریؓ نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے دو وزیر زمین والوں میں سے ہیں ۱۔ ابوبکرؓ ۲۔ عمرؓ اور دو آسمان والوں میں سے ہیں، ۱۔ جبرئیلؑ ۲۔ میکائیل۔

(۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں، ایک سختی کا حکم دیتا ہے، وہ جبرئیلؑ ہیں، دوسرا نرمی کا حکم کرتا ہے وہ میکائیلؑ ہیں، اور فرمایا دونوں ٹھیک ہی کرتے ہیں،

پھر فرمایا دو نبی ہیں ایک سختی کا حکم دیتا ہے، وہ حضرت موسیٰؑ ہیں، دوسرا نرمی کا حکم کرتا ہے، وہ حضرت نوحؑ ہیں، فرمایا دونوں حق پر ہیں، اور پھر فرمایا میرے دو ساتھی ہیں، ایک نرمی کا حکم دیتا ہے وہ ابوبکرؓ ہیں، دوسرا سختی کا حکم کرتا ہے، وہ عمرؓ ہیں،

(حاصل بیان القرآن۔ مظہری)

اقوال وتحقیق:-

یہود کے حضرت جبرئیلؑ کو اپنا دشمن سمجھنے کی یہ وجوہات تھیں، (۱) ایک مرتبہ جبرئیلؑ نے آکر ہمارے نبی حضرت موسیٰؑ کو ۔ خبر دی کہ بیت المقدس ایک شخص کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہوگا، اس کا نام بخت نصر ہے، ہم نے بیت المقدس کی حفاظت اور اپنے بچاؤ کی خاطر اپنے میں سے ایک شخص کو بخت نصر کو قتل کرنے کیلئے تیار کیا، بخت نصر اس وقت ایک مسکین سا بچہ تھا، اور شہر بابل میں رہتا تھا، جیسے ہی ہمارا آدمی وہاں پہنچا تو فوراً جبرئیلؑ نے بخت نصر کی حمایت کی اور ہمارے آدمی کو وہاں سے الگ کردیا حتی کہ بخت نصر جوان ہوا، اور اس نے بیت المقدس کو تباہ وبرباد کیا، جو صرف جبرئیلؑ کی وجہ سے ہوا

(۲) مقاتل نے فرمایا کہ جبرئیلؑ کو حکم ہوا تھا کہ نبوت ہم (یہود) میں اتاریں، مگر انہوں نے غیروں کو دیدی یہ دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ ان وجوہات کی تردید کیلئے اتنا تحریر کردینا کافی ہے کہ ان وجوہات کی حقیقت اہل علم پر خوب روشن ہے

(حاصل مظہری)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضحہ نازل کئے ہیں اور کوئی انکار نہیں کیا کرتا مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں

تفسیر!

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن صوریا قطوینی یہودی نے حضور علیہ السّلام سے کہا تھا کہ آپؐ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہنچان لیں نہ ہی آپؐ کے پاس کوئی روشن اور واضح دلیل ہے، جو آپؐ کی نبوّت کے لئے صریح ثبوت بن سکے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ تو ایک ہی واضح دلیل کو گاتے پھرتے ہیں، ہم نے تو آپؐ پر بہت سی واضح اور روشن دلیلیں اتاری ہیں، یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ انکی کتاب کی پوشیدہ باتیں وغیرہ اپنی معجزنما کتاب قرآن کریم میں بیان فرمادیئے ہیں جنکو سُنکر ہر زندہ دل آپؐ کی نبوّت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، ان سب باتوں کو یہودی بھی بخوبی جانتے پہنچانتے ہیں مگر حکم نہ ماننے کی عادت نے انہیں مجبور کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ بے سوچے سمجھے بڑی سے بڑی دلیل کا انکار کر دیتے ہیں، (حاصل بیان القرآن، وابن کثیر)

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کیا اور جب کبھی بھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا اسکو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہو گا بلکہ انہیں زیادہ ایسے ہی نکلیں گے جو یقین ہی نہیں کرتے

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ

اور جب ان کے پاس ایک پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے، ہاں اہل کتاب میں کے ایک فریق

مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

نے خود اس کتاب اللہ ہی کو پس پشت ڈال دیا ہے جیسے ان کو گویا اصلاً علم ہی نہیں ؏

اقوال وتحقیق!

صاحب تفسیر حقانی نے اس آیت کی یہ تفسیر فرمائی ہے، یعنی یہ عذر کہ اس قرآن کو جبرئیلؑ لائے ہیں اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لاتے بیہودہ عذر ہے اسلئے کہ فی نفسہٖ اس کی آیات واضح اور روشن ہیں، ان میں کوئی ایسی بات نہیں جسکو عقل سلیم نہ مانے، پس ان کا انکار کرنا نافرمانوں کا کام ہے،

(تفسیر حقانی)

تفسیر! "شانِ نزول" حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حنیف یہودی سے فرمایا کہ تم سے دین محمدی کے بارے میں جو عہد و میثاق لیا گیا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوگا اس کا اتباع کرنا اب وہ دین ظاہر ہو چکا ہے اسکو پورا کرو، اس یہودی نے ایک دم کہا خدا کی قسم ہم سے کوئی اس قسم کا عہد نہیں لیا گیا،

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ان یہودیوں سے جب کبھی دین کے متعلق کوئی عہد و پیمان لیا گیا تو انہوں نے اسے توڑ دیا،

اگلی آیت میں ان کی عہد شکنی کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب ان کے پاس عظیم الشان پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو اُن کی کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے، اور ان کی کتاب توریت میں خود حضورؐ کے نبی ہونے کی بشارت تھی، اس صورت میں حضورؐ کی نبوّت کا اقرار کرنا توریت پر عمل کرنا تھا، مگر ان یہود کے ایک فریق نے توریت پر بھی عمل نہ کیا اس کو بھی پس پشت ڈال دیا، ہاں ایک فریق ایسا خوش قسمت بھی نکلا جس نے ان عہدوں کو پورا کیا اور حضور علیہ السّلام پر ایمان بھی لایا، (خلاصہ معارف، مظہری)

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

اور انہوں نے ایسی چیز کا اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین حضرت سلیمانؑ کے عہدِ سلطنت میں

الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ

اور سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا، مگر شیاطین کفر کرتے تھے اور آدمیوں کو بھی سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے،

تفسیر! اس سے پہلی آیتوں میں قوم یہود کی عہد شکنی کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم کیا گیا تھا ان کو نہیں کیا، اور اب ان آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان یہود کو جن کاموں سے روکا گیا تھا، انہوں نے ان کو کیا۔

حضرت سلیمانؑ اور جادوگر! اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں کئی قصے مروی ہیں

اقوال و تحقیق! نقضِ عہد، سے کیا مراد ہے؟ ایک قول تفسیر کے ضمن میں ذکر ہوا دوسرا یہاں پیش ہے، حضرت عطاؒ فرماتے ہیں وہ عہد مراد ہیں جو حضورؐ اور یہود کے مابین ہوئے تھے کہ مشرکین کے جنگ و جدال میں تعاون نہ کریں، مگر انہوں نے ان طے شدہ عہدوں کو توڑ ڈالا۔ جیسا کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ نے عہد شکنی کی تھی۔ (حاصل مظہری و روح المعانی)

یہاں دو کو لکھا جاتا ہے (۱) حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جسکو وہ پاخانہ جاتے وقت اتار کر اپنی بیوی جرآدہ کو دے جاتے تھے، ایکدن حسب عادت جب آپؑ پاخانہ کیلئے گئے تو ایک شیطان جن حضرت سلیمانؑ کی شکل میں آیا اور آپ کی بیوی سے انگوٹھی لے گیا، جب حضرت سلیمانؑ پاخانہ سے واپس آئے تو انگوٹھی طلب کی، مگر جواب میں انکار ہوا اور بیوی نے پورا واقعہ سنایا کہ آپ کے ہم شکل ایک شخص وہ انگوٹھی لیگیا ہے، آپؑ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میری آزمائش ہے،

اُدھر وہ جن تختِ شاہی پر بیٹھ گیا اور تمام جنات اسکی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ان سب نے جادو، ٹوٹکا، نجوم، اور غیب کی جھوٹی سچی باتیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دی، کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے پھر سے سلیمان علیہ السلام کو کرسی پر بیٹھا دیا، اور تاج و تخت کا مالک بنا دیا۔ سلیمانؑ کے انتقال کے بعد ان جنوں نے لوگوں میں چرچا کرنا شروع کر دیا کہ حضرت سلیمانؑ تم پر اور ہم پر جادو کے ذریعہ حکومت کرتے تھے، آؤ چلو ہم تمہیں دیکھائیں کہ جادو کی کتابیں اب بھی ان کی کرسی کے نیچے دفن ہیں اور انہیں نکالکر سب لوگوں کو دیکھا دیا،

اسکے بعد تو ہر شخص کی زبان پر بس یہی تھا کہ سلیمانؑ جادوگر تھے، بہت سے لوگوں نے تو آپؑ کی نبوت کا بھی انکار کر دیا، (۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ سلطنت میں جن انسانوں میں ہلچل کر رہتے تھے، اور جادو سے انہیں عجیب عجیب شعبدے دیکھاتے تھے، ان کے جادو میں کفر و شرک کی باتیں ملی ہوتی تھیں، حضرت سلیمانؑ نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو حکم دیا کہ تمام شیطان جنوں کو اکٹھا کریں، اور ان کے پاس جتنے بھی جادو اور ٹوٹکے ہیں ان کو جمع کر کے میری کرسی کے نیچے گاڑ دو، اور اعلان کر دو کہ جن آدمیوں سے اپنا اٹھنا بیٹھنا الگ کر لیں چنانچہ جب تک آپ اس دنیا میں رہے تو آپ کے اس حکم کو مانا گیا اور جب حضرت سلیمانؑ اور انکا وزیر انتقال کر چکے تو ان شیطان جنوں نے افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ سلیمانؑ کی حکومت کا راز وہ جادو تھا، جو اُن کی کرسی کے نیچے مدفون ہے، اگر تم اسے نکال کر اس پر عمل کرنا شروع کر دو تو تم بھی اسی طرح حکومت کرنے لگوگے چنانچہ آدمیوں نے کرسی کے نیچے دفن کی ہوئی جادو کی کتاب کو نکالا اور توریت کو چھوڑ کر جادو کو اپنا لیا۔ جس طرح اس دور میں دین نما جہلا، اور طمع کی کھوپڑی رکھنے والے نیم مُلّاؤں نے قرآن کی مقدس آیتوں اور صحیح احادیث سے دعاؤں کو چھوڑ کر طرح طرح کی شعبدے بازیں، تعویذ گنڈے، جنتر منتر، ٹونہ و ٹوٹکا اور جادو کے مکر فریب شروع کر دیئے ہیں،

بہر حال یہود و نصاریٰ نے شیطانوں کے چکر میں آکر حضرت سلیمانؑ کو جادوگر سمجھ لیا اور اس عقیدہ کو دل میں ایسی گہری جگہ دی کہ انہیں یہ عقیدہ نسل در نسل چلتا رہا، یہاں تک کہ ہمارے نبی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تشریف لائے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرما کر اس کی تردید کی کہ ہرگز سلیمان ؑ نے جادو نہیں کیا بلکہ یہ ملعون حرکت شیطان جنوں نے کی تھی،

جادو اور اسکا حکم

اس آیت میں چونکہ جادو کا ذکر آگیا ہے، اسلئے ضروری ہے کہ جادو کے متعلق مختصر سی بحث لکھدی جائے،

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو ایسے عجیب امر کو کہتے ہیں کہ جسمیں شیطانوں کو خوش کر کے ان کی مدد لی گئی ہو، پھر شیاطین کو خوش کرنے کے کئی طریقے ہیں ۱۔ کبھی ایسے منتر اختیار کیئے جاتے ہیں، جنمیں کفر و شرک کے کلمات ہوں ۲۔ کبھی کسی کو ناحق قتل کر کے اسکا خون جادو میں استعمال کرنا ہوتا ہے ۳۔ کبھی حالت جنابت میں ناپاک رہ کر جادو کا عمل کرنا اور شیطان کو خوش کرنا ہوتا ہے،

جادو میں اگر کفر و شرک کے کلمات ہیں یا اسکے ذریعہ کسی کی جان لی جارہی ہے یا کسی پر ظلم و ستم کیا جارہا ہے، تو ایسے جادو کا سیکھنا اور سکھانا، کرنا اور کرانا، کفر ہے، اور اگر جادو ایسا ہے جس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں اور اسکے ذریعہ کوئی نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے بیماری سے چھٹکارہ فقر و فاقہ اور بے روزگاری سے نجات، خیر و برکت وغیرہ تو اس کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ مباح اور جائز ہے، اسی طرح کے جادو کو عرف عام میں تعویذ کہتے ہیں۔

جادو کا علاج

حافظ ابن کثیر رحمۃ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جادو سے چھٹکارا پانے کے لئے قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق سب سے بہترین علاج ہے،

حدیث پاک میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں، حضرت وہبؓ نے فرمایا کہ اگر کسی پر جادو ہو جائے تو بیری کے سات پتے پیس کر پانی میں گھول لئے جائیں اور پھر آیت الکرسی پڑھ کر پانی پر دم کر کے اس شخص کو تین گھونٹ پلادیئے جائیں، اور باقی پانی سے غسل کرادیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ جادو کا سب اثر جاتا رہے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، بیان القرآن، خلاصۃ التفاسیر)

اقوال و تحقیق ا۔ سحر کی تعریف و حقیقت پر جو محققانہ و مدققانہ، جامع مانع کلام حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے اس کو یہاں بعینہٖ سپرد قرطاس کیا جاتا ہے،

سحر بالکسر لغت میں، ایسے اثر کو کہتے ہیں، جسکا سبب ظاہر نہ ہو خواہ وہ اثر سبب معنوی ہو، جیسے خاص خاص کلمات کا اثر، یا غیر محسوس چیزوں کا ہو جیسے جنات و شیاطین کا اثر، یا مسمریزم میں قوت خیالیہ کا اثر، یا محسوسات کا ہو مگر وہ محسوسات مخفی ہوں جیسے مقناطیس کی کشش لوہے کے لئے جبکہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو، یا دواؤں کا اثر جبکہ وہ دوائیں مخفی ہوں، یا نجوم و سیارات کا

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ

اور اس سحر کی بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں جن کا نام ہاروت و ماروت تھا، اور وہ دونوں کسی

اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

کو نہ بتلاتے جب تک یہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان ہے سو تو کہیں کافر مت بن جائیو۔

تفسیر! ایک زمانہ میں شہر بابل اور دیگر بہت سے شہروں میں جادو کا بہت چرچا تھا، اور اسکے عجیب و غریب اثرات دیکھکر عام لوگوں کو انبیاء علیہم السلام کے معجزے اور ساحروں کے جادو میں فرق کرنا مشکل ہوگیا تھا بلکہ بعض جاہل جادو کو اس قدر اہم سمجھنے لگے کہ جادوگر ان کے نزدیک مقدس اور پاکیزہ شخص ماننے جانے لگے کہ انہوں نے انبیاء ؑ کا اتباع چھوڑ کر ان جادوگروں کا اتباع کرنا شروع کر دیا اور جادو کو نیک کام سمجھکر سیکھنے میں مصروف و مشغول رہنے لگے اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا جیسا کہ موجودہ دور میں مسمریزم کے ساتھ لوگوں کا معاملہ ہو رہا ہے۔

ہاروت و ماروت کا نزول ان سب حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان خرافات کا خاتمہ کیا جائے اور ان گمراہیوں سے ان لوگوں کو نکالکر راہِ راست پر لگایا جائے، ان کی اصلاح و تربیت کیلئے اللہ رب العزت نے ۲ فرشتے ہاروت و ماروت

اقوال و تحقیق:۔ (بقیہ ص ۲۲) اثر: اسی لئے جادو کی اقسام بہت سی ہیں، مگر عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے، جن میں جنات و شیاطین کے عمل کا دخل ہو، یا قوت خیالیہ مسمریزم کا، یا کچھ الفاظ و کلمات کا کیونکہ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے، اور تجربہ و مشاہدہ سے بھی اور قدیم و جدید فلاسفہ بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں، کہ حروف و کلمات میں بھی بالخاصہ کچھ تاثیر ہوتی ہے کسی خاص حرف یا کلمہ کو کسی خاص تعداد میں پڑھنے یا لکھنے وغیرہ سے خاص خاص تاثیرات کا مشاہدہ ہوتا ہے، یا ایسی تاثیر جو کسی انسانی بالوں یا ناخنوں وغیرہ اعضاء یا اسکے استعمالی کپڑوں کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں شامل کرکے پیدا کی جاتی ہیں جنکو عرف عام میں ٹونہ، ٹوٹکا کہا جاتا ہے اور جادو میں شامل سمجھا جاتا ہے،

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ علامہ بغوی رح نے فرمایا کہ سحر کا وجود اہل سنت والجماعت کے نزدیک برحق ہے، ہاں اس پر عمل کرنا کفر ہے، چنانچہ ابن خزیج رح فرماتے ہیں کہ کافر کے علاوہ دوسرا کوئی سحر سیکھنے کی ہمت و جرأت نہیں کر سکتا۔ (بقیہ ص ۲۴ پر)

نامی شہر بابل میں بھیجے انہوں نے آکر لوگوں کے سامنے جادو کی اصلیت و حقیقت کو رکھا، اس کے اصول و قواعد سے ان کو واقف کرایا تاکہ معجزہ اور جادو کے درمیان فرق واضح ہو جائے، اور لوگ جادو کے گندے کام سے اپنے آپ کو بچالیں اور جادوگروں سے نفرت کرنے لگیں، جب فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، اور وہ درخواست کرنے لگے کہ ہم کو بھی جادو کے اصول و فروع سے باخبر کیجئے، تاکہ ہم ناواقفی کیوجہ سے کسی غلط کام میں مبتلا نہ ہو جائیں، ان فرشتوں نے اپنا یہ اصول بنا رکھا تھا کہ جو ان سے جادو سیکھنے آتا تھا یہ اس کو جادو سکھانے سے پہلے یہ بات ضرور بتلا دیتے تھے، کہ دیکھو ہمارے اس جادو سکھلا دینے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا امتحان و آزمائش کرنا بھی مقصود ہے کہ دیکھیں ان باتوں کو سیکھ کر یہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہیں کہ شرارت کے کاموں سے بچتے ہیں، یا اپنے دین و مذہب کو برباد کرتے ہیں، شرارت کی راہ پر چلکر، دیکھو ہم تمہیں نصیحت کئے دیتے ہیں کہ ٹھیک نیت کے ساتھ اسکو سیکھنا اور صحیح راستہ پر قائم رہنا ایسا نہ ہو کہ ہم سے تو یہ کہدو کہ ہم جادو کے غلط اثرات سے

اقوال و تحقیق: (بقیہ ۱۲) حضرت امام احمد رح اور سلف کی ایک جماعت نے سحر سیکھنے والے پر کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے،

شیخ ابو منصور رح نے فرمایا کہ مطلقاً سحر کو کفر کہنا صحیح نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے اگر اس میں کچھ غیر شرعی امور شامل ہیں یا کفر و شرک کا دخل ہے تو پھر یقیناً یہ سحر کفر ہے ورنہ نہیں،

امام شافعی رح نے فرمایا سحر کی تاثیر عجیب و غریب ہے، کہ خلاف واقع امر کو متخیل کر دیتا ہے، تندرست کو بیمار بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی سحر کی وجہ سے قتل تک کر دیا جاتا ہے،

صاحب مدارک رح نے لکھا ہے کہ جو سحر کفر ہے اسے اگر کوئی مرد سیکھے تو حنیفہ کے نزدیک اسکو قتل کر دیا جائے گا، البتہ اگر عورت سیکھے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ مرتد کے بارے میں یہی حکم ہے،

اور اگر سحر ایسا ہے جو کفر نہیں بلکہ اسکے ذریعہ سے کسی کو ہلاک کیا جاسکتا ہے تو اسکے سیکھنے والے کو رہزن کی سزا دیجائیگی، سحر کی اس نوع میں مرد و عورت برابر ہیں اور اگر جادوگر توبہ و استغفار کرلے تو اس کی توبہ کو حق تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں خواہ وہ سحر کفریہ ہو یا نہ ہو، اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جادوگر کی توبہ قبول نہیں ہوتی، وہ خطا و غلطی پر ہے، دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کی توبہ کو قبول فرما لیا تھا، جبکہ وہ ساحر ہونے کے ساتھ ساتھ کافر بھی تھے،

(بیان القرآن، مظہری، ابن کثیر)

بچنے کے لئے اس کو سیکھ رہے ہیں اور پھر خود ہی اس میں مبتلا ہو کر اپنے دین کو برباد کر لو۔

ایک شبہ کا حل اب یہاں پر کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب جادو کا سیکھنا غلط چیز ہے تو پھر یہ فرشتے لوگوں کو جادو کیوں سکھاتے تھے، اور کیوں اسکے ذریعہ غلط کام کرنے سے روکتے تھے،

جواب اسکا یہ ہے کہ کسی چیز کا سیکھنا کوئی غلط بات نہیں بلکہ غلطی اس کو صحیح استعمال نہ کرنا ہے، اسکی مثال یوں سمجھو کہ تلوار سیکھنا غلط کام نہیں البتہ اس کو غلط استعمال کرنا کسی مظلوم کی گردن مارنا — یہ غلط ہے، جیسے تلوار کا سکھانے والا پہلے یہ نصیحت کر دیتا ہے کہ دیکھو بیٹا اس تلوار سے کسی پر ظلم وستم مت کرنا بلکہ اس کے ذریعہ مظلوموں اور معصوموں کی جان بچانا، اسکے بعد اگر یہ تلوار کو غلط استعمال کرتا ہے تو اس میں تلوار سکھانے والے کی کوئی غلطی نہیں۔

بالکل اسی طرح فرشتوں کا بھی کوئی قصور نہیں، کیونکہ یہ اُس جادو کے ذریعہ ان کی اصلاح کرتے تھے، کہ جادو پہ عقیدہ چھوڑ کر خدا پر عقیدہ کریں، جادوگروں کی پیروی چھوڑ کر توریت وانبیاء علیہم السّلام کی پیروی کریں،

اب ان تمام تر نصیحتوں کے بعد بھی اگر کوئی اس جادو سے غلط کام کر بیٹھے تو وہ اپنا نقصان کرنے والا اور اپنے ہی دین کو برباد کرنے والا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد غالبًا وہ فرشتے آسمان پر بلا لئے گئے ہوں گے،

تنبیہ:۔ اس مقام پر جو زہرہ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، اور نہ ہی اس واقعہ پر اس آیت کی تفسیر ومطلب کا سمجھنا موقوف ہے، اسلئے ہم نے حضرت اقدس تھانویؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس واقعہ کو نہیں لکھا،

اقوال وتحقیق:۔ ملکین۔ اس میں دو قرأتیں ہیں ملَکین بفتح اللام، معنی فرشتے ۔ ۲ بکسر اللام بمعنی بادشاہ، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ دونوں بادشاہ کی اولاد میں سے ہوں گے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ دو جادوگر تھے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے،

بابل۔ (۱) عراق کے قریب میں ایک مشہور ومعروف شہر ہے، (۲) حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا کہ بابل کوفہ کی زمین کا نام ہے۔ (۳) ماہرین علم ہیئت کا کہنا ہے کہ بابل کی دوری بحر غربی اوقیانوس سے سترّ درجہ لمبی اور وسط زمین سے جنوب کیجانب بخط استوا تینتیس ۳۳ درجہ ہے،

بابل کے معنی تبدیل کے ہیں وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ یہاں باہمی لوگوں میں زبان کا تبدل واختلاف تھا، بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ فرشتے لوگوں کو جادو سکھانے سے پہلے سات مرتبہ نصیحت کرتے تھے

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ

سو لوگ ان دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے، جس کے ذریعہ سے کسی مرد اور اسکی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور یہ لوگ اسکے ذریعہ سے

أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ

کسی کو بھی ضرر نہیں پہونچا سکتے مگر خدا ہی کے حکم سے، اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو انکو ضرر رساں ہیں اور انکو نافع نہیں ہیں ؛

تفسیر! یعنی وہ یہود ان فرشتوں سے ایسا جادو سیکھتے تھے جس کے ذریعہ میاں بیوی میں جدائی ہو جائے، جس کی عام طور پر دو ہی صورتیں ہوتی ہیں ۱؎ یا تو جادو کے اثر سے آپس میں لڑائی ہو اور پھر طلاق کی نوبت پہونچ جائے ۲؎ یا یہ کہ جادو کے اثر سے دونوں میں سے کوئی ایک ایمان سے پھیر کر کافر بن جائے اور نکاح خود بخود ٹوٹ جائے،

ہو سکتا تھا لوگ جادو کے اتنے گہرے اور سخت اثر کو سنکر گھبرا جاتیں اور جادو گروں سے مرعوب ہو جائیں، اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا کہ یہ جادوگر اور ان کا جادو بغیر ہمارے حکم کے کچھ اثر نہیں کر سکتا چاہے جادوگر لاکھ کوشش کریں، بالکل یہی بات دوار کے سلسلہ میں ہے،

اقوال و تحقیق ! (بقیہ ص ۲۵) تھے، (جو اوپر گذری) حضرت عطاؒ اور سُدی رح فرماتے ہیں کہ جب کوئی سحر سیکھنے پر بضد رہتا تو وہ فرشتے اس سے کہتے جاؤ فلاں جگہ جو راکھ پڑی ہے اس پر جا کر پیشاب کرو، جب وہ پیشاب کرتے تو اس راکھ میں سے ایک چمکدار نور نکلتا اور آسمان کی طرف اڑ جاتا یہ ایمانی نور تھا، اور آسمان سے ایک کالے رنگ کی چیز دھوئیں جیسے آتی اور کانوں کے ذریعہ اس شخص کے اندر گھس جاتی یہ اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ اور کفر ہوتا تھا،

اس مقام پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے مستقلاً دو فرشتے نازل فرمائے آخر یہ کام انبیاء ؑ کی جماعت سے کیوں نہ لے لیا گیا۔

حضرت تھانوی رح نے اسکا جواب بہت ہی صحیح و پُر از حکمت اور تسلی بخش دیا ہے فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام سے یہ کام اسلئے نہیں لیا گیا کہ اول تو انبیاء اور جادوگروں میں امتیاز (فرق) کرنا مقصود تھا، ایک حیثیت سے گویا انبیاء کرام ایک فریق کا درجہ رکھتے تھے، اسلئے حکم فریقین کے علاوہ کوئی اور ثالث ہونا چاہیئے تھا، دوسرے اس کام کی تکمیل بغیر جادو کی نقل و حکایت کے عادۃً ہو نہ سکتی تھی اگرچہ نقل کفر کفر نباشد کے عقلی و نقلی مسلمہ قاعدہ کے مطابق ایسا ہو سکتا تھا، (بقیہ ص ۲۷ پر)

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ دواجب گلے کے بیچ میں ہوتی ہے، تو پیٹ میں پہونچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اجازت لیتی ہے کہ میں اپنا کام کروں یا نہ کروں، اگر اجازت ملجاتی ہے تو شفا ہوجاتی ہے ورنہ نہیں۔

دنیا دارالاسباب ہے مگر چوں کہ دنیا دارالاسباب ہے اس لئے ہمیں حکم ہے کہ سبب ضرور اختیار کریں جادو ہو جائے تو اس کے اثر کو۔ جادوگر سے ختم کرائیں۔ بیمار ہو جاؤ تو دوا استعمال کریں، لیکن عقیدہ پختہ یہی ہونا چاہیئے کہ ان سب اسباب وذرائع کے اختیار کرنے کے بعد بھی ہوگا وہی جو اللہ رب العزت چاہیں گے، یہی وجہ ہے کہ جو سچے مؤمن ہوتے ہیں وہ نہ کسی مصیبت وپریشانی سے گھبراتے ہیں نہ جادو سے ڈرتے ہیں نہ بیماری سے وحشت کھاتے ہیں اور نہ ہی موت جیسی چیز ان کے لئے حیرانی و پریشانی کا سبب بنتی ہے،

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جادوگر اس طرح کا جادو سیکھکر کسی دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتے بلکہ خود اپنے ہی آپ کو نقصان پہونچاتے ہیں، عظیم گناہ کرکے، خدا کا غضب وغصہ مول لیکر ایسا ہی جادوگر اہل دنیا کی نظر میں ذلیل سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ وہ خبیث طبیعت والا ہوتا ہے دوسروں کو ایذا، ونقصان پہونچانے والا ہوتا ہے، اسلئے دنیا والے عام طور پر ان سے پرہیز رکھتے ہیں

(بابیماء خلاصۃ التفاسیر)

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ

اور ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بیشک بری ہے۔

مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا

وہ چیز جسمیں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں۔ کاش ان کو عقل ہوتی۔ اور اگر وہ لوگ ایمان اور

وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

تقویٰ اختیار کرتے تو خدائے تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ بہتر تھا۔ کاش ان کو عقل ہوتی؛

تفسیر! ان آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ یہودیو! تم اس بات کو بخوبی جانتے تھے

اقوال وتحقیق! (بقیہ صلہ) مگر چونکہ حضرات انبیاء مظہر ہدایت ہوتے تھے، اسلئے ان سے یہ کام لینا مناسب نہ سمجھا گیا، لہذا فرشتوں کو اس کام کے لئے تجویز کیا گیا۔

(جلالین مع حاشیہ، ابن کثیر، مظہری، بیان القرآن)

کہ جو جنتر منتر کے چکر میں پڑتا ہے اسکا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں رہتا ہے وہ جنّت سے محروم رہتا ہے کاش کہ یہ یہودی اپنی اس غلطی سے باز آجاتے اور جادوگری اور یہودیت سے توبہ کرکے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گزاری میں لگ جائے تو اپنے عقبیٰ کو سنوار لیتے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط

اے ایمان والو تم راعنا مت کہا کرو اور انظرنا کہہ دیا کرو اور سن لیجیو،

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اور کافروں کو سزائے دردناک ہوگی۔

شانِ نزول! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے راعنا یعنی حضورؐ آپ ہماری رعایت کیجئے کہ جو کچھ وعظ ونصیحت آپ فرما رہے ہیں اس کو ٹھہر ٹھہر کر دو، دو، تین تین بار فرمائیے تاکہ ہم اسے اچھی طرح سن لیں اور سمجھ لیں، یہودیوں نے جب صحابہ کرام رضؓ کا یہ طریقہ حضور علیہ السلام کے ساتھ دیکھا تو وہ بھی حضورؐ کو راعنا کہہ کر مخاطب کرنے لگے، اور آپس میں خوب ہنسی اڑاتے کہ دیکھو ہم نے مسلمانوں کے نبی کی کیسے خوبصورت انداز میں توہین کی کہ وہ سمجھ بھی نہ پائے یہ اسلئے کہ راعنا یہود کی زبان میں سخت قسم کی گالی تھی، بعض مفسّرین نے فرمایا کہ ان کی زبان میں راعنا کے معنی تھے، تیرے کان پھوٹیں، بعض مفسّرین

اقوال وتحقیق!- یہاں پر ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے تو تاکید کیساتھ فرمادیا وَلَقَدْ عَلِمُوْا (کہ تحقیقی طور پر جانتے ہیں) تو پھر لوکانوا یعلمون (اگر جانتے) کا کیا مطلب ہوگا۔ اس اشکال کے علمائے مفسّرین سے کئی جواب منقول ہیں (۱) جب انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا تو گویا کہ جانا ہی نہیں گویا کہ عالِم کو جاہل کے درجہ میں اتار دیا گیا (۲) علم کی دو قسمیں ہیں ۱۔ علم لسانی جو صرف جاننے کا نام ہے ۲۔ علمِ قلبی جس کا جاننے کے ساتھ ماننا بھی ضروری ہے۔ جس علم کا اثبات آیت میں ہو رہا ہے اس سے مراد علم لسانی ہے، اور جس علم کی نفی ہو رہی ہے اس سے مراد علم قلبی ہے،

(دبامیار منظہری)

نے فرمایا اس کے معنی بے وقوف کے ہیں، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب ان کمبختوں کی اس شرارت کو جانا، کہ یہ حضورؐ کو ہمارے راعنا کہنے کی آڑ لیکر ہمارے آقا، کو بے وقوف کہتے اور گالیاں دیتے ہیں تو ان سے مارے غضب کے رہا نہ گیا اور یہودیوں کو ڈانٹنا شروع کیا کہ اگر آئندہ تم نے ہمارے رسول کو راعنا کہا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

مسلمانوں کو ہدایت اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جسمیں مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم راعنا کے بجائے انظرنا کہا کرو، یعنی حضورؐ ہم پر نظر شفقت فرمائیے، اور جو کچھ تمہارے نبی فرمائیں تم اس کو غور سے سُنا کرو تاکہ یہ کہنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے کہ دوبارہ ارشاد فرما دیجئے، اور یہ کافر یہودی جو ہمارے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر رہے ہیں ان سے تو ہم نمٹ لیں گے، سخت اور دردناک عذاب دے کر،

فائدہ! اس آیت شریفہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ واعظین، اساتذہ، شیخ، اپنے سامعین طالبین، اور مریدین سے جو کچھ فرمائیں وہ صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر فرمائیں تاکہ سُننے والے پورا پورا مفہوم سمجھ سکیں، اور اسی طرح سُننے والوں کو یہ نصیحت ملتی ہے کہ وہ ہر طرف سے توجہ ہٹا کر مکمل غور و خوض کے ساتھ ان کی تعلیمات وارشادات کو سُنیں، (خلاصۂ تفسیر مظہری)

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ

ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ ان اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو کسی طرح کی

مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

بہتری نصیب ہو تمہارے پروردگار کی طرف سے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

فرما لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں،

تفسیر! اس آیت پاک میں خداوند قدوس نے اس بات کو بے نقاب کیا ہے کہ اے محمدؐ یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے کہ تم پر اللہ کی کوئی رحمت جو ہم نے تم کو نبوت کی شکل میں دی ہے نازل ہو، مگر ان کے اس چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا، رحمت و نبوت دینے والے ہم ہیں جسکو اسکا مستحق پاتے ہیں دیدیتے ہیں اہل کتاب نے سرکشی کرکے اپنے ضمیروں کو پراگندہ کر لیا، اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ ان پر ہمارا کلام نازل ہو،

اس لئے اے محمدؐ اس عظیم المرتبت رتبہ کے لئے ہم نے تم کو چن لیا اور نبوت کی دولت سے سرفراز فرما دیا، اب حسد کرنے والے حسد کرتے رہیں، اور جلنے والے جلتے رہیں۔

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ

ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت کو فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی

أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾

کی مثل لے آتے ہیں کیا تجھکو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شئی پر قدرت رکھتے ہیں،

شانِ نزول مشرکین عرب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ اے محمدؐ آپ اپنے صحابہ رضؓ کو کبھی ایک کام کرنے کا حکم کرتے ہو اور پھر اسی کام کے کرنے سے منع کر دیتے ہو، ایسے ہی یہودیوں کو تحویل قبلہ پر اعتراض تھا کہ اے محمدؐ کبھی تم نماز میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم کرتے ہو اور کبھی کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنیکا، مذہب میں روزانہ اس طرح کی تبدیلیاں کرنا عقلمندوں کا کام نہیں اس پر طرہ یہ کہ تم اس مذہب کو آسمانی اور خدا کا دیا ہوا بتلاتے ہو بھلا کیا خدا کی شان کے یہ بات مناسب ہے کہ وہ اس طرح حکم نازل فرمائے،
اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے لوگو ہم جس آیت (حکم) کو منسوخ کرتے ہیں تو ویسی ہی یا اس سے بہتر ثواب اور سہولت کے لحاظ سے دوسری آیت نازل فرماتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لہذا وہ جس حکم کو جس وقت چاہے بدل دیتا ہے اور اللہ رب العزت حکیم و دانشور ہیں ان کا کوئی بھی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا،

خدائی احکام میں تبدیلی کی حقیقت حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ کراچی نے احکام الٰہیہ میں نسخ کی حقیقت کو اس انداز میں واضح فرمایا ہے جس سے یہ شبہ بھی جاتا رہتا ہے جو کہ مشرکین عرب اور یہودی کیا کرتے تھے فرماتے ہیں:۔
دنیا کی حکومتوں اور حاکموں میں یہ بات رائج اور مشہور و معروف ہے، کہ ایک حکم کو بدل کر اسکی جگہ دوسرا حکم نافذ کر دیتے ہیں، لیکن انسانوں کے حکموں میں تبدیلی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا تھا، بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو اسے بدل دیا۔ کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا تھا، اس وقت کے حالات کے مطابق تھا اور آگے آنے والے حالات و واقعات کا اندازہ نہ تھا، لہذا جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا۔
یہ دونوں صورتیں احکام خداوندی میں نہیں ہوسکتی البتہ ایک تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ حکم

دینے والے کو اول ہی سے یہ بھی معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہ رہیگا دوسرا حکم جاری کرنا ہوگا، لہٰذا آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرار داد سابق کے مطابق اپنا حکم بھی بدلدیا، اسکی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھکر حکیم، ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ دو روز اس دوار کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا، اس وقت مجھے دوسری دوار تجویز کرنی ہوگی، یہ سب کچھ جانتے ہوئے وہ پہلے دن وہی دوار تجویز کرتا ہے، ماہر حکیم ڈاکٹر یہ بھی کرسکتا ہے کہ پہلے ہی دن پورے علاج کا نظام (پروگرام) لکھکر دیدے کہ دو روز تک یہ دوا استعمال کرو پھر تین روز فلاں دوا، پھر ایک ہفتہ فلاں دوار۔ لیکن ایسا کرکے مریض کی طبیعت پر بلا وجہ کا بوجھ ڈالنا ہے، اسمیں غلط سمجھ جانے پر دوار کو آگے پیچھے استعمال کرلینے کا بھی خطرہ ہے، اسلئے حکیم پہلے ہی سے سب تفصیلات نہیں بتاتا،

اللہ جل شانہٗ کے حکموں میں اور اسکی نازل کی ہوئی کتابوں میں یہی آخری صورت نسخ وتبدیل کی ہوسکتی ہے، اور ہوتی رہی ہے، ہر آنے والی نبوت پر نازل ہونے والی کتاب نے پچھلی نبوت اور کتاب کے بہت سے احکام کو منسوخ (بدل) کرکے نئے احکام جاری کیئے، اور اسی طرح ایک ہی نبوت وشریعت میں ایسا بھی ہوتا رہا کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا پھر بتقاضائے حکمتِ خداوندی اسکو بدل کر دوسرا حکم نافذ کردیا گیا،

چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ کبھی کوئی شریعت ایسی نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور ردّ و بدل نہ کیا ہو نہ اسمیں اللہ تعٰ کے محیط علم میں کوئی اشکال ہے نہ ہی اس کی طاقت و قدرت پر اسلیئے دانشور اور عقلمندوں نے کبھی اس پر کوئی شبہ نہیں کیا، (از افاداتِ موصوف)

اقوال وتحقیق پر نسخ آیات کا موضوع نہایت معرکۃ الآرا ہے مشرکین ویہود کو چھوڑ کر خود مسلمانوں میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، چنانچہ معتزلہ میں سے ابو مسلم اصفہانی نسخ آیات کے منکر ہیں جمہور علماء اہل سنت والجماعت نے ہمیشہ اسکا رد کیا ہے، اور نسخ کے وقوع وجود پر صحابہ رضؓ وتابعین کے آثار ردِ اقوال کا ذخیرہ بطور دلیل پیش کیا ہے، ان حضرات نے نسخ کو بعض شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے ملاحظہ ہوں، جو حکم محل نسخ بنے وہ واجب لذاتہ نہیں ہونا چاہیئے، جیسے خدا پر ایمان لانا اور نہ ہی ممتنع بالذات ہونا چاہیے جیسے کفر وشرک بلکہ فی نفسہٖ محتمل الوجود والعدم ہو، اسی طرح وہ حکم موقت یا مؤبد نہ ہو، تابید خواہ نصّاً ہو جیسے خالدین فیہا ابداً کے ساتھ مقید ہونا یا دلالۃً ہو جیسے حضور ﷺ کی وفات کے بعد شریعت اسلام کا ناقابل ردو بدل ہوجانا البتہ زمان ومکان کے لحاظ سے جزوی طور پر جو فقہاء کے فتاوٰی میں جواز وعدمِ جواز، حلّت وحرمت کا اختلاف اور احکام میں (بقیہ ص۳۲ پر)

اقوال وتحقیق (بقیہ صفحہ ۳۱) تبدیلی سی معلوم ہوتی ہے اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں،
نسخ کی کل صورتیں تین نکلتی ہیں، نمبر ۱ جو حکم اور تلاوت دونوں کے اعتبار سے منسوخ ہو جیسے ابن حنیف صحابی رضؓ سے روایت ہے کہ ایک رات ہم چند صحابہ رضؓ نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور ایک سورت پڑھنا چاہی مگر وہ ہمیں قطعًا یاد نہ آئی فقط بسم اللّٰہ یاد رہی صبح کو ہم نے حضور علیہ السّلام کی خدمت میں رات کا واقعہ رکھا آپؐ نے فرمایا کہ اس سورت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیئے گئے، اسی طرح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہو کہ یہ آیت "عشر ضعات معلومات یحرمن" قرآن میں پڑھی جاتی تھی، مگر اسکا ماقبل و مابعد اور خود یہ آیت ہمارے قلوب سے بالکل مٹادی گئی۔
نمبر ۲:۔ جسکے الفاظ منسوخ اور حکم باقی ہو جیسے الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم اب بھی اگر بوڑھا اور بوڑھی زنا کرے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے۔
نمبر ۳:۔ جسکا حکم منسوخ اور الفاظ باقی ہوں جیسے والذین یطیقونہ فدیۃ کہ ابتدا اسلام میں روزہ اور فدیہ کے مابین اختیار تھا مگر اس حکم کو منسوخ کر کے روزہ لازمی کر دیا گیا اور والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا اس آیت سے وفات کی عدت سال بھر سے منسوخ کر کے چار مہینے دس دن کر دی گئی۔

نقشہ
(نسخ کی صورتیں مع امثلہ)

نمبر شمار	صورت	مثال
۱	منسوخ الحکم والتلاوت	عشر رضعات معلومات یحرمن
۲	منسوخ التلاوت فقط	الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فرجموھما نکالا من اللّٰہ الآیۃ
۳	منسوخ الحکم فقط	والذین یطیقونہ فدیۃ طعام

اوناتِ بخیر:۔ اس کی دو صورتیں ہیں ۱ باعتبار ثواب کے خیر یعنی بڑھی ہوئی ہو جیسے فدیہ کا حکم منسوخ ہو کر روزہ کو لازم قرار دینا ۲ سہولت کے اعتبار سے خیر ہونا جیسے جہاد میں ایک مسلمان کا دس کافروں کا مقابلہ کرنا منسوخ ہو کر ایک مسلمان کا دو کافروں کے مقابلہ میں رہنا باقی رہ گیا مثلہا۔ یعنی ناسخ آیت منسوخ آیت کے برابر ہو ثواب میں بھی اور سہولت و مشقت میں بھی جیسے بیت المقدس کا استقبال کعبۃ اللّٰہ سے منسوخ ہونا۔ (بقیہ صفحہ ۳۳ پر)

نقشہ
نسخ کی صورتیں باعتبار ثواب و سہولت کے

نمبر شمار	صورت	مثال
۱	خیر فی الثواب	فدیہ و صوم میں اختیار
۲	خیر فی السہولت	جہاد میں دس کافروں کے مقابلہ کے بجائے دو کا مقابلہ کرنا
۳	مثلہا	بیت المقدس کے بجائے رخ بیت اللّٰہ کی طرف کرنا

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا

کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالےٰ ایسے ہیں کہ خاص انہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی، اور

لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۰۷﴾

تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار نہیں،

تفسیر! پچھلی آیت میں بیان ہوا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس دعوی کی گویا اس آیت میں دلیل ہے کہ وہ خدا آخر کیوں قادر نہ ہو جبکہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک و بادشاہ ہے،

اے مشرکو اور یہودیو! تمہیں صرف اسی خدا کو معبود بنانا چاہیئے اور اس کے عذاب و سزا سے ڈرتے رہنا چاہیے،

یاد رکھو! اللہ کے عذاب سے بچانے والا تمہارا کوئی حامی و مددگار اور محافظ نہیں ہے، جنہیں آج دنیا میں تم اپنا رہائی کرانے والا سمجھ رہے ہو، کل آخرت میں یہ خود عذاب میں مبتلا ہوں گے (مظہری)

اقوال و تحقیق! (بقیہ ص ۳۳ کا) **نسخ کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ** نسخ کے لغوی چھ معنیٰ آتے ہیں ۱ بدلنا ۲ چھوڑ دینا ۳ مٹا دینا، ۴ بھلا دینا ۵ اٹھالینا ۶ نقل کر دینا ۷ زائل کر دینا ۸ لکھ دینا،

اصطلاح میں نسخ ایسے شرعی حکم کا قائم کرنا ہے جسکے بعد اس سے قبل کے حکم شرعی کا جو موقت تھا وہ ختم ہو جائے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے سہل تعریف یہ کی ہے کہ اصطلاح کتاب و سنت میں نسخ ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ دوسرا حکم یہی ہو کہ سابق کو بالکل ختم کر دیا جائے، یا یہ ہو کہ اس کی جگہ دوسرا عمل بتلا دیا جائے، یا کسی ترمیم کے ساتھ پہلے حکم کو باقی رکھا جائے، (مظہری، حقانی، کمالین، خلاصۃ التفاسیر، ابن کثیر، حاشیہ جلالین)

(اقوال و تحقیق صفحہ ہذا) ولی اور نصیر میں فرق یہ ہے کہ ولی کبھی نصیر سے ضعیف و کمزور ہوتا ہے اور نصیر کبھی ولی نہیں ہوتا، بلکہ کوئی اجنبی بھی نصیر ہو سکتا ہے، ان دونوں کے مابین عموم خصوص کی نسبت ہے،

(مظہری)

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ

ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل موسیٰ (علیہ السلام) سے بھی درخواستیں

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

کی جا چکی ہیں، اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر کرے بلاشبہ وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا۔

شانِ نزول!

حدیث پاک میں اس آیت کے کئی شان نزول بیان کئے گئے ہیں چونکہ ہر ایک شان نزول سے کوئی نہ کوئی نصیحت وسبق ملتا ہے، اسلئے ان سب ہی کو کیا لکھا جاتا ہے،

نمبر ایک! حضرت ابن عباس رضہ سے مروی ہے کہ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید یہودی نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو ہمارے لئے آسمان سے کوئی کتاب لے آؤ تاکہ ہم اسے پڑھیں اور ہمارے شہر میں پانی کے دریا جاری کردو تو ہم آپ کو نبی مان لیں،

نمبر دو! حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر آپ کوہِ صفاء کو سونے کا بنا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں، آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن اگر تم اسکے بعد بھی سیدھے راستہ پر نہ آئے تو تمہارا انجام وہی ہوگا، جو آسمان سے دستر خوان مانگنے والوں کا ہوا تھا کہ ان کو نافرمانی کرنے کی وجہ سے بندر اور سور بنا دیا گیا تھا۔

نمبر تین! حضرت سدی رح سے مروی ہے کہ بعض اہل عرب نے حضور رح سے یہ سوال کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں دیکھادیں،

نمبر چار! مشرکین نے آپ سے یہ کہا کہ ہم آپ پر جب تک ایمان نہیں لاویں گے، جب تک آپ آسمان پر نہ چڑھ جائیں اور چڑھنے کا اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک آسمان سے کتاب لیکر نہ آویں جسے ہم پڑھیں گے،

نمبر پانچ! یہودیوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ پورا قرآن کریم ایک ہی دفعہ لے آتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ لے کر آئے تھے،

نمبر چھ! حضرت ابو العالیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کاش ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہوتا جسطرح کہ یہودیوں کیلئے تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو طریقہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے یہی زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہودی جب کوئی گناہ کرتے تو وہ ان کے دروازے پر لکھدیا جاتا اور اس وقت تک لکھا رہتا جب تک وہ اسکا کفارہ نہ دے دیتا، بہرحال کفارہ ادا کرکے وہ آخرت کے عذاب سے بلاشبہ بچ جاتا مگر دروازہ پر لکھے جانیکی وجہ سے وہ لوگوں میں بدنام بہر صورت

ہوہی جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ (علیہ التحیۃ والتسلیم) پر اپنا خاص فضل فرمایا اور گناہ کی معافی کا آسان طریقہ تعلیم فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی گناہ کرے یا اپنے نفس پر ظلم و زیادتی کرے تو فوراً اپنے خدا سے توبہ و استغفار کرے وہ اللہ کو بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا پائے گا، اور پھر اس امت کیلئے تو پانچوں نمازیں بھی ایک وقت سے دوسرے وقت تک کے گناہوں کا کفارہ ہے، اسی طرح ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک کیلئے کفارہ ہے،

اللہ کیجانب سے جواب! اللہ رب العزت نے ان سب سوال کرنیوالوں کو ایک ہی جواب دیا ہے کہ کیا تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح بے ڈھنگے سوالات کرتے ہو، جس طرح لوگ حضرت موسیٰؑ سے کیا کرتے تھے، اور یاد رکھو جو شخص کھلم کھلا اور روشن دلائل و معجزات سامنے آجانے کے بعد بھی اپنی طرف سے خواہ مخواہ گھڑ گھڑ کے سوالات کرے گا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹککر جہالت و گمراہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے،

تنبیہ! اس آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے نبی اپنے مربی و شیخ، اپنے استاد اور واعظ و مقرر سے بیہودہ اور غیر ضروری سوال نہیں کرنے چاہئیں،

یہود کے سوال کا منشاء یہود و مشرکین دراصل حضور علیہ السلام سے طرح طرح کے سوالات کرکے مسلمانوں کو شک و شبہ میں الجھانا چاہتے تھے، تاکہ دینِ محمدیؐ کے متعلق مسلمانوں کے دل مشکوک ہوجائیں اور پھر یا تو انکا ایمان کمزور ہوجائے یا یہ دین ہی سے پھر جائیں،

فرمائشی اور غیر فرمائشی معجزات کا فرق کفارِ مکہ اور مشرکین میں کچھ ایسے منچلے جوان بھی تھے، جنکا کام طرح طرح کے فرمائشی معجزات طلب کرتے رہنا تھا، چونکہ ہر کام کی حکمت و مصلحت حق تعالیٰ جانتے ہیں دوسروں کو کسی فعل کی تعیین کا حق نہیں اسلئے اس طرح کی فرمائشیں اور درخواستیں ٹھکرا دی جاتی ہیں، اور چونکہ فرمائش کرنیوالے کا منشاء اکثر صحیح نہیں ہوتا ان کی رَوِش معاندانہ ہوا کرتی ہے، اسلئے عادۃ اللہ یہ رہی ہے کہ اس قسم کی فرمائشوں کو رد کردیا جاتا ہے اور اگر پورا کیا جاتا ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ پھر بھی اگر ایمان نہ لائے تو اتمام حجت کے بعد اللہ کا عذاب آنا یقینی ہوتا ہے، یہ چونکہ آخری اُمّت ہے اس کو ہلاک و تباہ کرنا منشاءِ الٰہی نہیں ہے ادھر معاندین کے حق میں ایمان مقدر نہیں ہے، اسلئے فرمائشی معجزات کا پورا کرنا قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا،

(تفسیر مظہری، ابن کثیر، کمالین)

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا

ان اہل کتاب میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں، محض حسد کی وجہ سے

مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا

جو کہ خود ان کے دلوں ہی سے ہے حق واضح ہوئے پیچھے خیر معاف کرو، اور درگزر کرو

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

جب تک حق تعالیٰ اپنا حکم بھیجیں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ

وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ

اور زکوٰۃ دیئے جاؤ، اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کیواسطے جمع کرتے رہو گے، حق تعالیٰ کے پاس اس کو پالو گے۔

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾

کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں،

شانِ نزول!

اس آیت پاک کے دو شانِ نزول مشہور ہیں ۱؎ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ حیّی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی مسلمانوں سے بہت زیادہ حسد و بغض رکھتے تھے، اور عرب سے اسلئے جلتے تھے کہ نبی ان میں کیوں مبعوث ہو گیا ہے، اور ہر وقت لوگوں کو ایمان سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہتے تھے، ان کے لئے اللہ تعؓ نے یہ آیت نازل فرمائی ۲؎ علامہ بغوی رحؒ نے لکھا ہے کہ جب مسلمان جنگ احد سے لوٹے تو کچھ یہودیوں نے مسلمانوں کو طعنے دینے شروع کئے کہ تمہارا دین اگر حق ہوتا، اور محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہوتے تو تم دشمنوں سے شکست فاش نہ کھاتے، لہذا مناسب یہ ہے کہ تم ہمارا دین اختیار کر لو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ اہل کتاب یہودی تو بس یہی چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے دین اسلام سے ہٹا کر اپنے دین میں شریک کر لیں، اور یہ ایسا صرف حسد اور کینہ کیوجہ سے کرتے ہیں، کہ نبی ہمارے خاندان میں کیوں نہ ہوا، نہیں تو یہ لوگ حضور علیہ السلام کی صفات کو اچھی طرح جانتے تھے، اور یہ بھی دیکھ چکے کہ قرآن ان کی کتاب توریت کی تصدیق کر رہا ہے،

یہود کی ان حرکتوں پر مسلمانوں کا خون جوش مارتا مگر اللہ تعالیٰ فرما دیتے کہ ابھی صبر کرو اور چشم پوشی و درگذر کرتے رہو یہانتک کہ ہم کوئی حکم نازل فرمائیں،

بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کا حکم آہی گیا کہ اب ان سے دب کر مت رہو چنانچہ پہلی لڑائی

میں جو جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے، مسلمانوں نے مشرکین کو زبردست شکست دی! وران کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان جنگ میں بچھادیں،

اگلی آیت میں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ تم ان کمبختوں کے بہکائے میں نہ آؤ بلکہ مذہب اسلام پر ثابت قدم رہو اور نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی پابندی سے کرتے رہو یہی وہ اعمال ہیں جو عالم آخرت میں کام دینے والے ہیں، آگے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام ظاہر و باطن چھوٹے بڑے اچھے بُرے کاموں کو دیکھتا رہتا ہے جو جیسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ویسا ہی بدل مرحمت فرمائینگے

مظہری وابن کثیر

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ

اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاوے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں یہ دل بہلانے

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ

کی باتیں ہیں، آپ کہیئے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو، ضرور جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ

لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اسکا اجر ملتا ہے اسکے پروردگار کے پاس پہنچ کر، اور نہ ایسے لوگوں پر کوئی

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ مغموم ہونے والے ہیں،

تفسیر! ان آیتوں میں اللہ ربّ العزت نے یہودیوں اور نصرانیوں کے متعلق بیان فرمایا کہ ان میں اس قدر غرور و تکبر اور بڑائی و گھمنڈ ہے کہ اپنے سوا کسی کو حق پر نہیں سمجھتے صرف اپنے ہی کو جنتی سمجھتے ہیں، ان کے ان خیالات کا انکشاف اس وقت ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے نصرانی مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ جمع ہوئے اور انہوں نے زبان درازی کی نیز ہر ایک قوم نے دوسری قوم کے مذہب کو جھٹلایا اور اپنے آپکو ہدایت والا اور جنت والا بتلایا،

اقوال و تحقیق ! یاتی اللہ بامرہٖ سے مراد (۱) بعض مفسرین کے نزدیک جزیہ مقرر کرنا اور جنگ کا حکم دینا ہے (۲) اور بعض کے نزدیک قریظہ کو قتل کرنا اور بنونظیر کو جلاوطن کرنا ہے (۳) اور بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ صبر کرو یہاں تک کہ خدا کیطرف سے دنیا و آخرت میں جو عذاب انکیلئے مقرر ہے وہ نازل ہو جائے، (مظہری، حقانی)

ع ۱۳ ۹ ۱۴

جنتی کون ہے! اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قوموں کی بکواس کو اسطور پر رد فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس پر کوئی دلیل لے آؤ، ارے دلیل تو تم کیا لاؤ گے ہمارے سے جنتی ہونے کا اصول سن لو، جنتی وہی ہے جو اپنے رب کے سامنے سر جھکا دے، مطیع و فرمانبردار بنجائے اور پھر اسکے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے نیک اور صالح عمل کرے، ہم اس کو ضرور بدلہ عطاء فرمائیں گے، اور جنت میں داخل کر دیں گے، اس پر وہاں نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوگا

مسلمانوں کو تنبیہ اس آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کو بھی متنبہ اور ہوشیار کر دیا ہے کہ دیکھو جیسے یہودی و نصرانی آپس میں جھگڑتے ہیں اور اپنے آپ کو حق پر بتلاتے ہیں، کہیں تم بھی اس مرض میں مبتلا، نہ ہو جانا یہ تصور کرکے کہ ہم تو مسلمانوں کے خاندان میں پیدا ہوئے ہیں مسلمانی اپنے بزرگوں سے چلی آرہی ہے، بس ہم بھی مسلمان ہیں نہیں نہیں مسلمانی مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے سے نہیں بلکہ اسی اصول کو اپنا کر ملتی ہے، کہ صرف اللہ کو اپنا معبود سمجھے اور نیک کام کرتا رہے، آجکل کے دور میں بہت سے علاقوں میں اسی طرح کی رسمی مسلمانی چل رہی ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحیح اور حقیقی مسلمان ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (خلاصہ تفسیر مظہری، معارف)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ

اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں، اور نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں،

عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ

حالانکہ یہ سب کتابیں پڑھتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ جو کہ بے علم ہیں ان کا سا قول کہنے لگے، سو اللہ تعالیٰ

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾

ان سب کے درمیان فیصلہ کرینگے قیامت کے روز ان تمام میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے،

اقوال و تحقیق! اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے جھوٹے دعوی کو رد فرما کر ان سے دلیل طلب کی، اور پھر یہ نہیں فرمایا مذہب اسلام کو ماننے والے محمدی حق پر ہیں کیونکہ اسمیں پھر ان کی طرف سے دلیل کا مطالبہ ہو سکتا تھا، جو بلا وجہ اور بے سود طوالت کا سبب بنتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا طریقہ بیان فرمایا، جس کو ہر ملک و ملت کے لوگ باتفاق مانتے ہیں، وہ یہ کہ نجات خدا کو ماننے اور اس کے بتائے ہوئے رستہ پر چلنے میں ہے،

(تفسیر حقانی)

تفسیر! اس آیت شریفہ کے شانِ نزول کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ یہودی اور نصرانی حضور علیہ السلام کی مجلس میں حاضر ہوئے اور مذہبی مباحثہ و مناظرہ کرنے لگے رافع بن خزیمہ نے یہودیوں کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے نصرانیوں کے مذہب کو ان کے نبی عیسیٰؑ کو ان کی آسمانی کتاب انجیل کو جھٹلایا، اور اسی طرح نصرانیوں نے یہودیوں کے مذہب کو ان کے نبی موسیٰؑ کو ان کی آسمانی کتاب تورات کو جھٹلایا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قوموں کے خیالات کی تردید فرمائی، اور فرمایا کہ اسی طرح کی وہ جاہل لوگ بھی باتیں بناتے ہیں جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے جیسے مشرکین عرب، اور مجوسی و بُت پرست وغیرہ،

اللہ کا فیصلہ! ان کو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نت نئی دلیلیں دیکر سمجھایا، مگر ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی، بس یہی کہتے رہے کہ ہم حق پر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بس اب ان کا فیصلہ ہم قیامت کے دن کریں گے، کہ جو حق پر ہوگا، اُسے جنت میں داخل کر دیں گے اور جو گمراہی پر ہوگا اُسے جہنم میں پھینک دیں گے، (بابیار، کمالین، بتغیر یسیر)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِى خَرَابِهَآ

اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے، اور ان کے ویران ہونے

أُو۟لَٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا

میں کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا، ان لوگوں کو دنیا میں بھی

خِزْىٌ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

رسوائی ہوگی، اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی،

تفسیر اس آیت پاک میں بھی مشرکین عرب اور نصرانیوں وغیرہ کی گندی خصلت کا بیان ہے فرماتے ہیں! بھلا اس سے بڑھکر اور کون ظلم و ستم ڈھانے والا ہوگا، جو لوگوں کو مسجد میں جانے سے اور اسمیں ذکر و تسبیح اور نماز و تلاوت وغیرہ سے روکتے ہیں، یہ تو وہ لوگ ہیں جو بیت المقدس کو ویران کرنے اور اجاڑنے میں پوری کوشش کرتے ہیں، ان ظالموں کو یہ حق بالکل نہیں کہ وہ اس میں داخل ہوں، مگر خوف و ڈر کرتے ہوئے، یعنی جہاد سے ان کو خوف دلاؤ کہ امن و سلامتی کے ساتھ اب تم میں سے کوئی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کو دُنیا میں ذلت و رسوائی اٹھانا پڑے گی، کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا، قید خانوں میں بند کر دیا جائے گا

نیز ان پر جزیہ و ٹیکس لاگو کردیا جائے گا، اور آخرت میں سخت قسم کا عذاب جہنم میں دھکیل کردیا جائیگا،

شانِ نزول!

زمانۂ جاہلیت میں جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السّلام کو قتل کر ڈالا تو روم کے نصرانیوں نے ان سے بدلہ و انتقام لینے کیلئے عراق کے ایک مجوسی بادشاہ کے ساتھ ملکر اپنے بادشاہ طیطوس کی سرکردگی میں شام کے یہودیوں پر حملہ کرکے ان کو قتل کیا اور توراۃ کی جلدوں کو جلادیا، بیت المقدس میں نجاست و پلیدی اور خنزیر ڈالدیئے، اسکی عمارت کو خراب و ویران کردیا، غرضیکہ یہودیوں کی شان و شوکت، طاقت و قدرت کو بالکل پامال اور ختم کر ڈالا،

بیت المقدس کی تعمیر جدید!

حضورِ انور کے دورِ مبارک تک بیت المقدس اسی طرح ویران و اجاڑ پڑا رہا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ سلطنت میں جب ملک شام و عراق فتح ہوئے تو آپ کے حکم سے بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کرائی گئی، ایک زمانۂ دراز تک پورا ملک شام اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، پھر ایک عرصہ کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور تقریباً سو سال یورپ کے عیسائیوں کا اس پر قبضہ رہا، یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں شاہِ سلطان صلاح الدین ایوبی رح نے پھر سے اس کو فتح کرکے مسلمانوں کے قبضہ میں دیا،

ملک روم کے نصرانیوں کی اس گستاخانہ حرکت پر کہ انہوں نے توراۃ مقدس کو جلایا اور بیت المقدس کو اجاڑا اور اس کی بے حرمتی کی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یہ قول حضرت ابن عباس رض کا ہے،

دوسرا شانِ نزول!

حضرت زید وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان کیا کہ جب مشرکین عرب نے حضور علیہ السلام کو ---- جنگ حدیبیہ کے موقع پر مسجدِ حرام میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے روکدیا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

مشرکین کے ستم!

مشرکین عرب نے اس قسم کے اور سیکڑوں ظلم و ستم حضور ؐ و صحابہ رض پر کیئے ان میں سے چند یہاں لکھے جاتے ہیں ۱، ایک مرتبہ بعض کفار نے حضور علیہ السلام پر نماز کی حالت میں اونٹ کی ناپاک انتڑیاں اور اوجھڑی ڈالدی تھی، ۲، ایکدفعہ حضور ؐ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل نے گلے میں پٹکا ڈال کے اتنا کھینچا کہ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں، ۳، حضرت ابوبکر رض کے چبوترے کو جس پر وہ عبادت کرتے تھے ان ظالموں نے توڑ ڈالا، اس طرح کے ظلم و ستم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں رسوا و ذلیل کرتا ہے اور سزا دیتا ہے۔

بہر حال اس آیت کا شانِ نزول تو مفسرین صحابہ رض کے بیان کردہ ان دو واقعوں میں سے کوئی ایک ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسکو عام لفظوں سے تعبیر فرمایا کہ ایک مستقل ضابطہ اور قانون بیان کردیا تاکہ یہ حکم صرف انہیں مشرکوں اور نصرانیوں کیساتھ مخصوص نہ سمجھا جائے بلکہ تمام اقوامِ عالم کیلئے عام رہے، یہی وجہ ہے کہ

اس آیت میں خاص بیت المقدس کا نام لینے کے بجائے "مساجد اللہ" یہ فرما کر سب مسجدوں کیلئے اس حکم کو عام کر دیا۔ جسکا خلاصہ و مفہوم یہ ہو جاتا ہے کہ جو شخص بھی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد ویران و خراب ہو جائے تو وہ سب سے بڑا ظالم ہے،

مساجد کی عظمت

اس آیت پاک سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ مسجدوں کی عظمت واحترام ہم پر واجب و ضروری ہے۔ مسجد کے عظمت و احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں ہیبت و عظمت اور خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہو جیسے شاہی دربار میں داخل ہوتے ہیں۔

مسجد سے متعلق مسائل و احکام

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل و احکام نکلتے ہیں۔ ان کو یہاں لکھا جاتا ہے،

(۱) یہ کہ دنیا کی تمام مسجدیں ادب کے لحاظ سے برابر ہیں، جیسے بیت المقدس، مسجد حرام، مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے، اسی طرح دوسری تمام مسجدوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اگرچہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی و عظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی اور بیت المقدس میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ثواب ملتا ہے، ان تینوں مسجدوں میں دور دراز ملکوں سے سفر کر کے نماز پڑھنے کی خاطر جانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، اس کے برخلاف ان تینوں مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل جان کر اس کیلئے دور سے سفر کر کے آنے کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے،

(۲) یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں، وہ سب ناجائز و حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا اس میں نماز و تلاوت سے صراحتہً روکا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کرے یا اسکے آس پاس بلجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز و عبادت میں خلل ڈالے یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے، اسی طرح نماز کے وقت جبکہ نمازی نوافل یا تسبیح و تلاوت قرآن وغیرہ میں مشغول ہوں اور کوئی مسجد میں بلند آواز سے قرآن شریف یا تسبیح پڑھنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے اللہ کے ذکر سے روکنے کی صورت ہے، اسی لئے علماء فقہاء اور مفتیان حضرات نے اس کو ناجائز فرمایا ہے۔

(۳) یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویران کی جتنی بھی صورتیں ہیں۔ وہ سب حرام ہیں اسمیں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو ویران کرنا اور اجاڑنا داخل ہے، اسی طرح ایسے اسباب و طریقے پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہیں، جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز پڑھنے کے لئے

لوگ نہ آویں یا کم آنے لگیں۔ کیونکہ مسجد کا تعمیر و آبادی در و دیوار اور نقش و نگار سے نہیں، بلکہ اس میں نمازیوں کے جمع ہونے اور ان کے ذکر و تسبیح کرنے سے مسجدیں آباد ہوتی ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے قریب مسلمانوں کی مسجدیں بظاہر آباد اور مزین و خوبصورت ہوں گی مگر حقیقت میں وہ ویران ہوں گی، کہ ان میں آنے والے نمازی کم ہوں گے۔

اور اگر آیت کا شانِ نزول واقعۂ جنگ حدیبیہ اور مشرکین کا مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا ہے، تو اسی آیت سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مساجد کی ویرانی صرف یہی نہیں کہ انہیں منہدم کر دیا جائے بلکہ مسجدیں جس مقصد کیلئے بنائی گئی ہیں، یعنی نماز و ذکر وغیرہ، جب وہ نہ رہے یا کم ہو جائے تو مساجد ویران کہلائیں گی،

(تفسیر حقانی، مظہری، معارف)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ ہی کی ملوک ہیں، مشرق بھی اور مغرب بھی پس تم لوگ جس طرف منہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا رُخ ہے،

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

کیونکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں، کامل العلم ہیں۔

حضورؐ اور صحابہؓ کو تسلی اس آیت پاک میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کو اگرچہ مکہ معظمہ اور بیت اللہ شریف سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، اور مدینہ منورہ

اقوال و تحقیق! ومن اظلم۔ اس پر ایک مشہور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اظلمیت کا اطلاق بصیغۂ تفضیل قرآن میں کئی جگہ کیا گیا ہے مثلاً (۱) ومن اظلم ممن افترى على الله الكذب (۲) ومن اظلم ممن ذكر بآيت ربه (۳) فمن اظلم ممن كذب على الله وغیرہ، ہر ایک پر اظلمیت کا اطلاق اجتماع ضدین ہے، جواب اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں ۱، ہر ایک موقع کی اظلمیت اس مخصوص مقام اور صلہ کے لحاظ سے کی جائے گویا اظلمیت حقیقی نہیں ہوگی بلکہ اضافی ہوگی، مثلاً آیت مذکورہ کے یہ معنی ہوں گے، لا احد من المانعين اظلم ممن منع مساجد الله۔ ۲، توجیہ یہ ہے کہ ان آیات میں مساوات فی الاظلمیت کی نفی مقصود نہیں ہے کیونکہ انہیں دوسری چیزوں سے اظلمیت کی تو نفی کی گئی ہے، لیکن اظلمیت کی نفی سے ظالمیت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ مقید کی نفی سے مطلق کی نفی نہیں ہوتی، تو حاصل یہی کہ دوسری چیزوں کے لحاظ سے تو اظلمیت کی نفی ہوئی لیکن خود ان میں وصف اظلمیت کا اشتراک رہا، یعنی اظلمیت میں سب شریک و مساوی رہے، فلا اشکال الآن۔

(کمالین)

پہونچکر ابتدائی زمانہ میں سولہ، سترہ مہینے تک آپ کو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں، نہ آپ کے لئے غمگین ہونیکی کوئی وجہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کسی خاص سمت میں نہیں وہ ہر جگہ ہے اس کے لئے مشرق و مغرب یکساں ہیں، کعبہ کو قبلۂ نماز بنائیں یا بیت المقدس کو دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کا حکم ماننا ہی دونوں جگہ اجر و ثواب اور فضیلت کا سبب ہے، اس لئے جب کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنیکا حکم تھا، اس میں فضیلت تھی اور جب بیت المقدس کی طرف رُخ کرنیکا حکم ہوگیا تو اس میں فضیلت ہے، آپؐ دلگیر و غم خوار نہ ہوں، اللہ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے جبکہ بندہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔

چند مہینوں کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بناکر اس بات کو واضح کر دیا کہ کسی جگہ یا سمت کو قبلہ قرار دنیا اس وجہ سے نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ اسجگہ یا اس سمت میں ہیں، دوسری جگہ میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر سمت میں یکساں توجہ کے ساتھ موجود ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ!

اس مقام پر ایک شبہ یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ ہر سمت میں متوجہ ہیں، تو پھر کسی خاص سمت کو قبلہ بنانے کی کیا ضرورت؟

اس کا دفعیہ و ازالہ یہ ہے کہ قبلہ کی تعین بعض مصلحتوں اور حکمتوں کی وجہ سے کی گئی ہے، کیونکہ اس عمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ جسطرف چاہے رُخ کر کے نماز پڑھے دوسرے یہ کہ کوئی خاص سمت و جہت مقرر کر دی جائے،

ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں جُدا جُدا ہونے کا منظر سامنے آئے گا، اور دوسری صورت میں تنظیم و اتحاد کا عملی سبق ملتا ہے، ان حکمتوں کی بنا پر پوری دُنیا کا قبلہ ایک ہی سمت کو بنانا زیادہ مناسب ہے، اب خواہ وہ بیت المقدس ہو یا کعبۃ اللہ شریف دونوں مقدس و متبرک مقامات ہیں۔

ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آتے ہیں، لہٰذا ایک زمانہ تک بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی دلی خواہش کے مطابق کعبہ کو پورے عالم کا قبلہ بنا دیا گیا۔

استقبالِ قبلہ پرستش نہیں،

اس آیت پاک نے استقبال قبلہ کی پوری حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس کا منشار (معاذ اللہ) بیت المقدس یا بیت اللہ شریف کی پوجا و پرستش نہیں، بلکہ خداوند قدوس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہے، کہ اس نے ہمیں اس سمت رُخ کرنیکا حکم دیا اور ہم نے اُسے مان لیا،

مسئلہ:۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اس میں سواری پر سفر کرتے وقت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، کہ نفل نماز میں قبلہ کیطرف رُخ ہونا ضروری نہیں، سواری پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز

پڑھتا رہے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ آپ کی سواری کا جدھر منہ ہوتا تھا، اسی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے رہتے تھے، یہی طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بیان کیا گیا ہے،

یہ اجازت اور چھوٹ صرف ان سواریوں میں ہے، جنپر سوار ہو کر چلتے ہوئے قبلہ کی طرف رُخ کرنا مشکل ہو جیسے گھوڑا، اونٹ وغیرہ، اور جن سواریوں میں یہ دشواری نہیں، جیسے ریل اور جہاز انمیں یہ چھوٹ اور اجازت بھی نہیں بلکہ ان میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، البتہ اگر نماز پڑھتے ہوئے ریل یا جہاز کا رُخ قبلہ سے مڑ جائے اور نمازی کیلئے گنجائش نہ ہو کہ وہ اپنا رُخ قبلہ کیطرف کرسکے تو پھر اسی حال میں نماز کو پوری کر لینا چاہیئے،

مسئلہ:۔ اسی طرح اس آیت سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو اجنبی جگہ یا جنگل وغیرہ میں قبلہ کا رُخ متعین کرنا مشکل ہو اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ اپنے انداز سے ایک سمت کو متعین کرلے اور اسے قبلہ تصور کرکے نماز ادا کرے، اگر نماز سے فارغ ہونیکے بعد پتہ چلتا ہے کہ جس طرف رُخ کرکے نماز پڑھی گئی ہے، قبلہ ادھر نہیں تھا، تو بھی اس کی نماز ادا ہو جائیگی لوٹانے کی ضرورت نہیں، (حاصل معارف القرآن)

اقوال وتحقیق!

اس آیت پاک کے چار شانِ نزول منقول ہیں، جن کو ہم نے تفسیر کے ضمن میں مسئلہ کی صورت میں سپردِ قرطاس کیا، یہاں ان کو الفاظ مرویہ کے ساتھ قلم بند کیا جا رہا ہے،

(۱) حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے پھر مدینہ طیبہ میں سولہ سترہ مہینے بحکم الٰہی یہود کی تالیف قلب کی خاطر بیت المقدس کا استقبال کیا، تو کفار نے طعن کیا اور یہود کی سوزش سے یہ مسئلہ نہایت ہنگامہ خیز بن گیا تھا، اور یہ لوگ کہنے لگے تھے کہ محمد عربی کا کوئی دین وشریعت مستقل نہیں وہ کبھی کسی کا قبلہ اختیار کر لیتے ہیں، اور کبھی کسی کا اس غلطی کے ازالہ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا،

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سواری پر سفر کرتے وقت نفلی نمازیں اپنا رُخ قبلہ کی جانب نہ رکھا بلکہ جدھر سواری کا رُخ ہوتا تھا آپ اسی طرف نماز پڑھتے رہتے تھے، اس پر یہود نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(۳) بعض صحابہ کرامؓ پر رات کی اندھیری میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا، انہوں نے تحری اور تخمینہ سے نماز ادا کی اور صبح کو حضور اقدس کے دربار میں حاضر ہو کر رات کا پورا واقعہ سنایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) حضرت مجاہد رح فرماتے ہیں کہ جب "ادعونی استجب لکم،" آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے معلوم کیا

(بقیہ ...)

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ! بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب

قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

ان کے محکوم ہیں، موجد ہیں آسمانوں اور زمین کے، اور جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کام کی نسبت فرما

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ اولاد سے پاک ہے

یہودی کہتے تھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کی اولاد ہیں اور نصرانی کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی اولاد ہیں، اور مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، ان سب کے اس باطل عقیدہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے رد کر دیا۔

اللہ اولاد سے پاک و بے نیاز ہے نہ یہ کسی سے پیدا ہوئے اور نہ کوئی ان سے پیدا ہوا، بلکہ جو کچھ بھی آسمان و زمین میں ہے، وہ سب اللہ ہی کے تابع دار ہیں، اور اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو بلا کسی نمونہ کے بنایا ہے، اور جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتے ہیں تو اسکے لئے کُن فرما دیتے ہیں بس وہ ہو جاتا ہے،

خلاصہ:- اللہ تعالیٰ نے اوپر کی ان چیزوں کی پیدائش اور انپر قدرت کو ظاہر فرما کر یہ بیان کیا ہے کہ یہ سب چیزیں تو ہماری غلام اور ماتحت ہیں، یہ اولاد ہرگز نہیں ہو سکتی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابن آدم (لوگ) مجھے گالی دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میرے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں حالانکہ میں اولاد سے بالکل بے نیاز اور پاک ہوں۔ (حاصل تفسیر مظہری)

اقوال و تحقیق:

(بقیہ صفحہ ۴۴) کہ ہم کسطرف رخ کر کے دعا مانگیں، جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ ابن جریرؒ نے بیان فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم دعا مانگتے وقت اپنا منہ جدھر چاہے کر دو مجھے تم اسی طرف متوجہ پاؤ گے، اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول کرونگا۔

(خلاصہ حاشیہ جلالین، کمالین، ابن کثیر)

(صـ بذا) اللہ کی اولاد ہونا عقلاً بھی ممکن نہیں کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد غیر جنس ہوگی یا ہم جنس اگر غیر جنس ہو تب تو اولاد ہونا عیب ہے، اور اللہ عیب سے پاک ہے، اگر ہم جنس ہو تو اسلئے باطل ہے کہ اللہ کا کوئی ہم جنس نہیں، کیونکہ ہم جنس کیلئے ضروری ہے کہ جو صفات کمالیہ (جیسے آسمان و زمین اور مخلوقات کا پیدا کرنا وغیرہ) اللہ تعالیٰ میں ہیں، وہ اس میں بھی ہوں اور یہ قطعاً محال ہے، (بقیہ صفحہ ۴۶ پر)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

اور بعضے جاہل یوں کہتے ہیں کہ ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ، یا ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آ جاوے،

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ

اسی طرح وہ لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان ہی کا سا قول۔ ان سب کے قلوب باہم ایک

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

دوسرے کے مشابہ ہیں ہم نے تو بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین چاہتے ہیں۔

بعض جاہلوں کے مطالبے

بعضے جاہل یہودی و نصرانی اور مشرکین عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے چاہے براہ راست بغیر فرشتوں کے واسطے کے جیسے خود فرشتوں سے فرماتے ہیں یا جیسے موسیٰ ؑ سے کوہِ طور پہ کلام کیا یا فرشتوں کے واسطے سے جیسے انبیاء علیہم السلام سے فرماتے ہیں یا خود ہم ہی کو اپنے احکامات بتا دیں تاکہ ہم کو رسول کی ضرورت ہی باقی نہ رہے یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں، تاکہ ہم ان کی اطاعت کرنے لگیں۔ اور اگر اللہ ہم سے کلام نہیں فرماتے تو پھر کوئی ایسی دلیل آجائے، جس سے محمد عربی کا رسول ہونا واضح ہو جائے،

اللہ تعالیٰ ان جاہلوں کے مطالبوں کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تو بالکل ایسی ہی باتیں ہیں

اقوال وتحقیق

(بقیہ گزشتہ صفحہ) لہٰذا اسکے اولاد ہونا بھی محال ہے، دوسری دلیل اولاد نہ ہونیکی یہ ہے کہ اللہ نے سب مخلوقات کو اپنی ملکیت فرمایا ہے، اور یہ مسئلہ مسلّمات میں سے ہے، کہ اولاد اور ملکیت میں منافات ہے، یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، چنانچہ اگر باپ بیٹے کو یا بیٹا باپ کو اپنا غلام بنالے تو وہ منافات کی وجہ سے بغیر آزاد کئے آزاد ہو جائیں گے،

کُن فیکون :- اللہ کسی چیز کو وجود میں لانے کیلئے کسی سبب کے محتاج نہیں بلکہ کُن فرما کر پیدا کر دیتے ہیں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھر خاص خاص کاموں پہ ملائکہ کو مقرر کرنا مثلاً بارش، رزق وغیرہ اور اسی طرح اسباب، و مواد اور قویٰ سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے، جواب یہ سب خدا کی مصلحت پہ مبنی ہوتا ہے، لفظ کُن پر ایک مشہور اعتراض یہ واقع ہوتا ہے کہ اللہ نے اس سے ایسی اشیاء کو مخاطب فرمایا ہے جو معدوم ہیں اور معدوم کو خطاب کرنا جائز نہیں، اسکا جواب سب سے زیادہ سہل اور صحیح یہ ہے کہ چونکہ اس چیز کا موجود ہونا مقدر تھا، اسلئے اسکو موجود کے درجہ میں اتار کر خطاب کر دیا گیا، (حاصل بیان القرآن، جلالین، مظہری)

جو ان سے پہلے والے یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے،
چنانچہ حضرت موسیٰ ع سے یہودیوں نے درخواست کی تھی کہ ہم اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سننا چاہتے ہیں اور ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں، اسی طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ ع سے مطالبہ کیا تھا کہ آسمان سے کھانے کا دسترخوان آئے، لہٰذا ان کے مطالبوں کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں اور پھر اگلے پچھلے یہود و نصاریٰ کے دل آپس میں متشابہ ہیں الٹا اور غلط سمجھنے میں، لہٰذا لازمی بات ہے کہ یہ لوگ ویسے ہی بے ہودے سوالات و مطالبات کریں گے، جیسے ان سے پہلے لوگوں نے کئے ہیں، اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تو ایک ہی دلیل کا مطالبہ کرتے ہو، ہم نے تو اپنے رسول کی صداقت پر بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں مگر وہ صرف ان لوگوں کے لئے مفید اور سودمند ہیں، جو یقین و اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں، (بیان القرآن منہٰی)

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾

ہم نے آپکو ایک سچا دین دے کر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہیئے اور ڈراتے رہیئے اور آپ سے دوزخ میں جانیوالوں کی بازپرس نہ ہوگی،

تفسیر!

اس سے پہلی آیت پاک میں یہود و مشرکین کی کٹ حجتی کا بیان تھا، اسلئے ممکن تھا کہ حضور علیہ السلام اس سے غمگین ہوں کہ یہ لوگ تو کٹ حجتی اور عناد و ضد پہ اترے ہوئے ہیں، ان کو ایمان قبول کرنے پہ کس طرح آمادہ کروں،

حضورؐ کو تسلی! اس لئے اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اے محمدؐ ہم نے آپ کو دین حق دیکر مبعوث فرمایا ہے، آپؐ اس دین کے ماننے والوں کو خوشخبری دیتے رہیے جنت اور رضاء خدا کی، اور نہ ماننے والوں کو ڈراتے رہیے

اقوال و تحقیق کا! (۱) رافع بن حریملہ یہودی نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو اللہ ہمکو اس کی اطلاع کیوں نہیں دیتا (۲) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی۔ ابن جریرؒ نے اس قول کو صحیح فرمایا ہے (۳) بعض مفسرین نے فرمایا یہ بات مشرکین عرب نے کہی تھی،

اعتراض! یہود و نصریٰ تو توریت و انجیل کے عالم تھے پھر انکو جاہل کیوں کہا گیا۔
جواب! توریت و انجیل کے مقتضیات پہ عمل نہ کرنیکی وجہ سے ان کو جاہل کہا تھا، جیسے عالم بے نمازی کو نماز نہ پڑھنے کیوجہ سے جاہل کے درجہ میں اتار دیا جاتا ہے (حاصل تفسیر ابن کثیر)

جہنم کے انگاروں اور غضب خداوندی سے،
آپ سے ان نہ ماننے والوں، جہنم میں جانے والوں کے متعلق باز پرس نہیں کیجائے گی۔ کہ انہوں نے ایمان قبول کیوں نہیں کیا، بس آپ کا کام تو ہمارے احکام لوگوں تک پہونچانا ہے، پہونچاتے رہیے انکار کرنے والوں اور نہ ماننے والوں کے بارے میں آپ فکر مند اور غمزدہ نہ ہوجیئے، کیونکہ آپ سے ان کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جائے گا، بلکہ انہی کو قصور وار ٹھہرا کر سزا دی جائے گی،

(بایمائے بیان القرآن)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ

اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جاویں، آپ کہدیجئے کہ

هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ

حقیقت میں تو ہدایت کا وہی رستہ ہے جسکو خدا تعالیٰ نے بتلایا ہے اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں ان کے غلط خیالات

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

کا علم آچکنے کے بعد تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مددگار،

اقوال وتحقیق! علامہ بغوی رح وغیرہ حضرات نے اس آیت کا شانِ نزول یہ ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے کہ ایک دن جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے والدین کس حالت میں ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے اس کو نقل فرما کر لکھا ہے کہ یہ شانِ نزول مجھے پسند نہیں، کیوں کہ یہ روایت صرف ابن عباس رض تک جا کر رک جاتی ہے، دوسرے ممکن ہے جس دن آپ نے فرمایا ہو اسی دن اتفاقاً یہ آیت بھی اتر گئی ہو، ایکدن میں دونوں کا وقوع اس بات کی حجت نہیں بن سکتی، کہ یہ آیت اسی واقعہ کیوجہ سے نازل ہوئی،
اگر اس شانِ نزول کو تسلیم کر بھی لیا جائے اور اصحٰب الجحیم سے حضور کے والدین مراد لے لئے جائیں تب بھی، آپ کے والدین کا کافر ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ مومنین بھی جہنم میں جاتے ہیں، اور پھر ان کو رہائی مل جاتی ہے اور ہمیشہ کیلئے جنت میں داخل کر دیئے جاتے ہیں،
بہر حال آپ کے والدین کے ایمان کا موضوع تحقیق طلب ہے، جس پر علامہ سیوطی رح وغیرہ علماء نے مستقل رسالے تصنیف فرمائے ہیں،

(حاصل مظہری)

شانِ نزول! بعض مفسرین نے فرمایا کہ اہل کتاب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ لالچ بھی دیا تھا کہ اگر آپؐ ہمیں دین کے سخت قسم کے احکامات میں کچھ سہولت اور مہلت دو گے تو ہم مذہب اسلام قبول کرلیں گے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہود و نصاریٰ ہرگز آپؐ سے راضی نہیں ہو سکتے جب تک آپؐ ان کے مذہب کو اختیار نہ کریں، اور یہ ناممکن ہے کہ آپؐ ان کا مذہب اختیار کریں اسلئے ان کا راضی ہونا بھی ناممکن ہے، بس آپؐ تو ان سے صاف صاف کہدیجئے کہ ہدایت کا راستہ تو وہی ہے جو اللہ نے ہمیں بتلا دیا ہے، وہ مذہبِ اسلام ہے جو بے شمار قطعی اور قوی دلائل سے ثابت ہے،

حضورؐ کو تنبیہ! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو متنبہ فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں صحیح مذہب وحی کے ذریعہ پہونچا دیا ہے، اب اگر تم ان یہود و نصاریٰ کے غلط خیالات اور ناپاک خواہشات پر چلو گے تو یاد رکھو کسی حالت میں تمہارا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوگا۔ جو تمہیں ہمارے عذاب سے بچالے،

ایک شبہ کا خاتمہ! اس پر یہ شبہ دماغوں میں ابھرتا ہے کہ نعوذ باللہ حضورؐ کے متعلق یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ وہ دین باطل کا اتباع کرلیں گے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسکا جواب منطقی طریقہ پر یہ دیا ہے کہ مستحکم دلائل سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ آپؐ سے اللہ رب العزت ہمیشہ راضی رہیں گے، اس سے پتہ چلا کہ اللہ کا غضب حضورؐ پر نہیں ہوگا۔ اور خدا کا غضب جب ہی ہو سکتا ہے، جبکہ آپ انکا اتباع کریں، لہٰذا اس سے یہ بات لازمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ ان کا اتباع نہیں کریں گے، اور جب حضورؐ ان کا اتباع نہیں کریں گے تو یہ راضی نہیں ہوں گے حضورؐ سے، لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ آپ ان سے دین قبول کرلینے کی کوئی توقع ہی مت رکھو کیونکہ توقع رکھنے سے امید پوری نہ ہونے پر طبیعت غمگین اور رنجیدہ ہوتی ہے، اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم غمگین رہو، لہٰذا ان سے امید چھوڑ دو، (بعون البیان القرآن والمظہری)

اقوال و تحقیق! امام ثعلبیؒ نے آیت وَلَن تَرْضٰى کا شانِ نزول یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب حضور علیہ السلام اہل کتاب کے قبلہ کیجانب رُخ کرکے نماز ادا کیا کرتے تھے تو یہود و نصریٰ اس بات کی توقع رکھتے تھے، کہ حضور علیہ السلام ہم میں مل جائیں گے، مگر جب کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا تو یہ ناامید ہوگئے، اس کے بعد اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، مِنَ الْعِلْم سے مراد (۱) وحی ہے (۲) دین ہے خلاصہ دونوں کا ایک ہے،
(تفسیر مظہری)

الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی بشرطیکہ وہ اسکی تلاوت کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر

یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ایمان لے آتے ہیں، اور جو شخص نہ مانے گا۔ خود ہی ایسے لوگ خسارے میں رہیں گے،

تفسیر!

اس سے پہلی آیت میں ان اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذکر تھا جو ضدی ایمان قبول کرنے والے نہ تھے، اب اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنھوں نے مذہب اسلام کو قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔

فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی توریت و انجیل دی ہے اور وہ اس کو پڑھتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہے تو یقیناً ایسے ہی لوگ اسلام کو قبول کرتے ہیں اور جو نہیں مانے گا وہ اپنا ہی نقصان کریگا کہ اسلام قبول کرکے جو دنیوی اور اخروی نعمتیں ملنے والی ہیں ان سے محروم رہیگا،

شانِ نزول!

حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت جعفر بن ابوطالب رضؓ کے ساتھ ملک حبشہ سے چالیس[۴۰] آدمی آئے تھے، ان میں بتیس[۳۲] حبشہ کے تھے اور آٹھ ملک شام کے تھے، اور ان میں بحیرا نامی راہب بھی تھا، ان سب لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

تلاوتِ قرآن کا حق!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ جب وہ آیت تلاوت کرے جسمیں جنّت کا ذکر ہے تو اللہ سے جنّت طلب کرے اور جب وہ آیت تلاوت کرے جس میں جہنم کا تذکرہ ہے تو جہنم سے پناہ مانگے۔

حضرت تھانوی رحؒ نے فرمایا کہ تلاوت کا حق یہ ہے کہ اپنے علم و عقل کی روشنی میں قرآن میں غور و فکر کرے اور جو احکام خداوندی قرآن سے معلوم ہوں اس پر عمل کرے، (مظہری، بیان القرآن، ابن کثیر)

اقوال وتحقیق!

آیت مذکورہ میں کن لوگوں کے متعلق ارشاد ہے اسمیں علماء مفسرین کے تین قول ہیں، (۱) حضرت قتادہ رضؓ و عکرمہ رحؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضؓ مراد ہیں (۲) حضرت ضحاک رحؒ نے فرمایا مومن یہود مراد ہیں، (۳) بعض مفسرین نے فرمایا کہ تمام مومنین مراد ہیں اسی میں اہل کتاب کے مومن بھی داخل ہیں، حقّ تلاوتہ کی پانچ تفسیریں کی گئی ہیں دو اوپر مذکور ہوئی، تیسرے ابن عمر رضؓ سے مروی ہے کہ قرآن کا پورا پورا اتباع کرنا مراد ہے، چوتھے ابن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ حلال و حرام کو جاننا کلمات کو ان کی جگہ رکھنا ان میں ہیر پھیر نہ کرنا، پانچویں حسن بصری رحؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ محکم اور واضح آیات پر عمل کرنا اور آیات متشابہ پر ایمان لانا، مشکل آیتوں کو متبحر علماء کے سامنے پیش کرکے حل کرنا ہو

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ

اے اولاد یعقوبؑ میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جبکا میں نے تم پر انعام کیا۔ اور اسکو کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ

فوقیت دی، اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ ادا کرنے پاوے گا

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور نہ کسی کے طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاویگا۔ اور نہ کسی کو کوئی سفارش مفید ہوگی، اور نہ ان لوگو نکو کوئی بچا سکے گا۔

تفسیر!

اس آیت پاک کی تفسیر اس سورۃ کے شروع میں گذر چکی (ملاحظہ فرمائیں قسط اوّل ص۵۵) یہاں تک اللہ تعالیٰ یہود پر چالیس انعامات وغیرہ کو بیان کر چکے، اب اخیر میں پھر وہی اجمالی بات ان کو یاد دلا رہے ہیں، جس کی طرف بالکل شروع میں توجہ دلائی تھی، کہ میں نے تم پر بے شمار احسانات کئے ہیں ان کو یاد کرو اور میرے فرمانبردار بن جاؤ، اور قیامت کے ہولناک دن سے ڈرتے رہو،

اقوال و تحقیق!

اس آیت پر اگر کوئی یہ اعتراض کرنے لگے کہ بعینہٖ یہی آیت جب ماسبق میں گذر چکی پھر اس کو یہاں مکرر ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ تکرار بلا فائدہ نہیں، جس پر اعتراض کیا جائے بلکہ مع الفائدہ ہے جو کلام میں حسن اور تقویت پیدا کرنیکا سبب ہوتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے شروع میں اس آیت سے اجمالی قانون کی طرف اشارہ فرمایا اور کچھ دور تک اس مجمل قانون کی تفصیلات کو پیش کیا اور آخر میں پھر بطور خلاصہ اور نچوڑ کے اسی قانونِ مجمل کو بیان فرما دیا، یہ طریقہ محاورہ میں نہایت بلیغ سمجھا جاتا ہے،

حضرات مقررین و مصنفین کو اس سے یہ روشنی ملتی ہے کہ وہ بھی اپنی تقریر اور مضمون کو اسی طرح سے بلیغ و مؤثر بنائیں مثلاً یہ کہا جائے کہ رشوت بہت مہلک چیز ہے، اس کے اندر ایک نقصان یہ ہے، دوسرا یہ اور اس طرح پانچ دس شمار کرا کر پھر اپنے کلام کا خلاصہ و نچوڑ بیان کرتے ہوئے کہے کہ رشوت بہت مہلک چیز ہے،

(ماخوذ بیان القرآن)

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
اور جس وقت امتحان کیا ابراہیمؑ کا انکے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ اُن کو پورے طور سے بجا لائے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں

اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾
تمکو لوگوں کا مقتدا بناؤنگا۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو ارشاد ہوا کہ میرا عہدہ خلاف ورزی کرنیوالوں کو نہ ملیگا

تفسیر!

اب یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بعض حالات زندگی کو بیان فرما رہے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کو یہود و نصاریٰ اور پورا عرب مانتا تھا، اور ہر ایک کو اس پر بڑا فخر تھا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں اور ان کے طریقہ پر چلنے والے ہیں اور اللہ نے ان کے اور ان کی اولاد کیلئے برکت کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا وہ ہم کو ہر حال میں کافی ہے اللہ نے فرمایا اے نبیؐ تم ان مشرکین اور اہلِ کتاب کو جو ملّت ابراہیمیؑ کے دعویدار ہیں ذرا ابراہیمؑ کی فرمانبرداری کے واقعات تو سناؤ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دینِ حنیف اور طریقہ ابراہیمؑ پر کون قائم ہے وہ یا آپ اور آپ کے صحابہؓ۔

حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش!

اللہ تعالیٰ نے ان کے خیال کو رد فرمایا کہ تم ابراہیمؑ کے طریقہ پر نہیں، وہ تو ہمارے نہایت اطاعت گزار اور فرمانبردار تھے ہم نے ان کو کئی باتوں میں آزمایا وہ سچے نکلے، ہمنے اسکے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا وہ فوراً تیار ہو گئے، گھر والوں، خاندان اور ملک چھوڑنے کیلئے کہا تو سب کو چھوڑ کر ملک شام میں آ بسے عرب کے ریگستان میں عبادت خانہ بنانے اس کی حفاظت کرنے اور اس کو آباد کرنے کا حکم دیا تو اپنے پیارے بیٹے اسماعیلؑ کو وہاں بسایا اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی دین کی دعوت و تبلیغ کا حکم دیا تو بستی بستی میں برابر دین پھیلاتے رہے، جس سے پورا ملک اور خود یہاں کا بادشاہ نمرود آپ کے سخت خلاف ہو گیا اور سب نے ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا، جب اللہ نے دیکھا کہ ابراہیمؑ نے ہماری خاطر آگ میں جلنا بھی منظور کر لیا ہے، تو آگ کو حکم فرمایا :۔

قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم (اے آگ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا)

یہ سخت قسم کی آزمائشیں تھی، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو گزارا، اسی کے ساتھ بہت سے احکام اور اعمال کی پابندیں آپؑ کے لئے ضروری قرار دی گئیں،

حضرت ابراہیمؑ ان سب آزمائشوں میں پورے اترے اور کامیابی حاصل کی، اس کامیابی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو نبوّت کے عہدہ سے سرفراز فرما کر لوگوں کا مقتدا و پیشوا بنا دیا، اس انعام اور رحمت خداوندی کے ملنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کیلئے بھی اس انعام و رحمت کی درخواست

کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست منظور کی مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ انعام نافرمانوں کو تو قطعاً نہ ملیگا۔
ہاں فرمانبرداروں میں سے بعض کو نبوت ضرور عطا کریں گے، (حمائل. حقانی، ابن کثیر)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا

اور جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور امن مقرر کیا۔ اور مقام ابراہیم ؑ کو

مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ

نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو،

تفسیر!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنا دیا ہے کہ ہر سال لاکھوں آدمی مختلف ملکوں سے یہاں آکر جمع ہوتے ہیں یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم نے کعبہ کو ثواب کی جگہ بنا دیا ہے کہ یہاں حج وعمرہ کرکے اور نماز ادا کرنے کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔
حدیث پاک میں ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے۔

کعبہ مقام امن ہے!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے کعبہ کو مقام امن بنا دیا ہے، کہ یہاں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ کے قریب وجوار میں قتل اور لوٹ مار ہوتی رہتی تھی، مگر یہاں امن وامان ہی رہتا تھا، یہاں کے جانوروں اور گھانس پھونس کو بھی امن ہے، کہ نہ گھانس اکھاڑی جائے اور نہ جانوروں کا شکار کیا جائے، حتیٰ کہ اگر کوئی مجرم اور قاتل بھی یہاں گھس آئے تو اسے بھی یہاں سے گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا۔ تاکہ پریشان ہو کر وہ خود کعبہ سے باہر نکلے تب اس کو سزا، موت دی جائے گی۔

اقوال وتحقیق!

وَاِذِ ابْتَلٰی، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ امتحان تو چھپی ہوئی قابلیت وصلاحیت معلوم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، اور یہاں امتحان لینے والی ذات علیم وخبیر ہے، لہٰذا امتحان لینا بے مقصد وبے معنی ہے؟
جواب کا حاصل یہ ہے کہ امتحان کا منشا ہمیشہ یہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ممتحن علیہ کے مرتبہ وقابلیت اور استحقاق سے دوسرے ناواقف بھی واقف ہو جائیں، جیسے حضرت آدم ؑ سے اسماء معلوم کرکے فرشتوں کو باخبر کیا گیا کہ دیکھو یہ اس صلاحیت کے مالک ہیں تم نہیں،
(۲) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ نے فرمایا کہ یہ آزمائش وامتحان کسی جرم کی پاداش میں نہیں تھا بلکہ ان آزمائشوں کے ذریعہ اپنے خلیل کی تربیت کرکے ان کے درجات ومقامات تک پہونچانا بقیہ صفحہ ۵۴ پر

مقام ابراہیمؑ

اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بنالو، مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جسکو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر کرتے وقت استعمال کیا جاتا تھا، جس کو اللہ نے یہ خصوصیت عطاء فرمائی تھی، کہ وہ دیوار کی اونچائی کے ساتھ ساتھ اونچا ہوتا رہتا تھا، اور اسطور پر وہ ہیڑ کا کام دیتا تھا، جسپر آپ کے قدم مبارک کا بطور معجزہ نشان پڑ گیا تھا، حضرت انس بن مالک رح نے فرمایا کہ میں نے اس پتھر میں قدم مبارک کا نشان دیکھا ہے مگر وہ اب لوگوں کے بار بار چھونے کی وجہ سے ہلکا پڑ گیا ہے،

مسلم شریف کی حدیث میں ہے، کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس پہونچے جو کعبۃ اللہ کے سامنے تھوڑے فاصلہ سے رکھا ہوا ہے اور وہاں جاکر یہ آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ہ تلاوت فرمائی اور پھر مقام ابراہیمؑ کے پیچھے، اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ مقام ابراہیم کو درمیان میں رکھتے ہوئے کعبۃ اللہ کا استقبال ہو جائے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب ہے، ان دو رکعتوں کو حرم شریف میں کسی جگہ بھی پڑھ لینا کافی ہے، البتہ خاص مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا سنت ہے، (مظہری، معارف وغیرہ)

اقوال وتحقیق!

(بقیہ ص۵۳) مقصود ہے، یہ جواب اس مقام کے عین مناسب ہے، کلمات، کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں (۱) ابن عباس رض نے فرمایا کہ کلمات سے مراد تیس۳۰ عادتیں ہیں، جو اسلام کے شرائع ہیں جنکو سوائے ابراہیمؑ کے کسی نے پورا نہیں کیا، یہ تیس عادتیں ان تین سورتوں میں بیان کی گئیں، دس۱۰ سورۂ براءۃ میں، دس۱۰ سورۂ احزاب میں، دس سورۂ مومنوں میں، (۲) حضرت طاوس رح نے فرمایا کہ ابراہیمؑ کو دس چیزوں سے آزمایا تھا، ان میں سے پانچ سر سے متعلق ہیں ۱ مونچھیں کتروانا ۲ کلی کرنا ۳ ناک میں پانی دینا ۴ مسواک کرنا ۵ سر میں مانگ نکالنا اور پانچ بدن کے دوسرے حصے میں ہیں ۱ ناخن تراشنا ۲ بغل کے بال اکھاڑنا ۳ زیر ناف کے بال مونڈنا ۴ ختنہ کرانا ۵ پانی سے طہارت کرنا (۳) حضرت قتادہ رح نے فرمایا حج کے طریقے مراد ہیں، (۴) حضرت سعید بن جبیر رض نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی دعا، ربنا تقبل مراد ہے، جسکو وہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کر رہے تھے، (۵) یمان بن رباب نے فرمایا ابراہیم کا وہ مناظرہ مراد ہے جو انکا قوم سے ہوا تھا (۶) بعض مفسرین نے فرمایا کہ کلمات سے مراد وہ مضمون ہے جو آگے آیتوں میں آرہا ہے، (۷) قاضی ثناء اللہ نے فرمایا کلمات سے مراد تمام اوامر ونواہی ہیں اور یہ ایسا جامع قول ہے جو مذکورہ تمام اقوال کو حاوی وشامل ہے (مظہری، کمالین، معارف)

(اقوال وتحقیق صفحۂ ہذا) مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے اس میں چار قول مرقوم ہیں (۱) وہ مخصوص پتھر جسکا ذکر ہوا

(بقیہ ص۵۵)

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَـٰكِفِينَ

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو خوب پاک وصاف رکھا کرو، بیرونی اور مقامی لوگوں کے

وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ ٱجْعَلْ هَـٰذَا بَلَدًا ءَامِنًا

واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے، اور جس وقت ابراہیم ؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اسکو ایک شہر بنا دیجئے

وَٱرْزُقْ أَهْلَهُۥ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ مَنْ ءَامَنَ مِنْهُم بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ

امن والا اور اسکے بسنے والوں کو پھلوں سے بھی عنایت کیجئے انکو جو کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں

قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُۥ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُۥٓ إِلَىٰ عَذَابِ ٱلنَّارِ

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اس شخص کو بھی جو کہ کافر رہے، سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤنگا پھر اسکو کشاں

وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾

کشاں عذابِ دوزخ میں پہنچاؤنگا۔ اور وہ پہنچنے کی جگہ تو بہت بری ہے،

کعبہ کی صفائی کا حکم!

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو حکم فرمایا کہ میرے گھر یعنی کعبہ شریف کو صاف وستھرا رکھیں، یہ حکم گندگی وغیرہ سے صفائی کو بھی شامل ہے اور شرک وبت پرستی اور گالم گلوچ و دیگر گندے کاموں اور باتوں سے پاک وصاف رکھنے کو بھی شامل ہے حاصل یہ کہ ہر طرح کی ظاہری و باطنی خباثت و گندگی سے پاک وصاف رکھا جائے تاکہ طواف و اعتکاف کرنیوالے اور نماز کو ادا کرنیوالے آرام وسکون کیساتھ اپنی اپنی عبادت خشوع و خضوع کیساتھ ادا کرتے رہیں،

اقوال وتحقیق!

(بقیہ ص۵۴ گذرا) (۲) ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ پورا حرم مراد ہے (۳) ابن یمانؒ نے فرمایا مسجد حرام مراد ہے (۴) حج کے تمام مشاہد مراد ہیں جیسے مزدلفہ، عرفہ وغیرہ۔

اس مقام پر دو رکعت ادا کرنا امام اعظم رح اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے، امام احمد بن حنبل مستحب کے قائل ہیں یہی ایک قول امام مالکؒ کا بھی ہے، امام شافعی رح سے دو قول منقول ہیں ۱۔ سنت ۲۔ فرض، وَٱتَّخِذُوا۟ مِن مَّقَامِ الآیہ کا شانِ نزول یہ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کاش مقام ابراہیم کو ہم قبلہ بنا لیتے، اللہ نے تھوڑی ہی دیر بعد آیت نازل فرمادی،

(مظہری)

حضرت ابراھیمؑ کی دعاء جب اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف کو صاف رکھنے کی ذمہ داری سپرد کر چکے تو انہوں نے یہاں آنے والے اور ٹھہرنے والوں کی سہولت کے پیش نظر اللہ سے درخواست کی کہ اس شہر کو امن والا بنا دیجئے، کہ یہاں کوئی لڑائی جھگڑا اور خون خرابہ وغیرہ نہ ہو اور اس شہر میں آنے اور رہنے والے مومنوں کو غذا و پھل عنایت فرمائیے چونکہ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں نہ باغ و چمن ہیں نہ کھیتی باڑی۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی اس درخواست و دعاء کو قبول فرمایا، چنانچہ مکہ والے ملک یمن اور شام میں تجارتی آمد و رفت کا سلسلہ رکھتے تھے، کوئی بھی ان کے قافلہ پر حملہ آور نہ ہوتا، وہ مکمل اطمینان سے سفر پورا کرتے اور حرم شریف میں رہنے والوں کو عزت و عظمت کی نظر سے دیکھتے، چنانچہ آج حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی برکت سے وہاں امن و امان ہے وہاں کے باشندوں کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے غذا و پھل کی دعاء کو اس طور پر پورا فرمایا کہ مکہ کے قریب میں طائف نام کا ایک خطہ بنا دیا جس میں عمدہ و لذیذ پھل کثرت سے پیدا ہونے لگے،

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم کے قریب یہ مضمون لکھا ہوا دیکھا۔ "میں اللہ ہوں" جس روز میں نے چاند و سورج کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو بھی پیدا کیا اور آسمان و زمین کے پیدا ہونے کے روز میں نے مکہ کو حرمت و عظمت والا بنایا، سات فرشتوں نے اس کی حفاظت کی۔ اور اسمیں تین راستوں سے رزق آتا ہے میں نے یہاں کے گوشت اور پانی میں برکت رکھی ہے،

اقوال و تحقیق! بَیْتِیَ۔ خدائے تعالیٰ نے کعبہ کو اپنی جانب منسوب فرما کر اس کی عظمت کا اظہار فرمایا ہے، ورنہ تو حق تعالیٰ مکان سے مستغنی ہیں، دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم تمام مسجدوں کے لئے ہے، کیونکہ سبھی مسجدیں اللہ کا گھر ہیں۔

ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا :- اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعاء کہاں قبول ہوئی، جبکہ حجاج بن یوسف اور قرامطہ کے بدترین ظلم و ستم اور قتل و غارت گری مکہ و حرم میں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو وہ خود اسلام کا نام لینے والوں کے ہاتھوں ہوا، کوئی کافر قوم حملہ آور نہ ہوئی، اور کوئی شخص خود اپنے گھر کو جلائے یہ امن کے منافی نہیں، دوسرے اسطرح کے واقعات شاذ ہیں، کہ اس وقت سے آج تک گنے چنے ہوئے، اور پھر ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوا وہ بھی لوگوں نے دیکھ لیا۔

الثَّمَرَاتِ :- ثمرہ عرف میں ہر چیز سے حاصل اور پیدا ہونے والی شئی کو کہا جاتا ہے درختوں سے پیدا ہونے والے پھل جسطرح اس میں داخل ہیں اسی طرح مشینوں سے حاصل ہونے والا سامان مشینوں کے ثمرات ہیں۔

(بقیہ ۵۷ پر)

اللہ کافروں کو بھی رزق دیتا ہے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رزق کی دعا صرف مومنوں کے لئے کی۔ چونکہ اس سے پہلی دعا، انہوں نے سب کیلئے کی تھی، تو اللہ نے فرمایا تھا کہ تمہاری یہ دعا، عاصی اور کافرین کے حق میں قبول نہیں اسلئے اس بار انہوں نے پہلے ہی احتیاطاً دعا، صرف مومنوں کیلئے کی، اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم ہم رزق کافروں کو بھی دیں گے، جس سے وہ دنیا میں فائدہ اٹھائیں گے، اور پھر ہم انہیں زبردستی فرشتوں کے ذریعہ جہنم کی آگ میں پھکوادیں گے،

ایک حدیث میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی قدر مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا اللہ نے قرآن میں دنیا کی حقارت کو اسطرح بیان فرمایا ہے کہ اگر ہمیں اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی دین یعنی کفر پر جم جائیں گے تو ہم کافروں کے گھروں کو چاندی کا بنا دیتے اور وہ تخت پر تکیہ لگائے آرام سے بیٹھے رہتے،

(معارف و مظہری)

وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ ط

اور جب کہ اٹھا رہے تھے، ابراہیم ع دیواریں خانۂ کعبہ کی اور اسماعیل ع بھی ا

تفسیر!

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے خانۂ کعبہ کی تعمیر کا ذکر بہت ہی مختصر طور پر فرمایا ہے، احادیث میں اس کی تفصیلات اس طرح

اقوال و تحقیق!

(بقیہ صد ۵۶) وغیرہ لہذا ثمرات میں کل ضروریات زندگی آجاتی ہیں، دعاء ابراہیمی کا ہی ثمرہ ہے کہ مکہ معظمہ میں دنیا بھر میں بننے اور پیدا ہونے والی اشیاء عالم طور پر دستیاب ہو جاتی ہیں، قلیلاً دنیا کی چیزوں اور یہاں کے منافع کو قلیل فرمانے کی کئی وجہ ہیں (۱) آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہیں، (۲) یہ مطلب ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ منافع ہیچ ہیں اسی کو قلیل سے تعبیر فرمادیا، (۳) ہم ان کو قلیل مدت یعنی صرف زندگی میں فائدہ پہنچائیں گے،

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ طائف ملک شام کا ایک شہر تھا، جبرئیل ع نے بحکم خداوندی وہاں سے اکھاڑ کر مکہ کے گرد سات مرتبہ گھمایا اور پھر وہاں قائم کر دیا جہاں اسوقت ہے، اسی لئے اسکا نام طائف (گھومنے والا) ہوا۔

(مظہری، معارف، خلاصۃ التفاسیر)

ملتی ہیں، جس وقت حضرت اسماعیل و اسحٰق علیہما السلام پیدا ہو چکے تو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانۂ کعبہ کی تعمیر کا حکم فرمایا، انہوں نے عرض کیا باری تعالیٰ مجھے اسکی جگہ تبلا دیجئے، اللہ نے حضرت جبرئیلؑ امین کے ذریعہ جگہ متعین کرا دی یہ جگہ وہی تھی جہاں بیت اللہ شروع میں تعمیر ہوا تھا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے،

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کی ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ پہونچے، تو دیکھا کہ اسمٰعیلؑ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر بنا رہے ہیں حضرت ابراہیمؑ کو یہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے والد ماجد نے فرمایا اے اسمٰعیل مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے کہ تم اس میں میری مدد کروگے، حضرت اسماعیلؑ بخوشی تیار ہو جاتے ہیں، پھر ابراہیم علیہ السلام نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کرکے جہاں بیت اللہ تھا، فرمایا مجھے اس کی تعمیر کا حکم ہوا ہے، باپ بیٹے اس کام میں مشغول ہوئے تو بیت اللہ کی پرانی بنیادیں نکل آئیں انہی پر دونوں نے نئی تعمیر کی،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کو پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے تعمیر فرمایا ۱ طور سینا ۲ طور زیتا ۳ کوہ جودی ۴ کوہ لبنان یہ ملک شام میں ہے ۵ اور بنیادیں کوہ حرام کے پتھروں سے تیار کیں، جب حجر اسود کی جگہ تعمیر کرنے کا وقت آیا تو حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسمٰعیل سے مخاطب ہو کر فرمایا یہاں کیلئے کوئی عمدہ اور خوب صورت پتھر لاؤ چنانچہ اسمٰعیلؑ اچھا سا پتھر تلاش کرکے لائے مگر ابا حضور نے اس سے بھی زیادہ حسین و خوبصورت لانے کو فرمایا،

چنانچہ اسمٰعیلؑ پھر سے خوب صورت پتھر تلاش کرنے لگے کہ ابو قبیس پہاڑ سے ایک آواز نکلی کہ اے اسماعیلؑ جس پتھر کو حضرت ابراہیمؑ وہاں لگانا چاہتے ہیں وہ امانت تمہاری میرے پاس ہے یعنی حجر اسود، طوفان نوحؑ کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ اس پہاڑ میں چھپوا دیا تھا،

بہر حال اسمٰعیلؑ اس پتھر کو ابا جان کی خدمت میں لے گئے تو انہوں نے اس کو فوراً پسند کیا، اور کعبہ کے بالکل بیچ میں فٹ کر دیا،

تعمیر کعبہ کے ادوار! کعبہ شریف کی تعمیر کے مختلف دور ہمکو تاریخی صفحات پر ملتے ہیں. ان کو بالتفصیل لکھنے کی ان محدود صفحات میں گنجائش نہیں اس لئے مختصر طور پر لکھا جاتا ہے،

تعمیر اوّل! کعبۃ اللہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی جسوقت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آئے تو انھوں نے تنہائی کی وحشت سے گھبرا کر بارگاہِ خداوندی

میں التجا کی اے میرے پروردگار نہ یہاں کوئی جھت دار مکان ہے نہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ملک عبادت کرسکیں، خدائے عزّ وجل کیطرف سے حکم ہوا کہ ہماری عبادت کیلئے ایک گھر بناؤ، حضرت آدم ؑ نے دریافت کیا کس جگہ؟

اللہ کے حکم سے جبرئیل ؑ نے جگہ متعین کی چونکہ یہ جگہ بہت نیچی تھی، اس لئے فرشتوں نے اس میں بڑے بڑے پتھر لاکر بھرے، ان میں سے ہر پتھر اتنا بھاری تھا کہ اس کو تیس ۳۰ آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے، اس جگہ آدم ؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی اس میں نمازیں پڑھیں، اور اس کے گرد طواف کیا، اسی طرح ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ طوفانِ نوح ؑ کے وقت اس کو زمین سے آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ مگر اس کی جگہ ایک سرخ ٹیلہ سا باقی رہا۔ اچھے لوگ وہاں جاکر اکثر عبادت و دعا کرتے تھے، تو قبولیت کے آثار پاتے تھے۔

تعمیر دوم بیت اللہ شریف کی دوسری مرتبہ تعمیر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے فرمائی جسکا تفصیلی ذکر اس آیت کے شروع میں ہو چکا۔

تعمیر سوم تیسری تعمیر قریش نے کی، جسکا سبب یہ ہوا کہ ایک عورت کے دھونی دیتے وقت کعبہ کے غلاف میں آگ لگ گئی تھی، جس سے بیت اللہ شریف کی عمارت کو بھی نقصان پہونچا، پھر متواتر کئی سیلاب آئے جس سے عمارت بہت زائد کمزور ہو گئی، اس کے بعد ایک بہت بڑا سیلاب آیا جس کی وجہ سے دیواریں پھٹ گئیں، اس لئے بیت اللہ کو منہدم و شہید کر کے تعمیر کیا گیا، اسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔

اقوال و تحقیق! وَ اِسْمٰعِیْلُ:۔ اس کا عطف ابراہیم پر ہے، دونوں کے درمیان مفعول سے فاصلہ کر کے یہ بتلانا مقصود ہے، کہ اصل تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم ؑ تھے، اسمٰعیل ؑ تو مزدور کی حیثیت رکھتے تھے، اور ابراہیم کے حکم کی تعمیل کرتے تھے، خانہ کعبہ کیلئے جگہ متعین کس طرح کی گئی، اس میں تین قول مرقوم ہیں۔ (۱) حضرت جبرئیل ؑ کے ذریعہ یہ قول راجح ہے، (۲) سکینہ کے ذریعہ، سکینہ تیز قسم کی آندھی تھی، جو چلتی ہوئی پوری طرح محسوس ہوتی تھی۔ ابراہیم ؑ اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے، جہاں جاکر یہ آندھی رکی وہیں کعبہ تعمیر کیا گیا، (۳) اللہ نے بدلی کے ٹکڑے کو حکم فرمایا، اس نے چلنا شروع کیا اور آکر وہاں رکی جہاں اب کعبہ ہے، حضرت ابراہیم ؑ نے اتنی ہی جگہ میں کعبہ کی بنیادیں رکھیں جتنی جگہ پر وہ بدلی چھائی ہوئی تھی، حجر اسود ابراہیم ؑ کو کس نے لاکر دیا ایک قول کے مطابق نے قول اسماعیل ؑ نے جو تفسیر کے (بقیہ صفحہ ۶۰ پر)

تعمیرِ چہارم

خانہ کعبہ کی چوتھی بار تعمیر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضؓ نے کی جب کہ یزید ابن معاویہ کی طرف سے لشکر کے سردار نمیر نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کر کے حضرت ابن زبیر رضؓ اور ان کے ساتھیوں پر پتھراؤ کیا اس وقت بہت سے پتھر خانۂ کعبہ پر بھی پڑے تھے، جن سے عمارت کو نقصان پہونچا غلافِ کعبہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، عمارت میں جو لکڑی لگی ہوئی تھی۔ اس نے بھی آگ پکڑ لی پتھر بھی ٹوٹ پھوٹ گئے، اس وقت حضرت ابن زبیر رضؓ نے رسولِ خدا کے ارشاد اور منشاء کے مطابق تعمیر کرائی۔

پانچویں تعمیر و ترمیم!

پانچویں بار تعمیر و ترمیم حجاج ثقفی نے کی! اس نے خلیفۂ وقت عبدالملک ابن مروان کو خط لکھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف میں کچھ زیادتی کرادی ہیں، مجھے اجازت دی جائے، کہ پہلی حالت پر کردوں، خلیفہ نے جواب دیا! کہ بیت اللہ شریف کی جو لمبائی بڑھائی ہے، اس کو کم کرادو، حجر (حطیم) کی طرف جو حصّہ بڑھایا ہے، وہ اصل کے مطابق کرادو، اور جو دروازہ مغرب کی طرف نیا کھولا ہے، اس کو بند کرادو، حجاج نے خط ملتے ہی فوراً مندرجہ بالا ترمیمات کرادیں، اور مشرقی صدر دروازے کی دہلیز جو ابنِ زبیر رضؓ نے نیچی کرادی تھی، اس کو بھی اونچا کرادیا۔

اس کے بعد خلیفہ کو معلوم ہوا کہ ابن زبیر رضؓ نے بیت اللہ شریف کی جو تعمیر کی تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی منشاء کے مطابق تھی، اور حجاج نے مغالطہ دیکر مجھ سے ایسا حکم حاصل کیا تو بہت پشیمان و نادم ہوا، اور حجاج کو لعنت وملامت کی۔

اس کے بعد خلفاءِ عباسیہ نے اپنے دور میں چاہا کہ خانۂ کعبہ کو اسی طرح تعمیر کرایا جائے، جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ نے کرایا تھا۔ مگر حضرت امام مالکؒ نے بڑی لجاجت سے ان کو

اقوال و تحقیق!

(بقیہ ص۵۹) ضمن میں منقول ہوا، یہ قول حضرت سُدی رح کا ہے، (۲) حضرت جبرئیلؑ نے ہند سے لاکر دیا، (۳) جس وقت اسمٰعیلؑ پتھر لیکر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ابا حضورؑ اس جگہ پتھر لگا رہے ہیں، تو پوچھا یہ پتھر کہاں سے آیا! جواب ملا جبرئیلؑ کے ذریعہ اللہ نے بھیجا ہے، اس وقت یہ سفید چمکدار تھا پھر لوگوں کے بار بار چھونے کیوجہ سے، نیز حائضہ عورتوں کے مَس کی وجہ سے وہ کالا ہوگیا،

علامہ بغوی رح سے منقول ہے کہ اللہ نے زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل کعبہ کی جگہ کو پیدا فرمادیا تھا، یہ جگہ ایک سفید جھاگ پر قائم تھی، پھر پوری زمین کو یہیں سے پھیلایا گیا۔

(مظہری ابن کثیر)

روک دیا کہ اس طرح کرنے سے لوگوں کے دلوں سے بیت اللہ کی عظمت و ہیبت نکل جائے گی،
اور ہر آنے والا بادشاہ اس میں اسی طرح ترمیم و تبدیلی کرتا رہے گا،
بہرحال اس وقت بیت اللہ شریف کی تعمیر وہ ہے، جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کی تھی، سوائے ان ترمیمات کے جو حجاج نے کی ہیں۔ (مظہری۔ تلخیص بخاری شریف جز ۵ صفحہ ۱۲ تا ۱۵)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

اے ہمارے پروردگار! ہم سے قبول فرمائیے، بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں، اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا

مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

اور زیادہ مطیع بنا لیجئے، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور ہمکو ہمارے حج کے احکام بھی بتلا

وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ

دیجئے، اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنیوالے، اے ہمارے پروردگار! اور اس جماعت

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

کے اندر انہی میں کے ایک ایسے پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپکی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں، اور انکو کتاب کی اور خوش فہمی

الْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۲۹﴾

کی تعلیم دیا کریں، اور ان کو پاک کر دیں، بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت کامل الانتظام ۔

حضرت ابراہیمؑ کی پانچ دعائیں!

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی پانچ دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے،

اوّل:۔ کعبہ شریف کی تعمیر کرتے وقت دونوں حضرات اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی دعا کرتے جاتے تھے،

علماء مفسرین نے اس دعا سے یہ بات اخذ فرمائی ہے کہ اپنے بڑے سے بڑے نیک عمل پر بھی انسان کو فخر نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ اس کو محض خدا کا فضل سمجھنا چاہیئے، اور اس سے قبولیت کی دعا کرتے رہنا چاہیئے، چونکہ اگر عمل قبول نہیں ہوا تو وہ بے کار اور بے فائدہ ہے، چاہے دیکھنے میں کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

دوم:۔ دوسری دعا یہ کی کہ ہمکو اپنا اطاعت گذار اور فرمانبردار بنائے رکھنا اس دعا سے

یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے نیک عمل کرتے کے بعد بھی حق نعم سے یہی دعاء کرتا رہے، کہ ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ،

سوم:- تیسری دعاء اپنی اولاد کیلئے فرمائی کہ ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو فرمانبردار بنایئے، آپؑ کی یہ دعاء بھی اللہ نے قبول فرمائی، چنانچہ آپ کی اولاد میں ہمیشہ دین دحق پر قائم رہنے والے اور فرماں بردار لوگ رہے،

اس دعاءِ ابراہیمیؑ سے اُمت کو یہ سبق ملتا ہے کہ ماں باپ کو اولاد کی فکر انکی آخرت سنوارنے میں ہونی چاہیئے کہ ان کی تربیت و پرورش دین و مذہب کے مطابق کریں نہ کہ صرف دنیوی راحت وآرام میں ان کی خوشی وسلامتی کو محدود رکھیں،

چہارم:- چوتھی دعاء یہ فرمائی کہ ہم کو حج کے اعمال اور حج کے مقامات عرفہ، منیٰ وغیرہ اچھی طرح سمجھا دیجئے،

پنجم:- پانچویں دعاء انہوں نے یہ فرمائی کہ ہماری اولاد میں سے ایک ایسا رسول بھیجیو جو لوگوں کو اللہ کی کتاب سکھائے اور اسکے احکام لوگوں کو بتائے اور ان کو شرک و بت پرستی اور دوسری گندی وناپاک خصلتوں سے پاک صاف کرے، بیشک آپ قوت والے اور حکمت والے ہیں۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد میں سے رسول بنا کر اللہ نے اس دعاء کو بھی قبول فرمایا،

حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا! اے لوگو! میں تمہیں اپنی ابتدائی کیفیت سے باخبر کروں، میں ابراہیم ؑ کی دعاء، عیسیٰ ؑ کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں، جو میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک ایسا نور چمکا جس سے ملک شام کے محلات روشن ومنور ہوگئے، (حاصل مظہری، معارف)

اقوال وتحقیق! | یتلوا :- امام اللغت راغب اصفہانی رح نے فرمایا کہ کلام الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو عرفاً تلاوت نہیں کہا جاسکتا، تلاوت خاص ہے، قرآن کریم کے ساتھ۔

والحکمۃ:- حکمت کے لغوی معنی کئی ہیں، ۱ حق بات پر پہونچنا ۲ عدل وانصاف ۳ علم وحلم وغیرہ،

امام راغبؒ لکھتے کہ جب یہ لفظ اللہ کے لئے بولا جاتا ہے، تو اسکے معنی تمام اشیاء کی (بقیہ ص۶۳)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ

اور ملّتِ ابراہیمیؑ سے تو وہی رُوگردانی کریگا۔ جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں

فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ

منتخب کیا۔ اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جبکہ اُن سے انکے پروردگار نے

اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ

فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی ربّ العلمین کی۔ اور اسی کا حکم کرگئے ہیں ابراہیمؑ اپنے

بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا

بیٹوں کو اور یعقوبؑ بھی، میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، سو تم بجز

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٣٢﴾

اِسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا،

تفسیر! ان آیات میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی تردید کی گئی ہے، جو کہتے تھے، کہ ہم ملّتِ ابراہیمی پر قائم ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ تو موحدوں کے امام تھے، انہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی خدا کے ساتھ غیر کو شریک نہیں کیا، وہ تو خدا کے ساتھ غیر کو شریک کرنے والے سے سخت نفرت کرتے تھے، اسی لئے اپنی قوم سے الگ ہوئے، اپنے وطن کو چھوڑا یہاں تک کہ اپنے والد کی مخالفت کی بھی پرواہ نہ کی حضرت ابراہیمؑ کی وہ ذات ہے جسکو اللہ نے پوری دنیا کا امام بنایا جس کو دنیا و آخرت میں بہت بڑے رتبہ عنایت فرمائے،

اقوال وتحقیق! (بقیہ ص۶۲) پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں، اور رجب اللہ کے علاوہ کے لئے بولا جاتا ہے تب موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے کئے جاتے ہیں، حکمت کی مفسرین نے مختلف تفاسیر فرمائی ہیں، تین تفسیر در قرطاس کی جاتی ہیں، (۱) حضرت قتادہ رضؓ نے سنّتِ رسولؐ بیان فرمائی ہے، (۲) حضرت مجاہدرحؒ نے فہم قرآن فرمائی ہے، (۳) امام مالک رحؒ نے تفقہ فی الدین سے تفسیر کی ہے، حضرت تھانوی رحؒ نے فرمایا ان سب اقوال کا خلاصہ حدیث و سنّت رسول نکلتا ہے، (بیان القرآن - حاشیہ جلالین)

بہرحال ملّت ابراہیمی سے وہی شخص اعراض کرسکتا ہے جو اپنا دشمن ہو، اپنے آپ سے غافل ہو جیسے اپنے اچھے برے کا احساس نہ ہو، حضرت ابراہیم سے جب اللہ نے فرمایا کہ تم ہمارے اطاعت گذار بن جاؤ، آپ نے فوراً کہا اے میرے مالک میں تیرا فرمانبردار ہوں،
یوں تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین سبھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کی ملت کا پابند بتلاتے ہیں مگر یہ سب غلط فہمی اور جھوٹے دعوے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ملّت ابراہیمی کے صحیح پابند مسلمان ہیں، اے یہود و نصاریٰ اس دین پر قائم رہنے کی وصیت خود حضرت ابراہیم بھی اپنی اولاد کو فرما گئے تھے، اور حضرت یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو یہی وصیت فرمائی تھی کہ آخر دم تک اسی ملت پر جمے رہنا،
(حاصل مظہری، معارف، حقانی)

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ

کیا تم خود موجود تھے جس وقت یعقوب کا آخری وقت آیا، جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا

مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِى قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ

کہ تم لوگ میرے بعد کس چیز کی پرستش کروگے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کرینگے جس کی آپ

ءَابَآئِكَ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۚ صلے ق

اور آپ کے بزرگ ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق پرستش کرتے آئے ہیں، یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے

نَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا

اور ہم اسی کی اطاعت پر رہیں گے، یہ ایک جماعت تھی، جو گذر چکی ان کے کام ان کا کیا ہوا آویگا

كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا۔ اور تم سے اُن کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی ۔

اقوال و تحقیق! فَلَا تَمُوتُنَّ :۔ اس آیت پاک سے بظاہر بغیر ایمان کے مرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے، جو انسانی طاقت سے باہر ہے۔
جواب!۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ہر وقت ایمان پر قائم رہو، ایک پل بھی بغیر ایمان کے نہ رہو، کیوں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں نہ معلوم موت اسی وقت آجائے، جب تم نے ایک منٹ کے لئے ایمان سے علیحدگی اختیار کی،
(حاصل مظہری)

شانِ نزول! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں، کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت فرما کر گئے تھے، کہ تم یہودیت پر جمے رہنا۔ اور اب تم ہمیں اسی یہودیت سے گمراہ کرنا چاہتے ہو۔ ان کے اس غلط دعوئے کو رد کرنے کے لئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

کیا تم اس وقت موجود تھے، جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس دنیا سے کوچ فرمایا، یعنی اس وقت تم موجود نہیں تھے، اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی مستند اور صحیح دلیل ہے پھر کیسے کہتے ہو، سنو ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو کیا وصیت فرما گئے۔ انہوں نے اپنی اولاد سے سوال کیا کہ بچو میرے بعد تم کس کی بندگی و پرستش کروگے سب نے مل جل کر جواب دیا ابا حضور ہم آپ کے اور آپ کے بزرگ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل اسحٰق علیہما السلام کے معبود یعنی اللہ جل مجدہٗ کی عبادت و بندگی کریں گے، وہی ایک معبود ہے، اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

انبیاء ع کی خصوصیت! حضرت عطاء رح نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کو منجملہ خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی عنایت فرما رکھی ہے کہ ان کو بوقت موت اختیار دیدیا جاتا ہے کہ چاہے اسی دنیا میں رہو اور چاہے عالم آخرت میں آجاؤ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے بھی جب یہ بات آئی انہوں نے کہا مجھے تھوڑی مہلت دیجئے، اس وقت میں انہوں نے اپنے بچوں کو یہ وصیت فرمائی۔

حقیقی وصیت! جس طرح عام انسان اپنی موت کے وقت یہ چاہتے ہیں کہ اپنی دولت ہنر اور گر وغیرہ اپنی محبوب اولاد کو سپرد کر جائیں، اور اس پر جمے رہنے کی وصیت کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اولیاء اللہ اور علماء کبار کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی عظیم ترین اور

اقوال و تحقیق! ۱ اٰبائک: اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو یعقوب ع کے باپ نہ تھے، بلکہ چچا تھے پھر آبائک کا عطف اسحٰق ع پر کرنا صحیح نہیں، جواب ۱ اہل عرب باپ کا اطلاق چچا پر بھی کرتے ہیں، جواب ۲ حضرت تھانوی رح نے اس کا ترجمہ بزرگ سے کر کے اس اعتراض ہی کو ختم فرما دیا ہے، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری سوال: اولاد نے یہ جواب کیوں دیا کہ آپ کے اور ابراہیم ع، اسمٰعیل ع و اسحٰق ع معبود کی بندگی کریں گے، یوں کیوں نہ جواب دیا خالق ارض وسماء (اللہ) (بقیہ صفحہ ۶۶ پر)

لازوال دولت یعنی خدا کی بندگی، علم و عمل، تقویٰ و پرہیزگاری پوری پوری ان کی اولاد کو مل جائے، اس کے لئے وہ دعائیں بھی کرتے ہیں اور آخر میں وصیت بھی فرما کر جاتے ہیں، دراصل حقیقی وصیت یہی ہے، کیوں کہ مال اور شہر آخرت میں فائدہ مند نہیں ہوگا بلکہ عمل خیر ہی سود مند ثابت ہوگا۔

جیسا کروگے ویسا بھروگے! تلک اُمۃ ا۔ یعنی حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام اور ان کی اولاد ایک جماعت تھی۔ جو گذر چکی وہ جو کچھ عمل خیر کر گئے، تو اپنے لئے اور تم جو کچھ کروگے تو اپنے لئے کروگے، لہذا تم صرف اپنی فکر کرو، کیوں کہ تم سے اُن حضرات کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی، تم سے تمہارے کئے ہوئے کی باز پرس ہوگی۔ پھر کیوں تم اپنے خاندان اور نسب پر گھمنڈ کرتے ہو۔ اور آخر کیوں اپنے آپ کو جنتی سمجھتے ہو۔

اس میں پوری اُمت مسلمہ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو جیسا کرے گا وہ ویسا خود ہی بھرے گا۔ اس کے کئے کا کوئی دوسرا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اس لئے ہر ایک کو اپنی فکر خود ہونی چاہیئے اور اگر کسی کے دل و دماغ میں یہ بات جمی ہوئی ہو کہ میرے بڑے تو ولی و بزرگ اور عالم ہیں، بس یہ میری نجات کے لئے کافی ہے، چاہے میں کیسا ہی سخت گنہگار اور سرکش ہوں، تو یہ سراسر اس کی غلط فہمی اور شیطانی وسوسہ ہے،

(حاصل مظہری و معارف)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تم بھی راہ پر پڑ جاؤ گے، آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم پر

حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۳۵) قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

رہیں گے جس میں کجی کا نام نہیں اور ابراہیم مشرک بھی نہ تھے کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس

اقوال و تحقیق! (بقیہ صفحہ ۶۵) کی بندگی کریں گے۔ جواب ۱:۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگ عناصر اور ستاروں کو خالق مانتے تھے، اور ان کو اللہ کہتے تھے، جواب ۲:۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ ہم ان دینی رہنماؤں بزرگوں کا مکمل اتباع کرتے ہیں (مظہری و حقانی)

إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ

بھیجا گیا اور اس پر بھی جو ابراہیم ؑ اور اسماعیل ؑ اور یعقوب ؑ اور اولاد یعقوب ؑ کی طرف بھیجا گیا۔

وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ

اور اس پر بھی جو موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا، ان کے

رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾

پروردگار کی طرف سے۔ اس کیفیت سے کہ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں،

شانِ نزول!

ان دونوں آیتوں کا شانِ نزول حضرت ابن عباس ؓ نے بیان فرمایا کہ مدینہ کے بڑے بڑے علماء یہود جیسے کعب بن اشرف، مالک بن صنیف وغیرہ اور نجران کے نصرانی سب جمع ہوئے اور مسلمانوں سے دین کے بارے میں مناظرہ و مباحثہ کیا ہر جماعت اپنے مذہب کے حق اور سچا ہونے کا دعویٰ کرتی تھی چنانچہ یہود نے کہا کہ ہمارے نبی موسیٰ ؑ تمام نبیوں سے افضل ہیں ہماری کتاب توریت سب کتابوں سے اعلیٰ ہے، اور ہمارا مذہب تمام مذہبوں سے اکمل ہے، اسکے علاوہ دیگر تمام مذاہب قابل قبول نہیں، اسی طرح نصرانی اپنے نبی عیسیٰ ؑ اور اپنی کتاب انجیل اور اپنے مذہب نصرانیت کو اعلیٰ و افضل کہتے تھے، اس کے علاوہ دوسرے انبیاء و آسمانی کتابیں اور مذہب انکی نظر میں کچھ نہ تھے یہ ان سب کا انکار کرتے تھے، یہودی بھی نصرانی بھی ہر ایک مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم ہمارا مذہب اختیار کرلو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس پر اللہ تعا نے ان آیتوں کو نازل فرمایا،

اللہ تع فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان سب سے کہدو کہ ہم تو خالص ملتِ ابراہیم ؑ یعنی اسلام پر رہیں گے،

مناظرہ کا فیصلہ!

تینوں فرقے یہود، نصاریٰ، مسلمان اپنے اپنے دین کو حق ثابت کرتے تھے، اللہ نے فیصلہ اسطرح فرمایا کہ دیکھو حضرت ابراہیم ؑ ایک ایسے رسول ہیں جنکو تم سب اپنا بزرگ مانتے ہو اور ان کے دین و ملت کا اپنے کو متبع بتلاتے ہو تو آؤ تم سب ملکر ملت ابراہیم جسکا نام خود حضرت ابراہیم ؑ نے اسلام رکھا تھا کے پابند ہو جاؤ اس کے طریقہ پر چلنا شروع کردو۔ یاد رکھو حضرت ابراہیم شرک کرنیوالے نہیں تھے، بلکہ ان کو تو ایسے کاموں سے بھی سخت نفرت تھی، جنمیں شرک کا شبہ ہو، اور سنو ملت ابراہیم یعنی اسلام پر رہنے کا حاصل یہ ہے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اسکے ان حکموں پر بھی جو رسول اللہ نے ہمیں بتلائے، اور ان حکموں پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں جو اللہ نے حضرت ابراہیم ؑ اسمٰعیل اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد میں جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں انپر وحی کے ذریعہ نازل فرمائے

اور اس حکم اور معجزہ پر ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰ ع اور عیسیٰ ع کو دیئے گئے اور اس پر بھی جو اللہ نے اور انبیاء علیہم السلام کو دیا، ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی اس شان اور کیفیت کا کہ انہیں تفریق نہیں کرتے کہ ایک پر ایمان رکھیں دوسرے پر نہ رکھیں، اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں، اس نے ہمیں یہ دین اسلام بتلایا ہم نے اسے اختیار کر لیا، بس یہ حاصل ہے کہ اس ملت یعنی اسلام کا جس پر ہم قائم ہیں، جو یقیناً ایک ایسا دین ہے جس پر ایمان لانے سے کسی سمجھدار کو انکار نہیں ہو سکتا، (مظہری، بیان القرآن)

ایک عام بات! اس بات کو تقریباً مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں، ایک ایمان مجمل جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اسکے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو عطاء فرمایا ہے، اس پر ایمان لے آئے، دوسرے ایمان مفصل ہے جسمیں ان سب باتوں پر ایمان لانا ہوتا ہے، جنکو ہم نے اوپر بیان کیا اور ان سب باتوں پر ایمان لانیکی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جتنے نبی اور جتنی کتابیں بھیجیں، وہ سب برحق ہیں، (مرتب)

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ پر لگ جاویں گے اور اگر وہ روگردانی کریں

هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

تو وہ لوگ تو برسر مخالفت ہیں ہی تو تمہاری طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے اللہ تم اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں،

اقوال وتحقیق! اس مقام پر دو الفاظ قابل تحقیق ہیں، اول حنیفاً بعض مفسرین نے فرمایا حنیف کے لغوی معنی ہیں میلان کرنیوالا چونکہ ابراہیم ع نے جمیع ادیان سے ہٹ کر خدا کی طرف میلان کر لیا تھا اسلئے انکا لقب حنیف پڑ گیا اور اسی لئے ہر موحد کا یہ لقب ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ حنیف کے معنی ہیں کسی راستہ سے مڑ جانا پھر اس کو استعمال کیا جانے لگا تمام ادیان سے مڑ کر اسلام کی طرف جھک جانا۔ دوسرا لفظ الاسباط ہے یہ سبط کی جمع ہے جسکے لغوی معنی شاخ دار درخت کے ہیں، اس مناسبت سے اسکا استعمال خاندان اور قبیلہ پر ہونے لگا۔ حضرت یعقوب ع کے بارہ بیٹے تھے ہر ایک کی اولاد ایک مستقل جماعت شمار کی جاتی تھی، ان کو اسباط سے تعبیر فرمایا گیا، اللہ نے حضرت یعقوب ع کے نسل میں دو برکتیں پیدا کی ایک زیادہ اولاد ہونا دوسرے زیادہ نبی ہونے چنانچہ صرف دس نبیوں کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء ع انہی کی نسل میں پیدا کئے گئے وہ دس نبی یہ ہیں، حضرت آدم ع، نوح ع شعیب ع، ہود ع، صالح ع، لوط ع، ابراہیم ع، اسماعیل ع، اسحٰق ع، یعقوب ع اور محمد عربی علیہم السلام،

(مظہری، حقانی، معارف)

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ہم اس حالت پر ہیں جس میں اللہ تم نے رنگ دیا ہے اور کون ہے جسکے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور ہم اسکی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں،

تفسیر! پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ سچا دین کونسا ہے، لہذا اگر یہودی ونصرانی اس کو اختیار کر لیتے ہیں تو یہ بھی مسلمانوں کی طرح ہدایت پالیں گے، اور اگر وہ اس سے گریز کریں منہ پھیریں تو سمجھ لو کہ یہ ضدی ہیں، ہٹ دھرمی کرنے والے ہیں آگے اللہ نے حضور علیہ السلام کو سکون دلایا کہ اگر آپ کو ان کی ضد اور مخالفت سے کوئی اندیشہ وخطرہ ہو تو آپ اس سے بالکل نہ گھبرائے ہم خود ان سے جلد ہی نمٹ لیں گے، ہم ہر بات کو سنتے ہیں ہر کام کو جانتے ہیں ۔

شانِ نزول! حضرت ابن عباس رض سے منقول ہے کہ نصاریٰ کے یہاں جب کوئی بچہ سات دن کا ہو جاتا یا کوئی دین نصرانیت قبول کرتا تو وہ اسے ایک ٹب میں ڈالدیتے جسمیں زرد رنگ کا پانی ہوتا تھا، اس پانی کا نام انہوں نے معمودیہ رکھ رکھا تھا، اس میں غوطہ کھلانے کے بعد وہ یہ تصور کرتے کہ اب یہ بچہ تمام گندگیوں سے پاک صاف ہو گیا ہے، اور سچا نصرانی بن گیا ہے، وہ یہ فعل ختنہ کے بدلہ کیا کرتے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت صِبْغَةَ اللّٰهِ الآیۃ نازل فرمائی ۔

اللہ کا رنگ یعنی اے مسلمانو تم ان نصرانیوں سے کہو کہ ہم نے تو اللہ کا رنگ قبول کر لیا ہے اور کسی کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر نہیں، ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں،

اس آیت نے یہ بتلایا کہ رنگ کا اثر تو دُھل کر ختم ہو جاتا ہے، اصل رنگ تو دین وایمان کا ہے، جو ظاہری و باطنی پاکی کی ضمانت بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، کہ جسطرح رنگ آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس ہوتا ہے، اسی طرح مومن کی علامات اسکے چہرہ اور تمام حرکات وسکنات، معاملات وعبادات سے ظاہر ہونی چاہئیں (مظہری، معارف)

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے حجت کئے جاتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمکو ہمارا کیا ہوا

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

ملے گا۔ اور تمکو تمہارا کیا ہوا ملیگا اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کیلئے اپنے دین کو خالص کر رکھا ہے،

اقوال وتحقیق: - صبغۃ اللہ سے کیا مراد ہے اسکی تین تفسیریں پیش ہیں ۱ اللہ کا دین یہ تفسیر ابن عباس رض حسن رح، کلبی رح وقتادہ رح نے فرمائی ۲ فطرۃ اللہ، یہ تفسیر حضرت مجاہد رح سے منقول ہے ۳ بعض نے سنۃ اللہ سے تفسیر کی ہے، (مظہری وخلاصہ)

تفسیر!

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان یہود و نصاریٰ سے فرما دیجئے، کہ کیا تم لوگ اب بھی ہم سے اللہ کے معاملہ میں جھگڑا کرتے ہو کہ وہ قیامت میں ہم کو نہیں بخشے گا، حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، ہمکو ہمارے اعمال کی جزا ملے گی، اور تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملیگی، بس جب ہم تم دونوں اللہ کو اپنا رب مان چکے تو پھر جھگڑا کیسا۔ اور یہ بھی نہیں کہ ہم تمہارے یا تم ہمارے اعمال چھین لو گے، اگر اس کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو قیامت کا انتظار کرو، وہاں سب کچھ معلوم ہو جائے گا، اور ہم تو بس صرف اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں تمہاری طرح اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔

اخلاص کیا ہے؟

اخلاص کی حقیقت و تعریف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں دو روایتیں اور ایک بزرگ کا قول لکھا جاتا ہے،

حضرت سعید بن جبیر رضؓ سے مروی ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنا عمل خالص اللہ کیلئے کرے، اس سے کوئی دوسری غرض اور ریا و نمود نہ ہو،

حضرت ثوبان رضؓ سے منقول ہے کہ مخلص لوگ رہنمائی کے چراغ ہیں ان کی برکت سے ہر تاریک فتنہ روشن ہو جاتا ہے،

بعض بزرگوں نے فرمایا! کہ اخلاص ایک ایسا عمل ہے جسکو نہ فرشتے پہچان سکتے ہیں نہ شیطان وہ صرف اللہ اور بندہ کے درمیان راز ہے، (معارف و خلاصہ)

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ

یا کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب

كَانُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ

یہود یا نصاریٰ تھے، کہدیجئے کہ تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون

مِمَّنْ كَتَمَ شَهٰدَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾

ہوگا۔ جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو اس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو اور اللہ تمہارے کئے ہوئے سے بیخبر نہیں ہیں،

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا

یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی۔ ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام

كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

تمہارا کیا ہوا آوے گا، اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی،

بے لگام انسان

یہود و نصاریٰ کو بارہا یہ سمجھایا جا چکا کہ حضرت ابراہیم ع وغیرہ یہودی یا نصرانی نہیں تھے، مگر پھر بھی یہ بے لگام انسانوں کی طرح بلا سوچے سمجھے یہی بکے جا رہے ہیں کہ وہ یہودی و نصرانی تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ ان سے یہ کہو کہ حضرت ابراہیم ع وغیرہ کے متعلق تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔ ظاہر ہے کہ یہی کہیں گے کہ اللہ زیادہ جاننے والا ہے تو آپ ان سے فرمائیے تو پھر اللہ تو پہلے ہی فیصلہ فرما چکے کہ یہ حضرات یہودی و نصرانی نہیں تھے بلکہ خالص مسلمان تھے،

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ لوگ بہت بڑے ظالم ہیں کہ شہادتوں کو چھپاتے ہیں، توریت میں اس بات پر شہادت ہے کہ حضرت ابراہیم ع موحد تھے، مشرک نہ تھے، اور یہودیت و نصرانیت سے بھی بری تھے، اللہ تعالیٰ ان کی ان گندی حرکتوں سے غافل نہیں وہ ان کو ایک دن ضرور سخت سزا دیگا،

عقلی دلیل!

حضرت ابراہیم ع یہودی، نصرانی نہیں تھے، یہ بات عقل کی روشنی میں بھی بالکل واضح ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ ع جن سے دین یہودیت شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ ع جن سے نصرانیت شروع ہوا، حضرت اسمٰعیل و ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں، یہ بزرگ انبیاء ع ان دونوں مذہبوں سے برسہا برس پہلے دنیا سے کوچ فرما چکے تھے تو بھلا وہ ان مذہبوں کو کیسے اختیار کرتے، اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹ بول کر ان انبیاء پر یہودیت و نصرانیت کا الزام رکھتے تھے،

اقوال و تحقیق!

تِلْكَ اُمَّةٌ :۔ سوال! اس آیت کو مکرر لانے میں کیا فائدہ ہے، جواب! مبالغہ کے لئے دوبارہ بیان کی گئی تاکہ لوگ اپنے بزرگوں کے بھروسہ پر رہ کر اپنی عاقبت برباد نہ کر لیں۔

جواب نمبر (۲) پہلی مرتبہ خطاب یہود کو کیا گیا تھا۔ اور اب مسلمانوں کو کیا جا رہا ہے کہ کہیں یہ بھی انہی یہود کا اتباع نہ کرنے لگیں۔

جواب نمبر (۳) بعض مفسرین نے فرمایا پہلی جگہ انبیاء مراد ہیں، اور یہاں یہود و نصاریٰ مراد ہیں، (مظہری)

محمد یعقوب قاسمی غفرلہ ولوالدیہ

تمت بعونہ تعالیٰ ــــ شب جمعہ ۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ

ع ۱۶

بیجا فخر کی کوئی اہمیت نہیں

تِلْكَ اُمَّةٌ الآیۃ :- یعنی یہ حضرات انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیمؑ اسماعیل وغیرہ ایک جماعت تھی انہیں وہ مل گیا جو انھوں نے کیا، اور اے یہود و نصاریٰ تمہیں وہ ملے گا جو تم کروگے، اور تم سے ان کے کئے کی کوئی باز پرس نہ ہوگی، پھر کیوں تم ان پر یہودیت و نصرانیت کا الزام باندھتے ہو، اور ان سے کیوں اپنی غلط دینی نسبت قائم کرکے بیجا فخر کرتے ہو، یاد رکھو بیجا فخر کی کوئی اہمیت نہ دنیا والوں کی نظر میں ہے اور نہ دنیا و آخرت کے مالک حق تعالیٰ کی نظر میں کچھ وقعت ہے پھر کیوں خواہ مخواہ تم اس غلط نسبت کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو- ان سب باتوں سے علیٰحدہ ہوکر خدا کی بندگی میں لگو یہی راہ نجات و فلاح ہے (مظہری و خلاصۃ التفاسیر)

الحمد للہ علیٰ انعمہ کہ پارہ ۱ الٓمّٓ کی تفسیر مکمل ہوئی ! محمد یعقوب قاسمی غفرلہ ولوالدیہ و مشائخہ

تفسیر ہٰذا ذیلی کتب تفاسیر سے مستفاد ہے :

---

(۱) بیان القرآن (۲) معارف القرآن (۳) تفسیر مظہری (۴) تفسیر ابن کثیر (۵) فوائد شیخ الہند (۶) خلاصۃ التفاسیر (۷) تفسیر حقانی (۸) جلالین مع حاشیہ (۹) کمالین (۱۰) تفسیر روح المعانی (۱۱) تفسیر کشاف وغیرہم

قسط وار شائع ہونے والی تین عظیم الشان کتابیں

رحمت کے خزانے

یہ کتاب اعمالِ حسنہ کی ترغیب سے متعلق حدیثِ پاک کا عظیم مجموعہ ہے جس کو علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ کے اُستادِ محترم محدثِ جلیل امام شرف الدین دمیاطی علیہ الرحمہ نے ''**المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح**'' کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب اہل عرب کثرت سے اپنے مطالعہ میں رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی امداداللہ انور صاحب مدظلہ نے اس کا اُردو ترجمہ ''رحمت کے خزانے'' کے نام سے کیا ہے۔ موصوف نے ترجمہ کے ساتھ حسبِ ضرورت احادیثِ پاک کی مختصر و عام فہم تشریح بھی فرمائی ہے اور احادیث کی تخریج بھی کی ہے۔

الحمدللہ یہ مکمل کتاب قسطوں میں چھپ کر تیار ہو چکی ہے۔

آسان تفسیر

قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد اس کو سمجھ کر عمل کرنا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آسان تفسیر کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اکابرِ اُمت کی قدیم و جدید مستند و معتبر تفاسیر کا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ جس کو نہایت آسان و عام فہم زبان اور مختصر و جامع انداز میں مولانا محمد یعقوب قاسمی نے قلمبند کیا ہے۔ ترجمہ کلام پاک حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ الحمدللہ یہ تفسیر ۳۲ قسطوں میں مکمل ہو چکی ہے۔

تذکرۃ الانبیاء

اس کتاب میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک مشہور پیغمبروں کے واقعات و حالات اور ان کے ماننے والوں کی فلاح و نجات اور جھٹلانے والوں کا انجام تفصیل کے ساتھ مستند طور پر سلیس و عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ الحمدللہ یہ کتاب سولہ قسطوں میں تیار ہو چکی ہے۔

[illegible]

نوٹ:- خواہش مند حضرات کے مکمل پتے روانہ فرما کر اشاعتِ دین میں تعاون فرمائیں۔ فجزاکم اللہ

IDARA DAWAT-O-TABLEEGH

Gali No. 2, Aali ki Chungi, Mandi Samili Road, Saharanpur-247001 (U.P.) Mob.: 9837375773

اس دور کی سب سے آسان و عام فہم اور مستند تفسیر کلام پاک
جسکا ہر گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے
آسان تفسیر
اردو
ترجمہ قرآن شریف
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ
مرتب
مولانا محمد یعقوب قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند
پارہ سیقول ۲
(شائع کردہ)
ادارہ دعوت و تبلیغ زکریا آباد گلی ۲ آلی جینکی سہارنپور (یو۔پی) ۲۴۷۰۰۱

ھدیہ ،-

فہرست مضامین آسان تفسیر پارہ سیقول ۲

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ
اب تو بے وقوف لوگ ضرور ہی کہیں گے کہ
مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا
ان کو ان کے قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس نے بدل دیا۔ آپ
عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ
فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں جس کو خدا ہی چاہیں سیدھا
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾
طریق بتلا دیتے ہیں۔

تحویل قبلہ پر اعتراض اور اس کا جواب

فخر دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہونچے تو سولہ سترہ مہینے آپ نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف کو بنا دیا تو آپ اس کی جانب رخ فرما کر نماز پڑھنے لگے۔

اس پر یہود اور بعض مشرکین و منافقین نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کا بھی کچھ ٹھکانہ نہیں کبھی قبلہ یہ بن جاتا ہے کبھی وہ، اس آیت میں اللہ پاک نے اس کا حاکمانہ جواب دیا ہے کہ ہم مشرق و مغرب اور تمام سمتوں کے مالک ہیں چاہے جس سمت کو قبلہ متعین کر دیں اس میں کسی کو کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں اور جس کو ہم سیدھی راہ دکھا دیتے ہیں وہ ہمارا حکم مان لیتا ہے اور کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں کرتا۔

مثال یہ بات اس مثال سے خوب واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مل مالک اپنے نوکروں سے کہتا ہے کہ اب تم مشرق والے دروازے سے نہیں بلکہ مغرب والے گیٹ سے اندر داخل ہونا، تو کیا اس میں کسی نوکر کو اعتراض کرنے کا حق ہے۔ ہرگز نہیں۔

استقبال قبلہ کیوں؟ اس موقعہ پر کچھ لوگ اس الجھن میں بھی پھنس جاتے ہیں کہ آخر قبلہ کا استقبال کیوں؟ جب اللہ تعالیٰ ہر سمت کے مالک ہیں تو پھر کسی بھی سمت کو قبلہ بنایا جا سکتا ہے کسی ایک سمت کو متعین کرنا بے سود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص مصلحت و حکمت ہے وہ یہ کہ ایک سمت

متعین فرما کر اللہ پاک مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا سبق سکھانا چاہتے ہیں کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو اپنی عبادت میں سب ایک ہی طرف رخ کرو۔

اب رہ جاتی یہ بات ہے کہ وہ سمت کون سی ہونی چاہیئے اگر اس کو لوگوں پر چھوڑ دی جاتی کہ یہ اپنی مرضی سے متعین کریں تو اس میں پھر جھگڑا تھا اسلئے اللہ پاک نے خود ایک سمت کو مقرر فرما کر اس کی جانب رخ کرکے نماز ادا کرنے کا حکم فرما دیا۔

تحویل قبلہ ایک امتحان تھا قبلہ بدل کر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کا امتحان لیا تھا تاکہ ظاہری طور پر معلوم ہو جائے کہ کون ہمارے حکم کا اتباع کرتا ہے اور کون اپنی رائے پر چلتا ہے چنانچہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد بعض کمزور ایمان والوں اور منافقوں نے حضور پر الزام لگایا کہ آپ اپنی قوم کے دین کی طرف پھر گئے اور جو صحیح معنی میں مومن تھے انھوں نے اپنے فرمانبردار ہونے کا ثبوت اس طرح دیا کہ وہ نماز ہی میں گھوم گئے، چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ سب سے پہلی نماز جو حضور علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی جانب رخ کرکے ادا فرمائی وہ عصر کی تھی آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی ادا کی ان میں سے ایک صحابی کا گذر مسجد حارثہ کے قریب سے ہوا وہ لوگ رکوع میں تھے، یہ صحابی بولے کہ میں نے رسول خدا کے ساتھ بیت اللہ شریف کی جانب رخ کرکے نماز پڑھی ہے، یہ سن کر وہ حضرات رکوع ہی کی حالت میں بیت اللہ کی طرف گھوم گئے۔

بلاشبہ جو حضرات اللہ و رسول کے مطیع و فرمانبردار ہوتے ہیں ان کا یہی عالم ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے اپنی عقل کو فیل سمجھتے ہیں اور جو لوگ نافرمان اور سرکش ہوتے ہیں وہ اپنی عقل سے کام لیتے ہیں اور خدا کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى

اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو

النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

اور تمھارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں۔

تفسیر اس آیت پاک میں امت محمدی کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ ہم نے اس کو امت وسط (معتدل) بنایا کہ ہر ایک کو اس کے مقام اور درجہ پر رکھتی ہے، خدا کو خدا کا درجہ دیتی ہے اور رسول کو رسول کے درجہ میں مانتی ہے، یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں

کہ اگر انبیاء کے مقام کو بڑھایا تو اس قدر کہ ان کو خدا کا بیٹا قرار دیدیا اور جب ان کو مقام سے نیچے اتارا تو اس قدر کہ ان کے پیغامات کو ٹھکرا دیا اور نعوذ باللہ انبیاء کو قتل کرڈالا۔

امت محمدیہ کو معتدل (درمیانی) بنا کر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ یہ شرف بخشیں گے کہ یہ انبیاء کے حق میں گواہی دے گی جس کو قبول کیا جائے گا، چنانچہ بخاری و نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوح ؑ سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ ہمارا پیغام تم نے اپنی امت کو پہونچا دیا تھا وہ عرض کریں گے جی ہاں، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا، تو وہ انکار کردے گی کہ ہمارے پاس تو کوئی نبی ہی نہیں آیا اس وقت گواہ کی ضرورت پڑے گی تو حضرت نوح فرمائیں گے کہ امت محمدی میری گواہ ہے، چنانچہ یہ امت حضرت نوح ؑ کے حق میں گواہی دے گی، اس کے بعد امت محمدیہ سے یہ سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم کو ہماری دعوت پیش کی تھی یہ کہے گی کہ آپ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ہم سے فرمائی تھی چنانچہ دربار خداوندی میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب کیا جائے گا، اور آپ سے اس بات کی گواہی لی جائے گی تو آپ تصدیق فرمائیں گے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ حضرت نوح ؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں فیصلہ فرمائیں گے اور ان کے مخالفین کو مجرم قرار دے کر عذاب میں مبتلا کردیا جائے گا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس مصلحت کے لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہوجائے کہ کون تو رسول اللہ

يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً

صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے، اور یہ قبلہ کا بدلنا ہوا بڑا ثقیل

إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ

مگر جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ضائع اور ناقص کردیں (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت ہی شفیق مہربان ہیں۔

تفسیر ان آیات میں یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ اصل میں تو ہم نے امت محمدی کے لئے کعبہ شریف ہی کو قبلہ متعین کیا تھا مگر عارضی طور پر چند روز کے لئے بیت المقدس کو

قبلہ صرف اس غرض سے بنا دیا تھا تاکہ ظاہری طور پر بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے پیغمبر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پورے طور پر کون اتباع کرتا ہے اور کون مخالفین کی باتوں میں آکر دین محمدی سے ہٹ جاتا ہے چنانچہ جس وقت قبلہ بدلنے کا حکم نازل ہوا تو بہت سے کمزور ایمان والے اور منافق اسلام سے پھر گئے

شانِ نزول بخاری شریف و ترمذی شریف میں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ کا شان نزول بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت قبلہ بدلنے کا حکم نازل ہوا تو چند صحابہ کرام نے حضور سے سوال کیا کہ ہمارے مومن بھائی جو اس دور میں کہ جب ہمارا قبلہ بیت المقدس تھا انتقال فرما گئے ہیں ان کی نمازوں کا کیا ہوگا یعنی وہ قبول ہو چکی یا نہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب مرحمت فرمایا کہ ہم ایسے نہیں کہ کسی کے ایمان یا نماز کو ضائع کریں ان کی وہ نمازیں بالکل صحیح ادا ہوئی ہیں۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

کر دینگے جس کیلئے آپ کی مرضی ہے پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

اپنے چہروں کو اسی کی طرف کیا کرو، اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ بالکل ٹھیک ہے ان کے پروردگار

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ہی کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں۔

تفسیر ان آیات میں پہلے حضور علیہ السلام کی تمنا اور خواہش کا ذکر ہے کہ آپ کو کعبہ کی طرف منہ کرنا محبوب ہے جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا مذہب بہت پسند

اقوال و تحقیق ایمانکم کی ایک تفسیر نماز سے کی گئی ہے جس کی تشریح اوپر مذکور ہوئی، بعض حضرات نے ایمان کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کر کے مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد مخالفین صحابہ کرام کو ایمان سے منحرف سمجھنے لگے تھے، اس آیت میں اس کی تردید فرما دی گئی۔

تھا آپ چاہتے تھے میرا قبلہ بھی وہی ہو جو حضرت ابراہیم ؑ کا تھا یعنی کعبہ شریف، اور اس میں ایک فائدہ آپ ؐ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ پورا عرب حضرت ابراہیم ؑ کے مذہب کی دل سے قدر کرتا ہے اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے تو جب میرا قبلہ بھی وہی ہو جائے گا تو بہت ممکن ہے کہ اہل عرب اسلام قبول کرلیں اس لئے آپ بار بار آسمان کی جانب اس امید پر منہ اٹھاتے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کعبہ کو قبلہ متعین فرمانے کی وحی بھیجدیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ ادا پسند آئی اور وحی بھیجی کہ ہم ضرور اس قبلہ کی طرف آپ ؐ کو رخ کرنے کا حکم دیدیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں، گویا کہ اس جملہ میں حق تعالیٰ نے آپ سے کعبہ کو قبلہ بنانے کا وعدہ فرمایا جس سے آپ کو بے حد خوشی ومسرت ہوئی اور پھر ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینے بعد درمیان ماہ رجب بروز پیر کو آپ کا قبلہ مسجد حرام یعنی کعبہ کو متعین فرمادیا۔

وان الذین اوتوا الکتاب الایۃ چونکہ قبلہ کے بدل جانے پر طعنہ بازی زیادہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) ہی کررہے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے متعلق فرمایا کہ یہ اہل کتاب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ محمد عربی ؐ کا قبلہ بدل جانا برحق اور منجانب اللہ ہے کیونکہ توریت وانجیل میں اس کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے مگر صرف حسد اور جلن کی وجہ سے یہ لوگ اس طرح کی باتیں بنا رہے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے اس مکروفریب سے غافل نہیں ان کے کئے کی بہت جلد ان کو سزادیں گے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا

اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے تمام دلیلیں پیش کردیں جب بھی یہ آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں، اور

قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ

آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کرسکتے اور ان کا کوئی فریق بھی دوسرے کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا،

بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کو اختیار کرلیں آپ کے پاس علم آئے پیچھے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار

اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾

ہونے لگیں۔

تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہ تھی کہ یہود و نصاری بھی اپنا وہ مذہب چھوڑ کر جو منسوخ ہو چکا ہے میرا مذہب (اسلام) اور میرا قبلہ (کعبہ شریف) ماننے لگیں تاکہ ان کو نجات اخروی حاصل ہو، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال سے آپ کو باخبر فرمادیا کہ اگر آپ یہود و نصاری کے سامنے ہر طرح کی دلیل و حجت بھی پیش فرما دیں گے تب بھی یہ آپ کے قبلہ کو ماننے والے نہیں۔ یہ آپ کے قبلہ کو تو کیا مانیں گے انھوں نے خود اپنے ہی قبلے الگ الگ کر رکھے ہیں کہ یہود سمت مغرب کو اپنا قبلہ بناتے ہیں اور نصرانی سمت مشرق کو اپنا قبلہ بناتے ہیں، اس کے بعد حضور علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا گیا کہ آپ بھی ان کے قبلہ کو نہ مانئے نہیں تو آپ کا شمار ظالمین میں ہو جائے گا، اس میں در حقیقت آپ کی امت کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبر کے لئے جو قبلہ متعین فرمایا ہے تم اس پر اس قدر مضبوطی سے جم جاؤ کہ اگر دوسری قومیں بھی تم کو بہکا کر آپ کے قبلہ سے ہٹانا چاہیں تو تم نہ ہٹ سکو اور یاد رکھو اگر تم ہٹ گئے تو ظالم کہلاؤ گے اور اس کی سزا پاؤ گے

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ؕ وَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول اللہ کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں

اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ

اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں اخفا کرتے ہیں، یہ امر واقعی من جانب اللہ ہے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

سو ہرگز شک و شبہ لانے والوں میں سے نہ ہونا

یہود و نصاری کی ہٹ دھرمی ان آیات میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے کہ یہ محمد عربی کو اس حیثیت سے کہ وہ ہمارا نبی ہے اسطرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رض نے یہود کے ایک بہت بڑے عالم عبداللہ ابن سلام سے دریافت کیا کیا تم ہمارے پیغمبر کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہو، اس نے جواب دیا اس سے بھی زیادہ اچھی طرح۔

مگر اس کے باوجود ان اہل کتاب میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ دین حق کو چھپاتے ہیں اور اس سے روگردانی کرتے ہیں، اس کے بعد حضور ص کو مخاطب کرکے آپ کی امت کو سمجھایا گیا کہ دین حق وہی ہے

جو تمھارے پروردگار کی جانب سے اترا ہے تم اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ مت کرو بلکہ مضبوطی سے اسے تھام لو نجات پا جاؤ گے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا

اور ہر شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا رہا ہے سو تم نیک کاموں میں لگا ہو کرو تم

يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۴۸)

خواہ کہیں ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کردیں گے۔ بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں

ہر امت کیلئے ایک قبلہ ہے تحویل قبلہ کا بیان بہت سی آیتوں میں آرہا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری قومیں اس سلسلہ میں مسلمانوں سے کافی بحث و مباحثہ کیا کرتی تھیں، اسی بحث و مباحثہ کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے ہر قوم و ملت کے لئے ایک قبلہ مقرر فرمایا ہے یہود کے لئے بھی ایک قبلہ تھا اور نصاریٰ کے لئے بھی ایک قبلہ تھا غرض ہر قوم راست رہا ہے، دینے و قبلہ گاہ ہے،

اور اسی طرح اے امت محمدیہ ہم نے تمھارے لئے بھی ایک قبلہ مقرر کیا ہے بس اس قبلہ کی بحث کو چھوڑو اور نیک کاموں کی طرف جھپٹو۔ کیونکہ ایک دن (روز قیامت) ایسا آنے والا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم کو حاضر کرلیں گے اور اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ وہ بہت بڑی طاقت والا ہے اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے پھر تم سے تمھارے کئے کے متعلق سوال کرے گا اور اسی کے مطابق سزا و جزا، ثواب و عذاب دے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جاویں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے اور یہ بالکل حق ہے

وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۱۴۹) وَ

آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارے کئے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں، اور

مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ

آپ جس جگہ سے بھی باہر جاویں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھئے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ

اور تم لوگ جہاں کہیں ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف رکھا کرو تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں

لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

گفتگو نہ رہے مگر ان میں جو بے انصاف ہیں تو ایسے لوگوں سے اندیشہ نہ کرو۔

وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ تم پر جو میرا انعام ہے اس کی تکمیل کردوں اور تاکہ تم راہ راست پر رہو۔

تفسیر قبلہ کے بدل جانے پر چونکہ مخالفین نے ہنگامہ کر رکھا تھا اور خوب شور وغل مچا رکھا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو تاکید کے لئے تین مرتبہ بیان فرمایا اور اس میں مسلمانوں کو بھی اطمینان دلا دیا کہ اب تمہارا قبلہ کعبہ شریف ہی ہے اب اس میں کسی طرح کی رد و بدل نہیں ہوگی۔

تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے حضور علیہ السلام بیت المقدس کو قبلہ بنائے ہوئے تھے اس پر یہود و نصاریٰ اعتراض کیا کرتے تھے کہ توریت و انجیل میں نبی آخر الزماں کا قبلہ کعبۃ اللہ ہے پھر یہ بیت المقدس کو قبلہ کیوں بنائے ہوئے ہیں ان آیات کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے حضور کی طرف سے ان پر حجت فرما دی کہ محمد عربی کا قبلہ کعبہ شریف ہی ہے اور ہمیشہ یہی رہے گا۔

مخالفین سے نہ ڈریئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا کہ ان مخالفین میں جو بہت ہی زیادہ تعصب پرست، کٹ حجت اور بے انصاف لوگ ہیں وہ اب بھی طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہیں گے، آپ ان مخالفین کے اعتراضوں سے نہ ڈریئے بلکہ مجھ سے خوف کھاتے رہیئے اور جو قبلہ میں نے آپ کے لئے متعین کر دیا ہے اس پر جمے رہئے تاکہ میرا فضل وکرم اور انعام و اکرام تم پر ہوتا رہے اور تم دین مستقیم پر رہو۔

اللہ تعالیٰ پوری امت محمدیہ کو دین اسلام پر استقامت نصیب فرمائے آمین۔

اقوال و تحقیق شطر المسجد الحرام ۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس جملہ کو تین بار کیوں ذکر فرمایا اس کی امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں بہت سی وجوہات بیان فرمائی ہیں ہم نے یہاں دو کے بیان پر اکتفاء کیا ہے وَحُوَتَكَفِيكَ انشاء اللہ۔

(۱) جو سب سے زیادہ بہتر اور سہل تھی اس کو ہم نے تفسیر کے ضمن میں قلمبند کر دیا

(۲) پہلا جملہ مکہ والوں کے لئے ہے اور دوسرا جملہ شہر والوں کے لئے ہے اور تیسرا حکم مسافروں کے لئے ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور تمھاری

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع

نہ تھی، پس مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میری شکر گذاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو۔

۱۸ ع ۵ ۲

تفسیر اس سے پہلی آیات میں قبلہ کا ذکر آیا اور کعبہ شریف کو قبلہ بنا کر اللہ پاک نے امت پر انعام فرمایا، اسی طرح ایک بہت بڑا انعام و احسان یہ فرمایا کہ ہمارے لئے ایک رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجا جو ہم ہی میں سے ہے۔

اس آیت کا تعلق اگر خاص قریش اور اہل عرب سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمھارے ہی میں سے تمھارا ہم زبان رسول مبعوث فرمایا۔ اور اگر اس آیت کا تعلق پوری امت سے رکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمھارا رسول انسان ہی میں سے بھیجا ہے فرشتوں یا جنات میں سے نہیں، ظاہر ہے اگر رسول فرشتہ یا جن ہوتا تو ہم مزاج نہ ہونے کی وجہ سے امت طرح طرح کی مشکلات میں پھنس جاتی، پس یہ اللہ کا خاص احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسے رسول کی امت میں پیدا فرمایا

تعلیمات رسول اس کے بعد اس معظم رسول کے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ہمارے قرآن کی آیتیں پڑھ کر تمھیں سناتے ہیں اس کا مطلب تم کو سمجھاتے ہیں اور جو باطل عقیدے تمھارے دلوں میں جمے ہوئے ہیں ان سے تم کو پاک وصاف کرتے ہیں اور تمکو مزید بہت سی ایسی مفید اور کارگر باتیں تعلیم کرتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے یعنی ہم نے ان کو دوسری آسمانی کتابوں میں بھی ذکر نہیں کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے ان انعامات کے شکریہ میں میری عبادت واطاعت کرکے مجھے یاد رکھو پھر میں بھی تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا یاد رکھنا یہ ہے کہ تم کو ثواب اور جنت دوں گا، اور ہر حال میں میرا شکریہ ادا کرتے رہو، کسی مصیبت میں بھی میری ناشکری مت کرو۔

دلچسپ واقعہ حضرت ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں ایسے وقت کو جانتا ہوں جس وقت اللہ ہمیں یاد کرتا ہے لوگوں نے تعجب کے ساتھ عرض کیا حضرت آپ کو کیسے معلوم ہے ہمیں بھی بتلایئے، آپ نے یہی آیت

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ تلاوت کی یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔ اور فرمایا کہ اس آیت کی روشنی میں ہم سب آسانی سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ جس وقت ہم اللہ کی یاد میں مشغول ہوں گے وہ ہمیں یاد کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کے ساتھ رہتے ہیں۔

تفسیر تحویل قبلہ پر چونکہ مخالفین طرح طرح کے اعتراضات اور الزامات لگاتے تھے اگرچہ ان سب کا مدلل جواب منجانب اللہ دیا جا چکا مگر پھر بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں پر رنج و غم اور صدمہ کا اثر تھا اس کے ازالہ کا طریقہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے

رنج و غم سے چھٹکارہ کا طریقہ فرمایا جارہا ہے کہ اے مومنو تم رنج و غم اور ہر طرح کی پریشانی و مصیبت میں صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو جب انسان پر کوئی پریشانی آئے تو اس کو چاہیئے کہ یہ سوچ کر کہ میرے مقدر میں تھی اور اس کا آنا منجانب اللہ ہے اور اللہ ہی وقت آنے پر میری اس پریشانی کو راحت و خوشی میں بدلے گا، آدمی کو صبر کرنا چاہیئے اور نماز کی طرف پورا پورا دھیان دینا چاہیئے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے پر انشاء اللہ رنج و غم سے چھٹکارا مل جائیگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اسے راحت و سکون ملتا ہے تو اس پر یہ شکر کرتا ہے جس کے بدلہ میں اجر و ثواب کا مستحق بنتا ہے اور جب رنج و غم پہونچتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے جس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کو اجر و ثواب مرحمت فرماتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ جب رسول خدا ﷺ کو کوئی غم پہونچتا تھا تو آپ نماز پڑھنا شروع کر دیتے تھے افسوس ہماری یہ حالت ہے کہ جب کوئی غم پہونچتا ہے تو رونا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں، ہمیں پیغمبر خدا کے اس طریقہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

صابرین کیلئے بشارت مومنو! صبر کرنے والوں کا عنداللہ بہت بڑا درجہ اور مقام ہے، چنانچہ امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ اٹھیں اور بغیر حساب و کتاب کے جنت میں چلے جائیں

چنانچہ یہ حضرات جنت کی طرف چل دیں گے وہاں فرشتے انھیں روکیں گے کہ تم بغیر حساب کے کہاں جارہے ہو یہ عرض کریں گے کہ ہم صبر کرنے والے ہیں فرشتے کہیں گے پھر تو جاؤ اور جنت کے مزے لوٹو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ تو

لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کرسکتے۔

تفسیر شہید کیلئے مردہ کا لفظ استعمال کرنا صحیح اور جائز ہے لیکن شہید کی موت کو دوسرے مردوں کی موت کی طرح نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک نرالی شان عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ شہید کے جسم کو زمین خرد برد نہیں کرتی بلکہ اس کا جسم زمین میں دفن ہوکر بھی زندہ لوگوں کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے۔ اسی لئے اس کو زندہ سمجھا گیا ہے اور مردہ سمجھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

شہید کی فضیلت قرآن و حدیث میں شہداء کی بہت سی فضیلتیں مذکور ہیں چنانچہ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر و تفریح کرتی ہیں اور پھر آکر عرش کے نیچے ٹنگے ہوئے قندیلوں میں بیٹھ جاتی ہیں

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ

پھلوں کی کمی سے آپ ایسے صابرین کو بشارت سنادیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ

کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں، ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں

رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہوگئی۔

خدا کی آزمائش کے طریقے خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے کبھی ان پر انعام واکرام کی بارش برسا کر آزماتا ہے کہ میرا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں یا نہیں اور کبھی مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار بنا کر آزمائش فرماتے ہیں کہ اس پر صبر کرتا ہے یا نہیں، چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہے کہ ہم کبھی کبھی امتحان لیا کرتے ہیں دشمنوں اور مخالفوں کے خوف میں مبتلا کرکے، فقر وفاقہ میں گھیر کے، مال ضائع کرکے، بیماری میں مبتلا کرکے کسی عزیز وا قارب

پیداوار میں کمی کرکے یا اس کو ضائع اور تباہ وبرباد کرکے وغیرہ۔
جو ان سب پریشانیوں کو جھیل کر بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑتا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، پڑھتا ہے یعنی ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، یہ یقین رکھتا ہے تو ان کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے ہماری ہر طرح کی رحمتیں اور نعمتیں ہیں اور یہی لوگ صراط مستقیم پر گامزن اور فائز ہیں

اِنَّا لِلّٰہِ کی برکت حدیث میں ہے کہ جب تم کو کوئی رنج وغم اور پریشانی پہونچے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ لیا کرو اس کی برکت سے وہ سب ختم ہو جاتے ہیں حدیث پاک میں ہے جب تمہارا کچھ ضائع ہو جائے تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ لینا چاہیے یا تو حق تعالیٰ دنیا ہی میں اس سے بہتر عطا فرمادیں گے نہیں تو آخرت میں ضرور اس سے بہتر عنایت کی جائے گی۔

فائدہ کسی گمشدہ چیز کی تلاش کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے سے وہ چیز مل جاتی ہے۔

ایک واقعہ حضرت ابوسنانؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا ابھی میں اس کی قبر سے نکل ہی رہا تھا کہ حضرت ابوطلحہ خولانی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر نکالا اور فرمایا سنو! میں نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے فرشتے سے معلوم کرتا ہے کہ جس وقت تو میرے بندے کے لخت جگر معصوم بچے کو چھینتا ہے تو بتلا وہ کیا کہتا ہے فرشتے نے عرض کیا وہ اس وقت بھی آپ کی ہی حمد کرتا ہے اور اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جاؤ اس کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھدو۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ

تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار خداوندی ہیں، سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ

اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمدورفت کرنے میں، اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر

اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

کرے حق تعالیٰ اس کی قدردانی کرتے ہیں خوب جانتے ہیں

تفسیر صفا و مروہ مکہ شریف میں دو پہاڑیاں ہیں، حج اور عمرہ میں کعبہ کا طواف کرکے ان کے درمیان دوڑتے ہیں، چلتے ہیں جس کو سعی کہتے ہیں، چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ سعی ہوتی تھی اور اس وقت صفا و مروہ پر کچھ مورتیاں رکھی تھیں اس لئے بعض مسلمانوں کو یہ شبہ پڑ گیا کہ شاید یہ رسوم جاہلیت سے ہو اور گناہ کا کام ہو اور بعض زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو گناہ سمجھتے تھے، اس لئے یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید اسلام میں بھی صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا سعی کرنا گناہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر اس شبہ کو ختم فرمایا اور حکم فرمایا کہ اس نیک کام کو تم کیا کرو ہم نیک کام کرنے والوں کی قدر کرتے ہیں اور ان کے اخلاص کی بقدر ان کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔

مسلک ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ سعی کرنا واجب ہے، اس کو چھوڑنے پر ایک بکری ذبح کرنا پڑتی ہے۔ امام شافعیؒ و امام مالکؒ نے فرض فرمایا ہے اور امام احمدؒ سنت و مستحب قرار دیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ

جو لوگ اخفا کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ واضح ہیں اور ہادی ہیں بعد اس کے کہ ہم

اقوال و تحقیق آیت مذکور کا ایک شان نزول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انصار رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کعبہ کے طواف کا حکم ہے، صفا و مروہ کا نہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَلَا جُنَاحَ حضرت عروہؓ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سعی نہ کی جائے تو کوئی حرج نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ سعی بین الصفا والمروۃ واجب نہیں بلکہ مستحب و بہتر ہے، حضرت عائشہ نے جواب دیا بھتیجے تم اس کا مطلب صحیح نہیں سمجھے اگر اللہ کو یہ بیان کرنا مقصود ہوتا تو اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا فرماتے۔ اس کے بعد بھی اگر کسی کو اعتراض رہے تو حدیث میں اس کو واضح کر دیا گیا ہے، چنانچہ بیہقی کی روایت ہے اِسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ یعنی سعی کرو کیونکہ اللہ نے تم پر سعی کو فرض فرمایا ہے۔

مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ

ان کو کتاب میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور لعنت کرنے والے

اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ

بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور ظاہر کردیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہوجاتا

اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کرلینا اور مہربانی فرمانا۔ البتہ جو لوگ اسلام نہ لادیں

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

اور اسی حالت غیر اسلام پر مرجاویں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت فرشتوں کی

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

اور آدمیوں کی بھی سب کی وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاویگا

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

علم کے چھپانے پر وعید یہ آیتیں علماء یہود کے بارے میں نازل فرمائی گئی ہیں جن کی عادت تھی کہ دنیوی منافع کے پیش نظر دین کی باتیں چھپاتے تھے، ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ تمام مخلوق ان پر لعنت کرتی ہے۔

تنبیہ:۔ اس آیت میں ہر اس عالم کے لئے وعید ہے جو اپنے علم دین کو چھپائے رکھتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنی اس نازیبا حرکت یعنی علم کو چھپانے سے باز آجاتے ہیں اور لوگوں میں اس کو عام کردیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں اور جو لوگ اپنی اس عادت پر اخیر عمر تک جمے رہتے ہیں اور کفر کی حالت پر مرتے ہیں تو ان پر ہمیشہ ہمیشہ خدا و رسول فرشتوں اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہوتی رہتی ہے اور ان کو جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے جس میں یہ ہمیشہ عذاب میں ہی رہتے ہیں آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اس سے چھٹکارہ نہیں ملتا۔

چند مسائل علم چھپانے پر جو وعید ان آیات میں بیان کی گئی ہے اس کے متعلق حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اس کے سوا کوئی دوسرا عالم مسئلہ بیان

کرنے والا نہ ہو اگر دوسرا موجود ہو تو گنجائش ہے کہ یہ کہدے کہ دوسرے علماء سے دریافت کرلیجئے ،
(۲) جس کو خود صحیح معلومات نہ ہوں اسے مسائل بتانے کی قطعًا جرات و ہمت نہ کرنی چاہیئے۔
(۳) یہ وعید انہیں مسائل کے بارے میں ہے جو قرآن وحدیث میں واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں اور جن کے بیان کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے، اور وہ باریک مسائل جن کو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں گے ان کو عوام کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے ۔ ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت ابن مسعود رضہ نے فرمایا کہ اگر تم عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ سکیں تو وہ فتنہ میں مبتلا ہوجائیں گے ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ عام لوگوں کے سامنے صرف اتنا ہی علم ظاہر کرو جس کو وہ سمجھ سکیں اور ان کی عقل وفہم برداشت کرسکے
بہرحال ایک عالم کا یہ فرض ہے کہ مخاطب کی صلاحیت و قابلیت کے اعتبار سے ان کو دین کی باتیں سنائے اگر حکمت سے بھرپور علمی بحثیں ان کے سامنے بیان کرے گا تو وہ بقول حضرت علیؓ اللہ ورسول کی تکذیب تک پہونچ سکتے ہیں بوجہ ان امور کے نہ سمجھنے کے ان کا انکار کرنے پر

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾ إِنَّ

اور جو تم سب کا معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود ہے اسکے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ۔ وہی

فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

رحمٰن ہے اور رحیم ہے ، بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں

الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ

اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ تعالےٰ نے آسمان

مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ

سے برسایا پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلادیئے

وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ

اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید رہتا ہے دلائل ہیں ان

لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾

لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں

خدا کی وحدانیت شروع آیت میں اللہ پاک نے اپنی وحدانیت کو بیان فرمایا کہ اے بندو تم جس کی بندگی کردو وہ صرف میں ہوں میرے علاوہ کوئی بھی مستحق بندگی نہیں، مشرکین جو سیکڑوں بتوں کی بندگی کرتے تھے جب انھوں نے یہ بات اپنے عقیدہ کے خلاف سنی تو کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر حقیقت میں تیرا ایک ہی معبود ہے اور اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں تو اس کی دلیل کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ نازل فرمائی۔

خدا کی وحدانیت اور قدرت پر دلائل یوں تو خدا کی وحدانیت پر جہاں کا ذرّہ ذرّہ روشن ثبوت اور دلیل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سات چیزوں کو دلیل بنا کر خاص طور پر پیش فرمایا ہے۔

(۱) زمین و آسمان کی پیدائش اور پھر ان کا صحیح نظام کے ساتھ ایک عرصہ سے قائم رہنا اس کا واضح ثبوت ہے کہ معبود ایک ہے ظاہر ہے اگر ایک سے زائد ہوتے تو ان کا نظام درہم برہم ہوجاتا۔

(۲) رات اور دن کا بدلنا یعنی رات آتی ہے تو دن ختم ہوجاتا ہے، اور کبھی رات بڑی کبھی دن بڑا، اسی طرح کہیں دن ہے کہیں رات ہے بلکہ بعض جگہ دو مہینے کے برابر دن ہوتا ہے اور کہیں چھ مہینے کے برابر ہوتا ہے یہ سب عجیب وغریب باتیں خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر کھلی دلیل ہیں

(۳) پانی میں کشتی چلنا پانی جو بہنے والا ہے اس کی پیٹھ کو اسقدر مضبوط بنا دینا کہ اس پر لاکھوں من وزن کے جہاز مشرق سے مغرب تک آرام سے چلے جاتے ہیں یہ تعجب خیز امر بھی خدا کی قدرت، وجود اور وحدانیت کا ثبوت ہے۔

(۴) آسمان سے بارش برسائی جس سے خشک زمین کو تروتازہ کردیا کہ زمین سے مختلف قسم کی چیزوں کو اُگایا، اناج، سبزی، پھل، پھول، چارہ، گھانس وغیرہ۔

(۵) زمین پر حیوانات پھیلا دیئے جن کی قسمیں ہزاروں سے بھی زائد ہیں، پھر ان میں بعض توالد وتناسل سے پیدا ہوتے ہیں جیسے آدمی اور گائے بھینس وغیرہ بعض برساتی پانی سے پیدا ہوتے ہیں جیسے مینڈک اور جھینگر وغیرہ اور بعض کو مٹی سے پیدا کیا جیسے زمین کے بہتیرے کیڑے مکوڑے

(۶) ہواؤں کا بدلنا کبھی گرم کبھی ٹھنڈی کبھی تیز کبھی ہلکی، کبھی شرقی کبھی غربی وغیرہ۔

(۷) بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان معلق کردینا۔ کہ لاکھوں من پانی لئے ہوئے یہ بادل روئی کی طرح اڑتے پھرتے رہتے ہیں جب کہ پانی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ نیچائی میں آکر رُکتا ہے۔

یہ تمام کی تمام چیزیں خدا کی قدرت اس کے وجود اور اس کی وحدانیت پر عقل مندوں کے لئے کھلی دلیل اور واضح ثبوت ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی

اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

محبت اللہ سے ضروری ہے۔ اور جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم جب

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ لا اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا لا وَّاَنَّ اللّٰهَ

کسی مصیبت کو دیکھتے تو اسکے وقوع میں غور کرکے سمجھ لیا کرتے کہ سب قوۃ حق تعالیٰ ہی کو ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا

شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

عذاب سخت ہوگا۔

تفسیر

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت پر سات دلیلیں پیش کر چکے جنکے بعد کم سے کم عقل والے کے لئے بھی یہ سمجھنا آسان ہوگیا تھا کہ عبادت کے لائق صرف خدا کی ذات ہے اسکے علاوہ اور کوئی معبود بننے کے لائق نہیں مگر اس کے باوجود کچھ لوگ اتنے بیوقوف ہیں کہ خدا کے سوا مورتیوں، چاند، سورج وغیرہ کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں اور ان سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی کہ اللہ سے کرنی چاہیئے اور جن لوگوں نے اپنی عقل کا صحیح استعمال کیا وہ صحیح منزل پر پہونچے کہ عبادت کے لائق خدائے بالا و برتر ہی کی ذات ہے، اسکے ہاتھ میں ہر طرح کا نفع ونقصان ہے اور یہ اپنے خدا سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ دوسری قومیں اپنے معبودوں سے اتنی محبت کبھی نہیں کر سکتی کیونکہ دوسری قوموں کا یہ حال ہے کہ آفات ومصیبت کے وقت میں اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور بعض تو ان کو برا کہہ دیتے ہیں، برخلاف مومنوں کے کہ یہ اپنے معبود کو مصیبت میں بھی نہیں بھولتے بلکہ ایسے وقت میں اللہ کا دامن اور مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں کہ ہماری ان مصیبتوں کو صرف آپ ہی دور کر سکتے ہیں۔

مشرکین کو مشورہ

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ الآیہ اس آیت میں مشرکین کو راہِ حق پر آنے کا راستہ دکھلایا گیا ہے اس طور پر کہ جب مشرکین دنیا میں کسی مصیبت کا شکار ہوتے ہیں تو اس میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کریں کہ تمام قوت وقدرت خدا ہی کو ہے دوسرے سب اس کے سامنے عاجز ہیں کہ نہ کوئی اس مصیبت کو روک سکا نہ ٹال سکا اور نہ ایسے وقت میں کوئی بت وغیرہ یاد رہا، اس مصیبت کی شدت میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کریں کہ اللہ کا عذاب جو آخرت میں ملے گا بہت سخت ہوگا، اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ معبودوں کا عجز اور اللہ کی قدرت وعظمت معلوم ہوگی اور "راہِ حق"

دین اسلام توحید وایمان اختیار کرنے کے لئے روشنی ملے گی۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَ

جب کہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان لوگوں سے صاف الگ ہوجاویں گے جو انکے کہنے پر چلتے

تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا

تھے اور سب عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور باہم ان میں جو اختلافات تھے اسوقت سب قطع ہوجاوینگے اور یہ تابع لوگ

كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ

یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہوجائیں گے جیسا یہ ہم سے صاف

أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

الگ ہو بیٹھے اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کرکے ان کو دکھلا دینگے اور ان کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا

مشرکین کی بدحالی

ان آیات میں ارشاد ہے کہ ان مشرکین کو اپنی بدحالی کا صحیح علم آخرت میں ہوگا جس وقت ان کے وہ پیشوا جو ان کو دنیا میں غلط راہ پر چلا رہے ہیں اور جن کو یہ اپنا مشکل کُشا اور ہر حال میں مددگار سمجھتے ہیں خدا کے سامنے پیشی کے وقت ان سے بالکل کنارہ کش ہوجائیں گے اور صاف صاف کہہ دیں گے پروردگار ان کا ہمارا کوئی تعلق نہیں، پیشواؤں کی یہ بات سنکر ان کے ماننے والے مشرکین جوش میں آجائیں گے اور کہیں گے کہ انھوں نے ہمیں دھوکہ میں رکھا جس کی وجہ سے ہم عذاب میں مبتلا کئے جارہے ہیں۔ اور پھر پروردگار سے عرض کریں گے کہ آپ ہمیں ایک بار پھر سے دنیا میں بھیجدیجئے تاکہ ہم بھی ان سے اسی طرح کا معاملہ کریں اور اسی طرح کنارہ کش ہوجائیں جس طرح یہ ہم سے ہوگئے۔ مگر وہاں سے دنیا میں واپس آنا ممکن نہیں اس لئے حق تعالیٰ فرمائیں گے بس اب تو تم بھی اور تمھارے رہبر وپیشوا بھی عذاب بُھگتے رہو، اس سے اب تمھیں کبھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا

اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ

قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ تمھارا صریح دشمن ہے اور تم کو ان ہی باتوں

بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

کی تعلیم کرے گا جو کہ بُری اور گندی ہیں اور یہ کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ کہ جس کی تم سند بھی نہیں رکھتے۔

تفسیر بہت سے مشرک لوگ بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے اور پھر ان کی اس قدر عزت و عظمت کرتے تھے کہ ان سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے اور اپنے اس کام کو حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے اور یہ اعتقاد رکھتے کہ یہ بت خدا کے یہاں ہماری سفارش کرکے نجات دلا دیں گے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کردی اور فرمایا کہ اے میرے بندو جو چیزیں حلال اور پاک ہیں ان کو اپنے استعمال میں لاؤ کھاؤ پیو، بلا وجہ شیطان کے مکروفریب میں پھنس کر اس کے کہنے پر مت چلو وہ تمھیں ہمیشہ گندی اور بُری باتیں سکھاتا ہے اور تم سے خدا کی نسبت ایسی ایسی باتیں کہلواتا ہے جس کا تمھیں خود بھی صحیح علم نہیں یاد رکھو شیطان تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا

اور جب کوئی ان لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم بھیجا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم تو اسی

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے

﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

ہوں اور ان کافروں کی کیفیت اس کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے جانور کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور

وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں۔

تفسیر اور جب ان کفار و مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ان احکامات کی پیروی کرو جو اس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے ہیں اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقوں پر چلیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے اس جواب کو رد فرماتے ہیں کہ چاہے ان کے باپ دادا دین کی سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں اور چاہے وہ ہدایت پر بھی نہ ہوں، مطلب یہ کہ ان کے بڑے خواہ گمراہ ہی کیوں نہ ہوں وہ تب بھی انہی کے طریقوں پر چلیں گے، ذرا سوچو یہ سراسر ضد اور بے وقوفی

نہیں تو اور کیا ہے۔

کفار کی مثال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کفار ومشرکین کی مثال بھیڑ بکریوں جیسی ہے کہ وہ چرواہے کی آواز کو سنتی ضرور ہیں لیکن سمجھتی نہیں، بس یہی حال ان کا ہے کہ اللہ کے کلام کو سنتے ہیں اسے سمجھ کر دل میں نہیں اتارتے، اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حق بات دیکھنے سے اندھے، بولنے سے گونگے اور سننے سے بہرے ہیں، غرضیکہ یہ دین کی کوئی بات سمجھتے ہی نہیں۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ

اے ایمان والو جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گذاری

إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۲﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو

وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

اور خنزیر کے گوشت کو اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو، پھر بھی جو شخص بیتاب ہو جاوے

وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾

بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں۔

تفسیر اس آیت میں خاص طور پر مومنوں کو یہ ارشاد ہے کہ تم ہماری دی ہوئی حلال اور پاک چیزوں کو کھاؤ اور ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہو۔

اسکے بعد حکم ہے کہ ہم (اللہ) نے تمہارے لئے چار چیزیں حرام کر دی ہیں ان کو قطعاً استعمال نہ کرو

اقوال وتحقیق غیر باغ ولا عاد: عندالاحناف اس کی جو تفسیر تھی وہ اوپر لکھی جا چکی امام شافعیؒ اس کی یہ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ رخصت اس کے لئے ہے جو سرکش اور باغی نہ ہو یہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص جس نے حاکم وقت سے بغاوت کر رکھی ہے اور مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھاتا ہے یہ حالت مخمصہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ اس کو ان حرام چیزوں کے کھانے کی اجازت دیں گے برخلاف امام شافعی کے وہ اجازت نہیں دیتے بربناء اس کہ اللہ کا یہ احسان ہے، اور اسکے مستحق وہی لوگ ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور باغی وظالم خدا کا بھی نافرمان ہے اسلئے اس کو اس سے محروم رکھا جائے گا۔ محمد یعقوب غفرلہ ولوالدیہ (بقیہ اقوال وتحقیق ص۲۳ پر)

مردہ جانور یعنی جس جانور کا ذبح کرنا شرعاً ضروری ہو اور وہ بلا ذبح کئے ہلاک ہو جائے وہ حرام ہے اور جس جانور کا ذبح کرنا ضروری نہیں جیسے ٹڈی اور مچھلی یہ بغیر ذبح کئے ہی حلال ہیں خواہ خود مر جائیں یا کسی کے مارنے سے مر جائیں، البتہ جو مچھلی سڑ جانے کی وجہ سے خود پانی کے اوپر آجائے وہ حرام ہے اسی طرح وہ شکاری جانور جو قابو میں نہیں کہ ذبح کر لیا جائے اور اس کو بسم اللہ کہہ کر تیر وغیرہ دھار دار چیز سے زخمی کر دیا جائے تو وہ بھی بغیر ذبح کے حلال ہو جاتا ہے، البتہ بندوق کی گولی یا بے دھار چیز سے زخمی کیا ہوا جانور حلال نہیں

خون جس خون کو اس آیت میں حرام بتلایا گیا ہے وہ بہنے والا خون ہے اور جو خون نہیں بہتا جس سے مراد جگر، تلی ہے وہ حلال ہے جس طرح خون کا کھانا پینا حرام ہے اسی طرح اس کو دوسرے استعمال میں لانا حرام ہے نیز اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ اس دور میں انسان کا خون جو دوسرے کے بدن میں چڑھایا جاتا ہے وہ بھی اصل کے لحاظ سے حرام ہونا چاہیئے تھا مگر مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے کہ اس میں مریض کی جان کا خطرہ ہے، جائز ہے۔

خنزیر جس طرح خنزیر کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اس کے بال، کھال، پٹھے وغیرہ ہر چیز حرام ہے۔

جانور غیر اللہ کے نامزد کرنا اس آیت میں چوتھی چیز جو حرام فرمائی گئی ہے وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے نام پر ثواب کی نیت سے چڑھایا جائے، جیسے عام جاہل لوگ پیروں کے نام پر مرغا و بکرہ چڑھاتے ہیں اور جیسے ہندؤں میں دستور ہے کہ وہ بھوانی کے نام کا سانڈ چھوڑ دیتے ہیں، پس اس طرح کے جانوروں کو اگر بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کیا جائے گا یہ تب بھی حلال نہیں ہوں گے، البتہ اگر اس سے سچی توبہ کرے تو وہ پھر حلال ہو جاتا ہے۔

مجبور پر خدا کا رحم و کرم اللہ تعالیٰ بڑے غفور و رحیم ہیں وہ اپنے بندوں کی مجبوری سے بخوبی واقف ہیں اسلئے فرماتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اتنا مجبور ہو جائے کہ ان مذکورہ چار حرام چیزوں کے علاوہ کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے اور بھوک کا یہ عالم ہے کہ اگر نہ کھایا

(بقیہ اقوال و تحقیق ۲۲) انما حرم اس پر ایک مشہور اشکال یہ واقع ہوتا ہے کہ لفظ انما حصر کے لئے آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں باقی سب حلال ہیں، حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حصر اضافی مراد ہے حصر حقیقی نہیں اور ان کے علاوہ جو دوسری محرمات اشیا ہیں ان کو دوسری آیات، احادیث میں بیان کر دیا گیا۔ تفہیم

گیا تو جان نکل جائے گی ایسے وقت میں ان حرام چیزوں کے کھانے کو بھی جائز فرما دیا اس شرط کے ساتھ کہ صرف اتنا کھائے کہ جس سے جان بچ سکے اور دوسری شرط یہ کہ مزہ لینے کی غرض سے نہ کھائے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِۦ ثَمَنًا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کا اخفاء کرتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں متاع قلیل وصول کرتے

قَلِيلًا أُولَٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِى بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں کلام کریں گے اور نہ ان کی

اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾

صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور مغفرت چھوڑ کر عذاب

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ

سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں - یہ سزائیں اس وجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کتاب کو ٹھیک ٹھیک

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِى الْكِتَٰبِ لَفِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

بھیجا تھا اور جو لوگ کتاب میں بے راہی کریں وہ بڑی دور کی خلاف (ورزی) میں ہوں گے

دین فروشی کی سزا ان آیات میں علماء یہود کی دین فروشی کا بیان ہے کہ یہ لوگ اس حقیر و ذلیل دنیا کو حاصل کرنے کی خاطر عوام سے رشوتیں لے کر ان کی مرضی کے موافق غلط فتوے دیتے ہیں ان کے پیغمبر حضرت موسیٰ ع پر جو کتاب (توریت) اللہ نے نازل فرمائی تھی یہ اس میں اپنی غرض کے پیچھے ردو بدل کرتے ہیں اور اس میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مذہب اسلام کے بارے میں جو پیشین گوئیاں تھیں ان کو چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ جو رشوت کے مرغن لقمے کھا رہے ہیں در حقیقت اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مرنے کے بعد یہ مال انگارے بن کر ان کو لپٹ جائیگا۔

قیامت کے روز ایسے لوگوں پر اللہ کے غصہ و غضب کا یہ عالم ہوگا کہ ان سے نرمی اور شفقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ بات بھی نہیں کریں گے بلکہ جو کچھ بھی کہا جائیگا ڈانٹ ڈپٹ ہی کے ساتھ کہا جائیگا

اوران کو وہاں جو سزادی جائے گی وہ بہت ہی دردناک ہوگی۔

تعجب ہے یہود پر اللہ تعالیٰ بطور تعجب کے فرمارہے ہیں کہ یہ یہود ایسے ہیں کہ انھوں نے دنیا میں رشد وہدایت چھوڑ کر ضلالت وگمراہی اختیار کی اور آخرت میں مغفرت چھوڑ کر عذاب اختیار کیا حاصل یہ ہے کہ انھوں نے اللہ سے اور اللہ کی کتاب سے روگردانی کی اور اس کی رضاو خوشنودی چھوڑ کر اللہ کے غصہ وغضب کو غلط اعمال کرکے دعوت دی ہے جس کا انجام ان کے سامنے آخرت میں عذاب کی صورت میں آجائیگا، پھر بطور تعجب کے فرمارہے ہیں کہ یہود دوزخ میں جلنے کے لئے کتنے باہمت ہیں کہ ہمارے پیغمبر کے ڈرانے کے بعد بھی نہیں ڈرتے اور دوزخ میں جلنے کیلئے تیار رہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منھ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن

الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتب پر اور

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ

پیغمبروں پر۔ اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور

وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ

بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل

فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ

رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں

تفسیر پچھلی آیات میں کعبہ شریف اور بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی مکمل تفصیل گذر چکی یہاں مختصر طور پر ایک فیصلہ فرما کر اس بحث کو ختم فرما دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اصل ثواب اللہ کی فرمانبرداری میں ہے وہ جس سمت رخ کرنے کا حکم دے اسی میں ثواب ہے نہیں تو مشرق و مغرب یا کوئی اور سمت بذات خود کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

اسلامی عقیدے اور پھر اس کے بعد اللہ پاک نے اصل نیکی کیا ہے اس کو بیان فرمایا ارشاد ہے ۱ اللہ کی ذات و صفات پر یقین رکھے ۲ قیامت کے دن پر یقین رکھے، ۳ فرشتوں کے وجود کو حق جانے ۴ تمام آسمانی کتابوں پر یقین رکھے ۵ تمام پیغمبروں کو سچ جانے۔

اسلامی اعمال اور پھر اصل نیکی کے ضمن میں چند اسلامی اعمال کا ذکر فرمایا ۱ اللہ کی محبت میں رشتہ داروں یتیموں، محتاجوں، ضرورت مند مسافروں کو، اور لاچار و مانگنے والوں اور قیدی اور غلام کو آزاد کرانے میں مال خرچ کرے ۲ پابندی کے ساتھ نماز پڑھے ۳ زکوٰۃ دے اگر واجب ہو۔

اسلامی اخلاق ۱ جب کسی سے کوئی وعدہ کرے تو اس کو بہر صورت پورا کرے ۲ تنگی و سختی تکلیف و بیماری میں، اور کفار سے جہاد کے وقت ہمت کے ساتھ پختگی سے جما رہے جن لوگوں میں یہ صفات ہوں بس وہی ہیں سچے مومن اور یہی حضرات متقی و پرہیزگار کہلانے کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ آج کے ہر مسلمان میں یہ صفات پیدا فرما دے، آمین۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ط

اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں آزاد آدمی آزاد آدمی

الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى ط فَمَنْ عُفِيَ

کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں ہاں جس کو اس کے فریق کی

اقوال و تحقیق یہ آیت اصولی طور پر تمام احکامات شرعیہ پر مشتمل ہے چنانچہ من آمن باللہ میں اعتقادات مذکور ہیں اور وآتی المال علی حبہ میں معاملات و عبادات مذکور ہیں اور والموفون بعہدہم میں اخلاقیات مذکور ہیں۔ محمد یعقوب غفرلہ ولوالدیہ

لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ

طرف سے کچھ معافی ہوجاوے تو معقول طور مطالبہ کرنا اور خوبی کے ساتھ اسکے پاس پہونچادینا تمہارے

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے اور ترحم ہے پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا اور فہیم لوگو! قصاص میں تمھاری جانوں کا بڑا

يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

بچاؤ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ پرہیز رکھوگے

شان نزول زمانۂ اسلام سے کچھ دن پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہوگئی طرفین کے بہت سے آدمی آزاد اور غلام، مرد اور عورتیں قتل ہوگئے ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانۂ اسلام شروع ہوگیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہوگئے، اسلام لانے کے بعد انھوں نے اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص یعنی بدلہ کی گفتگو شروع کی تو وہ قبیلہ جو طاقتور تھا اس نے کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلے تمھارا آزاد اور ہماری عورت کے بدلے تمھارا مرد قتل نہ کیا جائے، ان کے جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

اسلام برابری کا حامی ہے اس میں یہ بیان کیا گیا کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ہی کو قتل کیا جائے گا، حاصل اس کا یہ نکلا کہ جس نے قتل کیا ہے بدلے میں اسی کو قتل کیا جائے گا، ایسا نہیں کہ غلام کے بدلے بے گناہ آزاد اور عورت کے بدلے بے گناہ مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

اللہ کی مہربانی اصل قانون تو یہی ہونا چاہیئے تھا کہ قتل کے بدلے قتل ہی ہوتا مگر یہ خدا کی مہربانی ہے کہ اس نے اس قانون میں گنجائش رکھدی کہ اگر دونوں فریق میں باہمی کچھ صلح ہوجائے کہ خوں بہا دیدی جائے تو اب قاتل کو بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے لئے اب یہ ہدایت ہے کہ صحیح طریقہ سے مال مقتول کے وارثوں تک پہونچادے ان کو پریشان نہ کرے اور نہ ہی متعینہ مال میں کمی کرے، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مقتول کے وارثوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم بھی قاتل کو تنگ مت کرنا بلکہ نرمی اور سہولت کے ساتھ اس سے مال وصول

کرتے رہنا۔

اللہ کے قانون میں اگر کوئی بھی کسی طرح کی ترمیم کرے گا ... وہ آخرت میں بڑی سخت سزا کا مستحق ہوگا

قتل میں زندگی ہے اسلام دشمن یا سرسری نظر رکھنے والے حضرات بدلے میں قتل کرنے کو ایک طرح کا ظلم اور غیر انسانی کام سمجھتے ہیں ایسے نظریات کی تردید اس آیت میں موجود ہے۔ ذلکم فی القصاص حیوٰۃ۔ یعنی بدلے میں لوگوں کی جانوں کا بڑا ہی بچاؤ ہے مطلب یہ کہ ایک قاتل کو قتل کر دینے سے بہت سے لوگوں کی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں، کیونکہ عام لوگ جب اپنی آنکھوں سے یہ دیکھیں گے کہ قاتل کو بدلے میں قتل کر دیا گیا تو وہ ڈریں گے اور اس طرح کا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے قتل و قتال کا سلسلہ تقریباً ختم ہو جائیگا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو

الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (۱۸۰)

تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر کچھ کچھ بتلا جاوے جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ

ضروری ہے پھر جو شخص اس کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۖ (۱۸۱) فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ

تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی یا کسی جرم

إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے واقعی اللہ تعالیٰ تو معاف

رَحِيمٌ (۱۸۲) ع

فرمانے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں۔

۲۲ ع ۶ ۶

تفسیر شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے مذہب اسلام میں مقرر نہ ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک تہائی مال تک مردہ اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں

کو جتنا جتنا مناسب سمجھے بتلا جاوے بس اتنا ان لوگوں کا حق تھا باقی جو کچھ مال بچتا وہ سب اولاد کا حق ہوتا تھا

اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب کسی کو موت کے اثرات علامات نظر آئیں اور مال موجود ہو تو اس کے ذمہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے لئے وصیت کردے، یہ وصیت کرنا میراث کے حکم سے پہلے فرض تھا لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کردیا، اب ہر وارث اپنا حصہ بغیر وصیت کے ہی لے لیگا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق مقرر کردیا ہے کسی وارث کے لئے وصیت کی ضرورت نہیں

گواہ کو ہدایت جس کے سامنے وصیت کی گئی ہے یعنی گواہ اس کو اللہ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اگر وہ وصیت کو بدل دے یا اس میں کمی بیشی کردے یا وصیت کو چھپالے تو اس کا گناہ اسی کو ہوگا میت کو نہیں۔ لیکن اگر یہ گواہ شریعت کی روشنی میں اس وصیت کو غلط سمجھتا ہے اور وارثوں کو پورا پورا حصہ نہ پہونچنے کا خطرہ محسوس کرتا ہے اور نیک نیتی سے اس وصیت میں کوئی مناسب تبدیلی کردیتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں۔ بہت مہربان اور غفور و رحیم ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ — تھوڑے دنوں (روزہ رکھ لیا کرو)

اقوال و تحقیق آیت مذکورہ میں جو وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے اس حکم کے تین جزو ہیں۔
۱ اولاد کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ دار کا حصہ ترکہ میں متعین نہ ہونا۔
۲ ایسے رشتے داروں کے لئے وصیت کرنا مرنے والے پر واجب ہے
۳ ثلث مال سے زیادہ میں وصیت کی اجازت نہیں ـــــ پہلا جزو آیت میراث لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ سے منسوخ ہے۔ دوسرا جزو حدیث سے منسوخ ہے جو کہ مؤید بالاجماع ہے اور وجوب کے ساتھ جواز بھی منسوخ ہوگیا یعنی وارث شرعی کے لئے وصیت باطل ہے، تیسرا جزو اب بھی باقی ہے ثلث مال سے زائد میں بغیر بالغ ورثہ کی مرضی کے وصیت باطل ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ

پھر جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار کرکے ان میں روزہ رکھنا (اس پر واجب) ہے

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط فَمَنْ

اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا (کھلا دینا یا دیدینا) ہے اور جو شخص

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

خوشی سے خیر کرے تو یہ اس کے لئے اور بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اگر تم (فضیلت کی) خبر رکھتے ہو۔

روزہ کیا ہے روزہ کہتے ہیں کھانے پینے اور عورت سے صحبت سے رکنے کو۔ یہ رکنا نیت کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ آج میرا روزہ ہے اور اسی طرح اس رکنے کا وقت متعین ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک ان چیزوں سے رکا رہے۔

روزہ سب امتوں پر فرض تھا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو روزہ کا حکم بہت عمدہ طریقہ سے فرمایا ہے کہ ہم نے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کر رکھا تھا چنانچہ حضرت آدم ؑ سے لے کر ہمارے پیغمبر تک کی تمام امتوں پر روزہ فرض تھا اس سے روزہ کی اہمیت بھی معلوم ہوئی اور ایک طرح سے مسلمانوں کو تسلی بھی دی، کہ اگرچہ روزہ مشقت کی چیز ہے مگر یہ مشقت تم سے پہلے بھی سب لوگ اٹھاتے آئے ہیں، انسان کا یہ مزاج ہے کہ جب ایک مشقت میں بہت سے انسانوں کو مبتلا دیکھتا ہے تو وہ ہلکی اور آسان معلوم ہونے لگتی ہے۔

روزہ انسان کو پرہیزگار بناتا ہے اس آیت میں روزہ کی حکمت اور فائدہ بیان کیا گیا ہے کہ اس روزہ کی برکت سے تم آہستہ آہستہ متقی و پرہیزگار بن جاؤ گے کیونکہ روزہ رکھنے سے نفس کو مختلف خواہشات اور تقاضوں سے بچانے کی عادت پڑے گی اور یہی عادت آدمی کو پرہیزگاری و تقویٰ کی منزل پر پہونچا دیتی ہے۔

اقوال و تحقیق: وعلی الذین یطیقونہ کیلئے ناسخ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ ہے

روزہ کے متعلق چند مسائل

مسئلہ ۱ : جس بیماری میں روزہ رکھنا بہت مشکل ہو یا مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو تو اس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۲ : جو شخص اڑتالیس میل کا سفر کرے اور وہاں پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ ہو تو ایسا شخص شریعت کی نظر میں مسافر کہلاتا ہے اس کے لئے جائز ہے کہ یہ روزہ نہ رکھے لیکن اسکے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھے۔

مسئلہ : یہ مریض اور مسافر جن کا ابھی ذکر ہوا اگر سفر والے دن کے روزہ کی نیت انھوں نے نہیں کی تھی تو ان کے لئے جائز ہے کہ یہ روزہ نہ رکھیں اور اگر روزہ کی نیت کر چکے تھے تو ان کے لئے روزہ کو پورا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ کوئی سخت تکلیف نہ ہو۔

مسئلہ : مذکورہ مریض اور مسافر نے جتنے دن روزے نہیں رکھے تو مرض اور سفر ختم ہو جانے کے بعد ان کو قضاء کی نیت سے رکھے اور ان روزوں کو چاہے کہ ایک دم رکھے اور چاہے بیچ میں ایک دو دن کا وقفہ کر کے رکھے۔

مسئلہ : مرض اور سفر اگر رمضان ہی میں ختم ہو گیا تو پہلے رمضان کے روزے رکھے۔ اور رمضان گذر جانے پر ان کی قضاء رکھے۔

فدیہ کی اجازت کس کو ہے

ایک روزہ کی قضاء ہر ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دینا یا اتنی ہی مقدار خشک اناج دے دینا جن کی مقدار شریعت نے پونے دو سیر متعین فرمائی ہے فدیہ کہلاتا ہے، شروع اسلام میں جب لوگوں کو آہستہ آہستہ روزوں کا عادی بنایا جا رہا تھا تو یہ گنجائش شریعت نے رکھی تھی کہ باوجود روزہ رکھنے کی طاقت کے روزہ کا فدیہ دے دیا کرے، لیکن اب یہ حکم منسوخ ہے البتہ جو شخص بہت بوڑھا ہو کہ روزہ کی مشقت برداشت نہ کر سکتا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اب اسکے صحت مند ہونے کی کوئی توقع نہیں تو ان کے لئے اب بھی فدیہ دیدینا جائز ہے۔

مسئلہ : اگر اس طرح کے بوڑھے اور مریض میں فدیہ دینے کی گنجائش نہیں تو وہ صرف استغفار کرتا رہے اور نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کر لوں گا۔

مسئلہ : اگر فدیہ دینے کے بعد اس بوڑھے میں طاقت آگئی یا بیمار تندرست ہو گیا تو ان روزوں کی اب قضا کرنا پڑے گی اور اس فدیہ کا ثواب الگ سے خیرات بن کر ملیگا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ

ماہ رمضان ہے جسمیں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور واضح الدلالۃ ہے

مِنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَ

منجملہ ان کتب کے جو ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنے والی ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اسکو ضرور اسمیں روزہ

مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ

رکھنا چاہیئے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار کرکے ان میں روزہ رکھنا واجب ہے

بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ ایام ادا یا قضا کی شمار کی

وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

تکمیل کرلیا کرو اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو طریقہ بتلادیا اور تاکہ تم لوگ شکریہ ادا کرو

ماہ رمضان اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ تم پر چند روز کے روزے فرض ہیں اس آیت میں ان چند روزوں کی وضاحت کردی کہ وہ رمضان کے مہینہ کے روزے ہیں اور یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے کے لئے کھلی نشانی ہے پس جو اس مہینے کو پاوے اس پر روزہ رکھنا فرض ہیں۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں منظور کرلیتا ہوں عرضی درخواست کرنے

دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے سو انکو چاہیئے کہ میرے احکام قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں اسلئے کہ وہ لوگ رشد حاصل کرسکیں گے

اقوال و تحقیق: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، اس آیت میں قرآن کا شب قدر میں نازل ہونا مذکور ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت میں ماہ رمضان میں قرآن کا نزول مذکور ہے بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے جس کا دفاع حضرات مفسرین نے اس طرح فرمایا کہ وہ شب قدر رمضان کی تھی۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اس مقام پر اگر کسی کو یہ وسوسہ ہوکر قرآن مجید تو تئیس سال میں نازل ہوا تو پھر رمضان یا شب قدر میں نازل ہونے کے کیا معنی؟

جواب اس وسوسہ کا یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر دفعتہً رمضان کی شب قدر میں نازل ہوچکا تھا۔

شان نزول ایک دیہاتی نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ہمارا رب ہم سے قریب ہے یا دور اگر قریب ہے تو ہم اسے آہستہ آہستہ پکاریں، نہیں تو با آواز بلند اس سے اپنی حاجات طلب کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے فرما دیجئے کہ ان کا رب ان سے قریب ہی ہے اور یہ مجھ سے طلب کرتے ہیں میں عنایت کر دیتا ہوں بشرطیکہ وہ ان کے حال کے مناسب بھی ہو اب ان لوگوں کو چاہیے کہ میرے احکامات پر پابندی سے عمل کریں اور مجھ پر ہر طرح سے پورا پورا یقین رکھیں جس کے نتیجہ میں یہ لوگ فلاح و کامیابی حاصل کریں گے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا، کیونکہ وہ تمہارے اوڑھنے بچھونے

لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ

ہیں اور تم ان کے اوڑھنے بچھونے ہو ۔ خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کر رہے تھے

أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا ۔ سو اب ان سے ملو ملاؤ

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

اور جو تمہارے لئے تجویز کر دیا گیا ہے اس کا سامان کرو ۔ اور کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ تم کو سفید

لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ

خط (یعنی نور) صبح (صادق) متمیز ہو جاوے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق

أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ

سے) رات تک روزہ پورا کیا کرو ۔ اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ

فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ

تم لوگ اعتکاف والے ہو مسجدوں میں ۔ خداوندی ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا ۔ اسی طرح

یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ پرہیز رکھیں۔

شان نزول شروع اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک کہ عشاء کی نماز نہ پڑھے اور نہ سوئے کھانا پینا اور اپنی بیوی سے صحبت کرنا جائز تھا اور جب عشاء پڑھ چکے یا افطار کے بعد سو جائے تو پھر اس کے لئے یہ چیز ناجائز تھیں۔

بعض صحابہ کرامؓ کو اس میں کچھ مشکلات پیش آئیں چنانچہ حضرت قیس بن صرمہ انصاریؓ دن بھر مزدوری کرکے افطار کے وقت گھر پہونچے تو گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا بیوی نے کہا کہ میں کہیں سے کچھ انتظام کرکے لاتی ہوں جب وہ واپس آئی تو دن بھر کے تکان کی وجہ سے ان کی آنکھ لگ گئی تھی اب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا۔ اگلے دن اسی طرح روزہ رکھ لیا دوپہر کو کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے ان کے اس حال کی حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ ادھر سے حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا حضور مجھ سے بات بہت بڑا قصور ہو گیا کہ میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کرلی اس کے علاوہ بعض دیگر صحابہؓ نے بھی اپنے قصور کا اظہار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس آیت میں اسی پہلے حکم کو منسوخ کرکے غروب آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک پوری رات کھانے پینے اور صحبت کرنے کی اجازت دیدی گئی اگرچہ سو کے اٹھنے کے بعد ہو

اعتکاف وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ الآیۃ اس آیت میں اعتکاف کرنے والوں کو اس بات کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تم اپنی بیبیوں سے صحبت وغیرہ مت کرو۔

مسئلہ ۱: اعتکاف کی حالت میں بیوی سے ہمبستری کرنا پیار وغیرہ لینا حرام ہے اور اگر پیار لینے سے منی بھی نکل گئی تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور اس کی قضاء کرنی پڑے گی اور اگر بغیر شہوت کے ہاتھ لگا دیا یا بدن دبا دیا تو یہ درست ہے۔

مسئلہ ۲: اعتکاف صرف ایسی مسجد میں کرنا جائز ہے جس میں پانچوں وقت جماعت سے نماز کا انتظام ہو۔

مسئلہ ۳: جو اعتکاف رمضان کے علاوہ دنوں میں ہو اس میں بھی روزہ رکھنا ضروری ہے

مسئلہ ۴: اعتکاف والے کو مسجد سے کسی بھی وقت باہر نکلنا جائز نہیں ہاں جو کام بہت ہی مجبوری کے ہیں جیسے پیشاب پاخانہ یا گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو گھر سے کھانا لے آنا یا جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے جانا۔ بس اس طرح کی ضرورتوں کے لئے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے

لیکن گھر میں یا راستہ میں ٹھہرنا درست نہیں۔

مسئلہ: اگر عورت اعتکاف کرنا چاہے تو جو جگہ اس کی نماز پڑھنے کی مقرر ہے اسی جگہ پر اعتکاف کرے۔

روزہ اور اعتکاف کے ذکر کے بعد ارشاد ہے کہ یہ سب خدائی ضابطے ہیں ان کا احترام کرو ان پر عمل کرو، ان کے خلاف چلنے کا ارادہ تک مت کرو۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور ان کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ لوگوں

لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ کے کھا جاؤ اور تم کو علم بھی ہو۔

تفسیر اس آیت میں حرام مال حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے ارشاد ہے باطل اور ناجائز طریقہ سے کسی کا مال مت کھاؤ اس میں کسی کا مال دبا لینا بھی داخل ہے، چوری اور ڈاکہ بھی داخل ہے، سود اور جوا بھی داخل ہے اور اسی طرح وہ لین دین جو شریعت کے طریقوں کے خلاف ہیں اگرچہ اس میں فریقین کی رضامندی ہو اسی میں داخل ہیں اسی طرح جھوٹ بول کر قسم کھا کر، فریب دے کر مال حاصل کرنا ناجائز اور باطل ہے، اور اسی طرح عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ کرا کر مال حاصل کر لینا بھی حرام ہے۔

شان نزول یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی، واقعہ یہ ہے کہ دو صحابیوں کا آپس میں ایک زمین کے متعلق جھگڑا ہوا اس کا مقدمہ رسالت مآب سرکار دو جہاں کی عدالت میں پیش ہوا، مدعی کے پاس گواہ نہ تھے، لہٰذا حضور ﷺ نے شرعی قانون کے مطابق مدعا علیہ کو قسم کھانے کا حکم دیا وہ قسم کھانے کے لئے آمادہ ہو گیا، اس وقت بطور نصیحت کے آپ نے یہ آیت سنائی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا، جس میں قسم کھا کر ناجائز مال حاصل کرنے پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، ان صحابی نے جب یہ آیت سنی تو قسم کھانے سے انکار کر دیا، اور مدعی علیہ کے حوالہ کر دی اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے

تفسیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاند کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں بیان ہے کہ اے لوگوں اس چاند کے ذریعہ تم اپنے لین دین کا وقت متعین کرتے ہو اسی کے حساب سے اپنی عبادات حج وغیرہ ادا کرتے ہو۔

چاند کی تاریخ کی اہمیت مسئلہ، چاند کی تاریخ کا جاننا یا درکھنا فرض کفایہ ہے یعنی ایک بستی میں اگر کسی کو بھی چاند کی تاریخ معلوم نہیں تو سب بستی والے گنہگار رہیں، چاند کی تاریخ کی اتنی اہمیت اس لئے ہے کہ اس پر مسلمانوں کی عبادات وتہوار کا مدار ہے، حج وعمرہ، روزہ وعید (عیدالاضحیٰ وقربانی) محرم، شب برأت وغیرہ چاند ہی کی تاریخ کے حساب سے مقرر ہوتے ہیں اسی تاریخ کو اپنے لین دین اور دنیوی معاملات میں استعمال کرنا مذہب اسلام پسند کرتا ہے، اگرچہ انگریزی تاریخ کا استعمال کوئی گناہ نہیں اور مذہب اس کی اجازت دیتا ہے

قوم مسلم پر افسوس آج قوم مسلم پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ یہ انگریزی تاریخ میں اس طرح کھو گئی ہے کہ چاند کی تاریخ کو بالکل ہی بھول گئی، مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ ان کو چاند کی تاریخ تو کیا یاد ہو چاند کا مہینہ بھی یاد نہیں ہوتا۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ

اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾

بچے اور گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

رسم جاہلیت کی اصلاح مذہب اسلام کے آنے سے پہلے کچھ لوگ اس رسم میں گرفتار تھے کہ جب وہ حج کا احرام باندھتے اور پھر کسی ضرورت سے گھر جانا پڑجاتا تو وہ گھر کے اس دروازے سے آنا ناجائز سمجھتے اس لئے گھر کی پچھاڑی کو پھوڑ کر گھر میں جاتے تھے، مذہب اسلام نے اس کی تردید فرمادی کہ یہ کوئی اچھا کام نہیں، اچھا کام برائی سے بچنا ہے اور اصل دروازہ سے آنا کوئی برائی نہیں اس لئے تمھیں اصل دروازہ چھوڑ کر پیچھے سے نقب لگا کر نہیں آنا چاہیئے

فائدہ: اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جس چیز کو مذہب نے ضروری یا عبادت نہ سمجھا ہو اس کو

اپنی طرف سے ضروری اور عبادت سمجھنا جائز نہیں اور اسی طرح جس چیز کو مذہب نے جائز قرار دیا ہو اور اس کو اپنی طرف سے ناجائز اور گناہ کا کام سمجھنا بھی جائز نہیں۔

بدعتوں کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس میں غیر ضروری چیزوں کو فرض و واجب سمجھ لیا جاتا ہے اور بعض جائز چیزوں کو ناجائز اور حرام قرار دیا جاتا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ

اور تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلو، واقعی

اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩١﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ

اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور ان کو قتل کرو جہاں پاؤ۔

وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ

اور ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے

الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ

سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب میں قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود

فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩٢﴾

نہ لڑیں، ہاں اگر وہ خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم ان کو مارو ایسے کافروں کی ایسی ہی سزا ہے۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ

پھر اگر وہ لوگ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی کردیں گے اور ان کے ساتھ اس حد تک

لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ

لڑو کہ فساد نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جاوے ۔ اور اگر وہ لوگ باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں

إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ

ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور یہ حرمتیں تو عوض

قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ

ومعاوضہ کی چیزیں ہیں۔ سو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے

عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

شانِ نزول ماہ ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے مکہ معظمہ تشریف لے چلے اس وقت تک مکہ شریف مشرکین کے قبضہ میں تھا ان لوگوں نے حضور کو اور آپ کے صحابہ کو مکہ میں جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے ان حضرات کا عمرہ رہ گیا، آخر بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ آئندہ سال تشریف لاکر عمرہ ادا کرلیں چنانچہ ذی قعدہ سنہ ۷ھ میں پھر آپ اسی ارادہ سے تشریف لائے لیکن آپ کے ساتھیوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں مشرکین اپنا معاہدہ پورا نہ کریں اور ہم سے جنگ کر بیٹھیں تو ایسی حالت میں اگر ہم لوگ یونہی مار کھائیں تو یہ بھی مناسب نہیں اور اگر ان کے ساتھ جنگ کریں تو اس کی بھی ہمیں اجازت نہیں کیونکہ یہ اشہر حرم ہے یعنی ماہ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب ان چاروں مہینوں میں مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی، غرض اس تردد میں مسلمان حیران و پریشان تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

جنگ کی اجازت اس پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ ہجرت مدینہ سے پہلے کفار کے ساتھ جنگ وجہاد کرنا منع تھا اس وقت تک مسلمانوں کو مشرکین کے ظلم وستم پر صبر کرنے اور معاف کردینے کی ہدایت تھی ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلے اس آیت میں کفار سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، ارشاد ہے اے مسلمانو اب تمھیں جہاد (جنگ) کرنے کی اجازت ہے لیکن صرف ان ہی مشرکین سے قتل وقتال اور جنگ وجہاد کرو جو تمھارے مقابلہ پر آویں، اس کا مطلب یہ ہے عورتیں بچے، بہت بوڑھے اور اپنے مذہبی شغل میں دنیا سے یکسو ہوکر لگے ہوئے عبادت گزار راہب، پادری وغیرہ اور ایسے ہی اپاہج ومعذور لوگ، یا وہ لوگ جو مشرکین کے یہاں محنت و مزدوری کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوئے ایسے لوگوں کو جنگ (جہاد) میں قتل کرنا جائز نہیں۔ ان کے علاوہ جو بھی کافر مشرک حملہ آور ہو اس کو بے چون و چرا قتل کرڈالو، حکم ربی ہے ان کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ اور ان کو اس جگہ (یعنی مکہ شریف) سے نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تمکو تکلیفیں پہونچا پہونچا کر نکالا تھا اور تم کو ہجرت یعنی مکہ سے مدینہ کوچ کرنے پر مجبور کیا تھا

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ یعنی یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ کسی کو قتل کرنا بہت بڑا ہے مگر کفارِ مکہ کا اپنے کفر و شرک پر جما رہنا اور مسلمانوں کو حج وعمرہ جیسی اہم عبادت سے روکنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے لہذا اس سے بچنے کے لئے ان کو قتل کی اجازت دیدی گئی اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی فرمادی گئی کہ

اگر وہ اپنی غلط حرکتوں سے باز آجائیں تو تم جنگ و جہاد ان سے بند کردو یاد رکھو تمہارا خدا غفور ورحیم ہے اور بخشش فرمانے والا ہے۔

حرم شریف میں قتل کرنا منع ہے اوپر یہ حکم بیان ہوا تھا کہ کافر و مشرک کو جہاں پاؤ قتل کردو لیکن حرم شریف کے احترام کو باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ مسجد حرام کے آس پاس ان سے جنگ و قتال مت کرو جب تک وہ خود جنگ کی ابتدا نہ کریں، حرم شریف کا احترام اتنا ضروری قرار دیا گیا کہ وہاں کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنیوالوں کو

جان و مال راہ خدا میں صرف کرنا اس سے پہلی آیتوں میں جنگ و جہاد کا حکم تھا یعنی جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اب اس آیت میں مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے ارشاد ہے اپنے آپ کو تباہی میں مت ڈالو یعنی جہاد کے موقع پر جان و مال خرچ کرنے میں بخل مت کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن تم پر غالب آجائیگا اور تم کو تباہ و برباد کردے گا اس کے بعد حکم ہے کہ جو کام کرو اچھی طرح کیا کرو مثلاً جہاد کے موقع پر جان و مال خرچ کرو تو دل کھول کر خوشی کے ساتھ نیک نیتی سے کرو بے شک اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے اعمال کو پسند کرتے ہیں

اقوال وتحقیق: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ، کی تفسیر بعض حضرات نے یہ فرمائی ہے کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے میں اس قدر آگے بڑھنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہوجائیں یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، بعض حضرات نے یہ تفسیر فرمائی کہ جب یہ اندازہ ہو کہ ہم دشمن کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے بلکہ خود ہی تباہ ہوجائیں گے تو ایسے وقت میں جہاد کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جو اس آیت کی روشنی میں ناجائز ہے۔

احسان فی العبادات کی تفسیر رسول خدا نے یہ فرمائی کہ عبادت اس طرح کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ اعتقاد رکھو کہ تمہیں خدا دیکھ رہا ہے۔

احسان فی المعاملات کی تفسیر رسول خدا سے یہ منقول ہے کہ دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور دوسرے کے لئے اس کو برا سمجھو جس کو اپنے لئے برا سمجھتے ہو

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ

اور حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کرو پھر اگر روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو

الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ

اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے البتہ اگر

كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ

کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ فدیہ دیدے (تین) روزے سے یا

صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ

خیرات دیدینے سے یا ذبح کر دینے سے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو تو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

ہو تو جو کچھ قربانی میسر ہو کرے — پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں حج

فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ

میں اور سات دن جبکہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجائے یہ پورے دس ہوئے یہ

لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا

اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل مسجد حرام کے قرب میں نہ رہتے ہوں اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ ع ۲۴ / ۸

سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سزائے سخت دیتے ہیں۔

تفسیر حج مذہب اسلام کا ایک اہم رکن ہے جس کی تاکید قرآن و حدیث میں بہت سی جگہ فرمائی گئی ہے جمہور علماء کا فرمان ہے کہ حج ۳ھ میں غزوۂ احد کے سال فرض ہوا اور سورۂ آل عمران کی اس آیت میں اس کی فرضیت کا حکم ہوا۔ "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ"

حج و عمرہ کا حکم اس آیت میں حج و عمرہ کے کچھ احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۱۔ جب کسی کو حج و عمرہ کرنے کا موقع نصیب ہو تو صدق نیت کے ساتھ ان کو اللہ کے لئے کرے اور ان کے تمام ارکان کو صحیح صحیح، پورے پورے ادا کرے۔

۲۔ اگر کسی دشمن کی طرف سے یا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے حج و عمرہ سے رک جاؤ تو اس صورت

میں یہ حکم ہے کہ قربانی کا جانور جو بھی میسر ہو چاہے بکری ہو چاہے اونٹ ہو اس کو کعبہ شریف بھیجدے اور جب سمجھے کہ وہاں ذبح ہو گیا ہوگا تو اپنا احرام کھول دے اور سر منڈا دے اور پھر جب موقع میسر آئے ان کی قضاء کرے۔

۲ اگر کوئی بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں زخم یا درد یا جوؤں وغیرہ کی تکلیف ہو جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس مجبوری کی وجہ سے پہلے ہی سر منڈالے اور فدیہ ادا کرے، اب فدیہ میں چاہے تین روزے رکھ لے چاہے ایک بکری ذبح کر کے خیرات کر دے۔

۳ جس شخص نے ایک ہی سال حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا ہے اس پر لازم ہے کہ جو جانور بھی میسر ہو اس کی قربانی کرے اور اگر یہ شخص غریب ہے کہ قربانی نہیں کر سکتا ہے تو اس کے بدلے تین روزے رکھ لے حج کے دنوں میں جن کی آخری تاریخ ۹ ذی الحجہ ہے اور جب حج سے فراغت ہو جائے تب سات روزے اور رکھنے پڑیں گے۔

۴ ایک ہی وقت میں حج و عمرہ ملا کر ادا کرنے کی اجازت صرف انہی حضرات کو ہے جو کعبہ شریف دور دراز ملکوں سے جاتے ہیں اور جو کعبہ شریف کے قریب کے شہروں سے پہونچتے ہیں ان کے لئے اجازت نہیں ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا

حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں - سو جو شخص ان میں حج مقرر کرلے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات

فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ

ہے اور نہ کوئی بے حکمی ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔ اور جو نیک کام کروگے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے

تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو

ایام حج مقرر ہیں عمرہ جس کا بیان ابھی ہوا اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، سال میں جب بھی موقع مل جائے ادا کرے۔

لیکن حج کے مہینے مقرر ہیں ایک شوال، دوسرا ذی قعدہ تیسرے ذی الحجہ کے دس دن۔

حاجی کیلئے چند ہدایات اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حج کرنے والوں کو چند ہدایات فرمائی ہیں جن پر ان کو پابند رہنا ضروری ہے۔

۱ کوئی فحش اور گندی بات نہ کرے، ایک وہ جو پہلے ہی سے ناجائز ہیں وہ حج کی حالت میں اور

بھی زیادہ ناجائز ہوگئیں دوسرے وہ جو پہلے سے جائز تھی جیسے اپنی بیوی سے کھلی ہوئی بے حجابی کی، شہوت انگیز باتیں کرنا حج میں یہ بھی جائز نہیں۔

۲ خدا کی نافرمانی نہ کرے یہ بھی دو طرح کی ہے ایک وہ جو پہلے سے حرام ہے جیسے تمام گناہ یہ حج کی حالت میں اور زیادہ حرام ہوجائیں گے دوسرے وہ کام جو حج کی حالت میں ناجائز ہیں جیسے۔ خوشبو لگانا، ناخن اور بال کٹانا سلے ہوئے کپڑے پہننا وغیرہ۔

۳ لوگوں سے جھگڑا نہ کرے، لڑائی جھگڑا حج کو جانے سے پہلے بھی بُرا ہے اور حالتِ حج میں اور بھی زیادہ اس کی ممانعت فرمائی گئی۔

۴ حج کے لئے تب ہی سفر کرے جب پورا خرچہ اپنے پاس ہو بغیر خرچہ کے حج کے لئے سفر کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس حالت میں وہ خود بھی پریشان ہوگا اور دوسروں کو پریشان کریگا

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ

تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم لوگ عرفات

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ

سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ناواقف ہی تھے۔

واقعہ شانِ نزول اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب نے جس طرح تمام عبادات و معاملات میں ردوبدل کرکے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں شامل کردی تھیں اور عبادات کو بھی کھیل بنادیا تھا اسی طرح ارکان حج میں بھی طرح طرح کی بے ہودگیاں کرتے تھے، میدان منیٰ میں ان کے عظیم الشان بازار لگتے تھے، نمائش ہوتی تھی اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا اور تمام بے ہودہ رسموں کو ختم کردیا گیا، حضرات صحابۂ کرام کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ حج کے دنوں میں تجارت کرنا یا مزدوری کرنا بھی جاہلیت کی رسم ہے، اس پر ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے سوال کیا کہ ہمارا پیشہ پہلے سے یہ ہے کہ ہم اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں کچھ لوگ ہمارے اونٹ حج کے لئے کرایہ پر لے جاتے ہیں ہم ان کے ساتھ جاتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا ہمارا حج نہیں ہوگا؟ اس وقت حضور نے اس کو کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ سفر حج میں تم روزی کماؤ) نازل ہوئی، اس

بعد آپ نے ان صحابیؓ کو بلوایا اور فرمایا کہ تمہارا حج صحیح ہے۔

سفر حج میں تجارت کا جواز اس آیت شریفہ کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے سفر میں کوئی تجارت یا مزدوری کر کے کچھ مال حاصل کرے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، ایسا کرنا جائز ہے، ہاں کفار عرب نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنا رکھا تھا اس کی اصلاح قرآن نے دو لفظوں میں کر دی ایک تو یہ کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطا سمجھ کر حاصل کریں اور شکر گذار ہوں محض مال سمیٹنا مقصد نہ ہو، فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ میں اسی طرف اشارہ ہے، دوسرے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ کے لفظ نے یہ تبلادیا کہ اس کمائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں ایک اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اگر اس طرح مال کمانے سے بھی سفر حج میں بچا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس سے کامل اخلاص میں فرق آتا ہے۔

حقیقت مسئلہ اس مسئلہ (یعنی سفر حج میں تجارت کرنے) کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اصل مدار نیت پر ہے، اگر کسی شخص کی نیت اصل میں اس سفر سے مال کمانا ہے اور ضمنی طور پر حج کی ادائیگی بھی ہے، یا مال کمانا اور حج کرنا دونوں ہی کی نیت ہے تو ان دونوں صورتوں میں اخلاص کی کمی ہے جس کی وجہ سے حج کا ثواب کم ہو جائیگا اور حج کی جو برکتیں حاصل ہونی چاہئے تھیں وہ حاصل نہ ہوں گی۔ اور اگر اصل نیت حج کی ہے اور اسی شوق میں سفر کیا ہے لیکن حج کے خرچہ یا گھر پر خرچ میں تنگی ہے پریشانی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کرلے تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں ایسے شخص کو حج کا پورا پورا ثواب اور برکتیں نصیب ہوں گی، البتہ اس کے لئے بہتر ہے کہ جن پانچ دنوں میں حج کے ارکان ادا کئے جاتے ہیں ان میں کوئی تجارت یا مزدوری نہ کرے، بعض علماء نے ان پانچ دنوں میں تجارت و مزدوری کو بالکل منع فرمایا ہے۔

فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ یعنی پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس خدا کی یاد کرو۔ مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں ہے اس میدان میں رات گذارنا اور مغرب وعشا دونوں نمازوں کو اکٹھی عشاء کے وقت میں پڑھنا واجب ہے اور اس جگہ کی یہ مخصوص عبادت ہے

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ

پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

سامنے توبہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردینگے اور مہربانی فرمائیں گے۔

شان نزول اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ قریش عرب جو بیت اللہ کے محافظ اور مجاور تھے اور پورے عرب پر ان کا اقتدار چھایا ہوا تھا یہ زمانہ جاہلیت میں اپنی ممتاز شان برقرار رکھنے کے لئے یہ حرکت کرتے تھے کہ سب لوگ تو عرفات کو جاتے اور وہاں وقوف (ٹھہرا) کرکے واپس آتے تھے اور قریش راستہ میں مزدلفہ کے اندر ہی ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم چونکہ بیت اللہ شریف کے مجاور ہیں اس لئے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لئے مناسب نہیں، اور چونکہ مزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے اور عرفات اس سے باہر ہے اسلئے ہم مزدلفہ ہی میں قیام کر لیتے ہیں اور وہیں سے واپس آجایا کرتے ہیں، یہ درحقیقت ان کا ایک حیلہ، بہانہ تھا جس سے اپنا فخر و غرور اور عام لوگوں سے نرالی شان والا ظاہر کرنا مقصود تھا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر ان کی اس غلط حرکت کو سب کے سامنے کھول کر رکھ دیا اور ان کو حکم دیا کہ تم بھی وہیں جاؤ جہاں سب لوگ جاتے ہیں یعنی عرفات میں اور پھر وہیں سے سب کے ساتھ واپس آؤ۔

تنبیہ اول تو عام انسانوں سے اپنے آپ کو ممتاز کرکے رکھنا خود ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے ہمیشہ بچنا ضروری ہے اور پھر حج کے موقع پر جہاں ہر انسان اپنے ہر ہر قول و فعل سے سب انسانوں کی برابری کا ثبوت دیتا ہے، فخر و غرور اور تکبر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ

پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر

اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

اس سے بڑھ کر ہو۔ سو بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں دیدیجئے

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ

اور ایسے شخص کو آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا ۔ اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے

اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ

پروردگار ہمکو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے،

النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

ایسے لوگوں کو حصہ ملے گا بدولت ان کے اس عمل کے اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں

تفسیر:۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ الاٰیۃ اس آیت میں زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم کی اصلاح فرمائی گئی ہے وہ یہ

کہ اہل عرب افعال احرام سے فارغ ہو کر جب منیٰ میں قیام کرتے تو ان مجلسوں میں مشاعرے ہوتے اور ان میں اپنے اور اپنے باپ داداؤں کے کارناموں پر فخر کیا جاتا ہے غرضیکہ ان دنوں کو یہ ایسی لغو اور فضول چیزوں میں ضائع کرتے تھے اور ذکر اللہ سے ان کی مجلس بالکل خالی ہوتی تھیں اس آیت میں ان کو سمجھایا گیا کہ جب تم اپنے احرام کے کاموں کو پورا کر چکو اور منیٰ میں قیام کرو تو وہاں رہ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اپنے باپ داداؤں کو یاد کرنا اور خاص کر ان کے سچے جھوٹے کارنامے فخر کے ساتھ ذکر کرنا چھوڑ دو جتنا تم ان کا ذکر کرتے ہو اس سے زائد خدائے تعالیٰ کا ذکر کرو، اس آیت میں ایک طرف عرب جاہلوں کی اصلاح کی گئی ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو یہ تعلیم فرمایا کہ حج کے ایام اور یہاں کے مقامات بڑے مقدس ومتبرک ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ قدر کرو اور جتنی بھی ہو سکے عبادت وریاضت اور ذکر وتسبیح میں وقت لگا کر برکات حاصل کرو۔

کچھ لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ ایام حج میں ذکر وعبادت اور دعاؤں میں مشغول رہتے تھے لیکن ان کی تمام دعائیں صرف دنیا کی طلب کے لئے ہوا کرتی تھیں آخرت کے لئے کوئی دعا نہ ہوتی تھی ان کی اصلاح اس آیت میں فرمائی گئی ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ بعض بعض لوگ وہ ہیں جو حج میں دعا مانگتے ہیں تو صرف دنیا حاصل کرنے کی ان کو آخرت کی قطعاً فکر نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ ان کے اس طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حج محض رسماً ادا کرتے تھے اصل مقصد ان کا دنیا مانگنا ہے آخروی نجات طلب کرنا ان کے دھیان میں ہے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو اپنی دعاؤں میں دنیا بھی مانگتے ہیں کہ ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو صحت رزق علم، عمر وغیرہ عطا فرما اور آخرت بھی طلب کرتے ہیں کہ ہم کو وہاں کا راحت وآرام نصیب فرما، پیارے نبی کی شفاعت اور اپنا دیدار نصیب فرما اور خاص طور سے یہ لوگ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ واقعۃً اگر کسی کو جہنم کے عذاب سے پناہ اور چھٹکارہ نصیب ہو گیا تو سمجھ لو اس کو سب کچھ نصیب ہو گیا، اللہ تعالیٰ جہنم کے عذابات سے پوری امت محمدیہ کو محفوظ فرماتے آمین۔

جاہل درویشوں کی اصلاح اس آیت میں جاہل درویشوں کی اصلاح فرمائی گئی ہے جو صرف آخرت ہی کی دعا مانگنے کو عبادت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کچھ پرواہ نہیں، اور حقیقت میں یہ دعویٰ ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ انسان اپنے رہنے اور عبادت کرنے میں دنیوی ضرورتوں کا محتاج ہے وہ نہ ہوں تو دین کا بھی کچھ کام نہیں ہو سکتا، اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ آخرت کی بھلائی طلب کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھلائی بھی

طلب کرتے ہیں۔ جو حضرات دنیوی حاجات کے لئے دعا مانگنا زہد و تقویٰ اور بزرگی کے خلاف سمجھتے ہیں وہ درحقیقت انبیاء کرام کی سنت اور مقام سے بے خبر اور جاہل ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ صرف دنیوی حاجات ہی کو زندگی کا مقصد نہ بنائے بلکہ اس سے زیادہ آخرت کی فکر کرے اور اس کے لئے دعائیں مانگیں۔ جو لوگ اپنی دعاؤں میں دین و دنیا دونوں طلب کرتے ہیں ان کے متعلق اس آیت کے اخیر میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ نصیبہ ور ہیں ان کو دونوں جہان کی بھلائی نصیب ہوگی،

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں تعجیل کرے اس پر بھی کچھ

عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

گناہ نہیں اور جو شخص (دو دن میں) تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں ہے اس شخص کے واسطے جو ڈرے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

تفسیر اس آیت پاک میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حاجی لوگ دسویں تاریخ کو منیٰ میں جائیں تو یہاں جو تین مشہور پتھر ہیں ان میں سے ایک کا نام جمرۂ عقبہ ہے اس کو سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا مستحب ہے اور اس کنکری مارنے کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے پھر گیارہویں بارہویں تاریخوں میں تینوں پتھروں کو سات سات کنکریاں مارے اور ان تاریخوں میں کنکری مارنے کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے پھر اگر چاہے تو مکہ چلا آوے جائز ہے اور اگر وہاں تیرہویں تاریخ کی صبح ہو گئی تو اس روز پھر وہاں تینوں پتھروں کو کنکریاں مارنا ضروری ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور وہ

اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے اپنے ما فی الضمیر پر، حالانکہ وہ مخالفت میں نہایت شدید ہے اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو

فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا

اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور کھیت یا مواشی کو تلف کردے اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

فساد کو پسند نہیں فرماتے　اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کر تو نخوت اس کو اس گناہ پر

بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ

آمادہ کردیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بڑی ہی آرام گاہ ہے　اور بعضا آدمی ایسا ہے

مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے　اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں

تفسیر

ان آیات میں منافقوں کی حرکتوں کو ذکر فرما کر ان کے لئے سزا بیان فرمائی گئی ہے اور اس کے بعد آخری آیت میں سچے مؤمن کی تعریف کی گئی۔

شان نزول

یہ آیت بعض مفسرین کے قول کے مطابق تمام منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی اسکے بارے میں منقول ہے کہ یہ منافق شخص بڑی عمدہ شیریں زبان والا تھا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اپنے فصیح و بلیغ انداز میں اپنے آپ کو فدائی اور سچا مسلمان بتلاتا اور پھر جب آپ کی مجلس سے واپس آتا تو مسلمانوں سے ضد اور دشمنی کی وجہ سے ان کے جانورا ور کھیتی کو نقصان پہونچاتا، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو جہنم کا سخت عذاب دیا جائیگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ الآیہ اس آیت میں سچے مومنوں کا ذکر ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت صہیب بن سنانؓ عمار بن یاسرؓ ابوذرؓ وغیرہ مہاجرین صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ان حضرات کو مشرکین نے قید کرلیا تھا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائی صرف اس لئے کہ تم مذہب اسلام چھوڑ دو اور کفر اختیار کرلو مگر ان حضرات نے تمام مصیبتیں برداشت کیں اور ایمان پر قائم رہے بعض مفسرین نے اس کے شان نزول میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب یہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کو روانہ ہوئے تو کافروں کی ایک جماعت نے ان کو جانے سے روکا حضرت صہیب اپنی سواری سے نیچے اترے اور اپنے ترکش سے سب تیر نکال کر ان کافروں سے بولے کہ تم جانتے ہو کہ میں تیر چلانے میں کتنا ماہر ہوں میرا کوئی تیر خالی نہیں جاتا اور میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ جب تک میرے پاس ایک تیر بھی باقی رہے گا تم میرے قریب بھی نہیں آسکتے

اور تیر ختم ہو جانے پر میں اپنی تلوار سے کام لوں گا اور اس وقت تک تمہارا مقابلہ کرتا رہوں گا جب تک میرے دم میں دم ہے، اور پھر فرمایا اے کافرو تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم میرا وہ مال حاصل کرلو جو کہ میں فلاں جگہ رکھا ہے اس پر یہ کافر راضی ہو کر واپس لوٹ گئے۔

حضرت صہیب جب سرکار دو عالم کی خدمت میں پہنچے تو اپنے سفر کا قصہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا اے صہیب تمہارا یہ سودا نفع بخش رہا بیشک دین کی خاطر اپنی دنیا لٹا دینا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ

قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے پھر اگر تم بعد اسکے

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾

کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس آویں

وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾

اور سارا قصہ ہی ختم ہوجائے اور یہ سارے مقدمات اللہ تعالیٰ کی ہی طرف رجوع کئے جائیں گے

شان نزول حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ جو پہلے علماء یہود تھے اور بعد میں مذہب اسلام قبول کرلیا تھا اس وقت ان کے دل میں یہ بات آئی کہ ہمارے پہلے دین یعنی دین موسیٰ میں ہفتہ کے دن کی تعظیم کی جاتی تھی اور اونٹ کا گوشت حرام تھا اگر اب بھی ہم اس دن کی تعظیم کریں اور اونٹ کا گوشت نہ کھائیں تو یہ بہتر ہوگا کیونکہ اس صورت میں مذہب اسلام پر بھی عمل ہو رہا ہے اور مذہب موسیٰ پر بھی، اس آیت میں ان حضرات کی اصلاح فرمائی گئی کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہوا ایسا نہ ہو کہ کچھ دین موسیٰ کی بھی رعایت ہو، یاد رکھو اس طرح کے خیالات تمہارے دل میں شیطان ڈالتا ہے جو تمہارا ازلی دشمن ہے اسکے بعد بھی اگر کوئی شخص کامل مسلمان نہ بنے تو پھر اس کو خدا کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیئے جو آخرت میں اس کو ضرور دیا جائیگا۔

سَلْ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ

آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ

نِعْمَةَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

کی نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد، تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں۔

تفسیر اس آیت میں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے اس قوم کو کھلم کھلا واضح دلائل دیئے یعنی توریت دی، کوہ طور پر توریت کا آسمانی کتاب ہونا حق تعالیٰ کی زبانی اپنے کانوں سے سنا وغیرہ، مگر اس کے باوجود جو شخص (یہود ہو خواہ کوئی دوسرا) نعمت ایمان کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کرے تو ایسے شخص کو ہم سخت قسم کا عذاب دیتے ہیں، چنانچہ یہود کو بھی اپنا مذہب جان لینے کے بعد نہ ماننے پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذاب میں دنیا ہی کے اندر مبتلا کر دیا۔

امت محمدی کیلئے مقام فکر امت محمدی جس کو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا برگزیدہ پیغمبر ملا قرآن حکیم جیسی مقدس کتاب ملی اور سیکڑوں معجزے اپنے پیغمبر کی معرفت اللہ تعالیٰ نے دکھلائے وغیرہ ان واضح دلائل کے بعد بھی اگر کوئی ایمان ہی قبول نہ کرے اور اپنے خیالات رسومات اور بدعات پر ہی عمل کرتا رہے تو اس کو بھی ان آیات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور عذاب خداوندی سے ڈر کر صراط مستقیم پر قائم ہو جانا چاہیئے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ

دنیوی معاشں کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور وہ ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے

اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ

ہیں حالانکہ یہ مسلمان جو کفر و شرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے قیامت کے روز

یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دیدیتے ہیں۔

تفسیر اس آیت شریف میں مشرکین عرب ابوجہل اور یہود کے رئیسوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے مال و دولت پر اتنا گھمنڈ کرتے تھے کہ غریب مہاجر مسلمانوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے تھے اور ان کا طرح طرح سے مذاق اڑاتے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

قیامت کے دن یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ کون ذلیل ہے اور کون عزت والا۔ ہم مسلمانوں کو جنت کے محلات حوریں، سواری اور ہر طرح کی عزت و شوکت عطا فرمائیں گے اور ان مالدار مشرکین، کافرین، منافقین یہود وغیرہ کو جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دیں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ کچھ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ہم دنیا میں خوش ہیں، ہمارے پاس خوب مال و دولت ہے اور ہماری عزت کی جاتی ہے اس لئے ہم سے خدا بھی راضی ہے نہیں تو وہ ہم پر انعامات کیوں فرماتا، واللہ یرزق الآیۃ۔ اس آیت میں اس کی اصلاح فرمادی گئی کہ رزق تو ہم جس کو چاہتے ہیں بے پناہ عطا فرما دیتے ہیں اس سے یہ سمجھنا کہ مالدار سے خدا راضی اور غریب سے ناراض ہے سراسر حماقت اور بیوقوفی ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے — پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی سناتے تھے

وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ

ان کے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرمائیں اور اس کتاب میں اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى

نے جن کو وہ کتاب ملی تھی بعد اسکے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے باہمی ضد اضدی کی وجہ سے پھر اللہ

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

تعالیٰ نے ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ بتلا دیا — اور اللہ تعالیٰ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۱۳

جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں۔

تفسیر اس آیت پاک میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ تمام کے تمام انسان ایک ہی مذہب و ملت اور طریقہ پر تھے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو خدا کے احکام اپنی اولاد کو ہدایت فرماتے وہ اس پر ایک مدت دراز تک عمل کرتے رہے جس کی تفصیل بعض حضرات مفسرین نے ایک ہزار

برس بتلائی ہے اس کے بعد اولاد کا سلسلہ بڑھتا رہا اور مختلف شہروں میں پھیلتے رہے جس کی وجہ سے طبیعت و مزاج بھی بدلتے رہے اور اسی کے ماتحت ہو کر لوگوں نے مذہب و ملت میں بھی تبدیلیاں شروع کر دیں، ان کی اصلاح کی خاطر اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کو اتارا مگر ان میں پھر بھی دو ہی جماعتیں رہی ایک وہ جس نے ان پیغمبروں کی بات سنی اور توحید کا راستہ اختیار کیا دوسری وہ جس نے ان کی بات نہ سنی اور گمراہی کا راستہ اختیار کیا جس کی سزا ان کو ایک دن ضرور ملے گی۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ

کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ تم کو ہنوز ان لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں

الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا

آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان پر ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں

حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ

کہ پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد کب ہو گی یاد رکھو

اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾

بے شک اللہ تعالیٰ کی امداد نزدیک ہے

تفسیر پہلے یہ مضمون گذرا کہ مشرکین عرب مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچاتے ان کا مذاق اڑاتے اس آیت میں ان کو تسلی دے کر ایمان پر جمے رہنے کی ہدایت دی ارشاد ہے کہ کیا تم یوں ہی راحت و آرام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، نہیں بلکہ اس کے لئے تمھیں کچھ قربانیاں دینی ہوں گی مشقتیں برداشت کرنا ہوں گی اور یہ کوئی نئی بات

اقوال و تحقیق :- امۃ واحدۃ (۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ اس امت کے اتحاد سے مراد وہ اتحاد ہے جو عالم ازل میں تھا کہ تمام انسانوں نے ایک آواز ہو کر الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا۔ (۲) حضرت ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ یہ اتحاد عقیدہ حضرت آدم سے لے کر حضرت ادریسؑ کے زمانے تک رہا اور ان دونوں انبیاءؑ کے درمیان کا وقت ایک ہزار برس ہے۔

نہیں بلکہ تم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اور ان کی امتیں گزری ہیں سب نے بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں ، حدیث پاک میں ہے کہ کسی کو آگ میں ڈالا گیا کسی کے سر کو آرہ سے چیرا گیا اور کسی کے گوشت کو لوہے کی کنگھی سے نوچا گیا وغیرہ وغیرہ۔ اور اس وقت انھوں نے خدا سے مدد چاہی کہ کب مدد آئے گی جواب آیا کہ جلد ہی تمھاری مدد ہوگی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا

اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نیک کام

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے۔

مال کن پر خرچ کیا جائے اس آیت پاک میں صحابۂ کرام رض کے ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے ، انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا تھا کہ ہم کیا خرچ کریں جواب ملا یہ تو تمھاری ہمت حالات پر موقوف ہے کیا اور کتنا خرچ کرو ہم تو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ کن لوگوں پر خرچ کرو سو سنو! ماں باپ ، قریبی رشتہ دار ، یتیموں ، محتاجوں ضرورت مند مسافروں پر خرچ کرو اور تمھارے اس خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں تم جیسی نیت کرو گے ویسا ہی اس کا بدلہ پاؤ گے۔

اقوال و تحقیق :- اس آیت میں دو باتیں قابل تحقیق ہیں (۱) متیٰ نصر اللہ پر یہ اشکال نہ ہو کہ نعوذ باللہ انبیاء کو مدد خدا آنے میں شک تھا کیونکہ مدد کا وقت متعین نہ ہونے کی وجہ سے انتظار تھا جلدی تھی جس میں یہ حضرات الحاح کے ساتھ دعا فرماتے جو خلاف رضا و تسلیم نہیں بلکہ مستحسن ہے

(۲) بلا مشقت اٹھائے جنت میں نہیں جاؤ گے اس جملہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے گنہگار محض خدا کے فضل کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں گے جنھوں نے کوئی مشقت نہیں اٹھائی ، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مشقت کے درجات متفاوت ہیں جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی نفس اور شیطان سے مقابلہ کرے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے ، فلا اشکال الآن

مسئلہ : ماں باپ کو زکوٰۃ و فطرہ دینا جائز نہیں، اس آیت میں ماں باپ کو امداد کے طور پر دینے کا ذکر ہے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا

جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو گراں ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو

وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ

اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو۔ اور یہ ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خرابی ہو، اور اللہ

يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ۔

۲۶ ع ۶ ۱۰

تفسیر اے لوگو تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے یہ اگرچہ تم کو گراں معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں گھر چھوڑنا پڑتا ہے مال خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت سی چیزیں تم کو اچھی نہیں لگتی حالانکہ وہ تمہارے حق میں مفید ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں تم کو بھلی معلوم ہوتی ہیں حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری اور نقصان دہ ہوتی ہیں اس لئے ہمارے حکم کے سامنے تم اپنی عقل وغیرہ کا دخل مت دو بلکہ جیسا ہم حکم دیں اس پر عمل کرلو اس کی حکمت و مصلحت ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے ۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال

كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کرنا جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ

اقوال و تحقیق :- اس آیت سے جہاد کی فرضیت ثابت ہے مگر یہ جبھی ہے جبکہ شرائط جہاد جو کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہیں پائے جائیں ۔ اور پھر اس مقام پر یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں ۱ عین ۲ کفایہ ۔ جہاد فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جب دین ومذہب کے دشمن حملہ آور ہو جائیں نہیں تو فرض کفایہ ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ قیامت تک ایک ایسی جماعت کا رہنا ضروری ہے جو فریضۂ جہاد ادا کرتی رہے ۔

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ

اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بڑھ کر ہے

شانِ نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کا ایک سفر میں اتفاق سے کفار کے ساتھ مقابلہ ہو گیا اس میں ایک کافر ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور جس روز یہ قصہ ہوا ماہ رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر صحابۂ کرامؓ اس کو جمادی الاخری کی تیسویں تاریخ سمجھ رہے تھے اس واقعہ پر کافروں نے مسلمانوں کو لعن وطعن کرنا شروع کی کہ مسلمان تو شہر حرم یعنی ان چار مہینوں میں بھی قتل کرنے سے باز نہیں آتے جن میں قتل وقتال کرنا حرام ہے، مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی اور آکر حضور علیہ السلام سے اسکے متعلق پوچھا، بعض روایات میں ہے کہ خود بعض کافروں نے بھی حاضر ہو کر اعتراض کرتے ہوئے حضورؐ سے اس کے متعلق سوال کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جسکا حاصل یہ ہے کہ ان مہینوں میں جان بوجھ کر قتل کرنا جرم اور گناہ ہے لیکن چونکہ صحابہ سے یہ قتل تاریخ کی تحقیق نہ ہونے پر غلطی سے ہوا ہے اس لئے یہ کوئی جرم اور گناہ نہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کافروں کی تو ایسی ایسی حرکتیں ہیں کہ ان کی شرم سے ان کو آپ سے اس قتل کے بارے میں سوال بھی نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ یہ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیف پہونچا کر اللہ کے دین پر آنے سے روکتے ہیں، مسجد حرام میں بت رکھ کر انھیں پوجتے ہیں اور جو حضرات یعنی حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ مسجد حرام کے مستحق ہیں ان کو ستا ستا کر یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کرتے ہیں ان حرکتوں سے دین اسلام میں انھوں نے ایک فتنہ برپا کر رکھا ہے جو اس قتل سے بڑا جرم اور گناہ ہے۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا

اور کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ جاری ہی رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پا دیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے - پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں

اقوالِ تحقیق: علامہ آلوسی رح، امام رازی رح، قاضی بیضاوی رح فرماتے ہیں کہ اشہر حرم میں قتل کی حرمت با جماع امت منسوخ ہے۔

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں یہ لوگ دوزخ

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ

میں ہمیشہ رہینگے حقیقۃً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائینگے اور رحمت کرینگے

تفسیر مسلمانوں کو اطلاع دی جا رہی ہے کہ یہ کافر تو ہمیشہ تمہارے ساتھ میدان جنگ گرم رکھیں گے اس امید پر کہ شاید کبھی ہم ان پر غالب آ جائیں اور ان کو مذہب اسلام سے نکال کر کفر کی گھاٹی میں لا چھوڑیں مگر یاد رکھو اے مومنو اگر تم میں سے کسی نے کفر اختیار کیا اور پھر اسی حالت میں مر گیا تو اس کے دین و دنیا کے تمام جاتے رہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، دنیا میں اعمال کا جاتے رہنا یہ ہے کہ بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے مسلمان رشتہ داروں کے مال میراث سے محروم ہو جاتا ہے اور آخرت میں اعمال کا جاتے رہنا ظاہر ہے کہ ان کا ثواب نہیں ملے گا جس کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کر دیا جائیگا اور ہاں وہ لوگ جو ان کافروں سے مقابلہ کرتے رہیں یا ایمان بچانے کی غرض سے اپنا وطن چھوڑ دیں ان پر یقیناً خدا کی رحمت ہے اور آخرت کا ہر طرح کا آرام ان کے نصیب میں ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ

لوگ آپ سے شراب اور قمار کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی

لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

ہیں اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

شراب کی ممانعت ابتداء اسلام میں زمانۂ جاہلیت کی عام رسموں کی طرح شراب پینا بھی عام تھا جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے لوگ بھی شراب اور جوے میں مبتلا تھے، عام لوگ تو ان دو چیزوں کے ظاہری فائدوں کو دیکھ کر ان پر فریفتہ تھے اور جو ان میں اندرونی نقصانات تھے اس سے بے خبر تھے، لیکن ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ ہر قوم میں کچھ لوگ سمجھدار بھی ہوتے ہیں، جو پہلے سے اس کی برائی کو سمجھ لیتے ہیں چنانچہ

صحابہ کرامؓ میں بھی بعض ایسے حضرات تھے جنھوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو نہیں چھوا۔ مدینہ پہونچنے پر چند صحابہ کرام کو ان چیزوں کی برائی کا زیادہ احساس ہوا چنانچہ حضرت عمر فاروق رض معاذ بن جبلؓ اور چند انصاری صحابہ اسی احساس کی بنا پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور جُوا انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد ہوتا ہے ان کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے، اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جُوے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا، اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ شراب اور جوے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فائدے ضرور ہیں کہ لذت مل جاتی ہے، کچھ مال حاصل ہو جاتا ہے وغیرہ، لیکن ان دونوں سے گناہ کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے فوائد پر غالب ہیں۔

اس آیت میں صاف طور پر شراب کو حرام تو نہیں کہا گیا مگر اس کی خرابیاں اور نقصانات بیان کر دیئے گئے گویا شراب چھوڑنے کا ایک طرح کا مشورہ دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے اس مشورہ کو قبول کر کے اسی وقت شراب کو چھوڑ دیا اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس آیت نے شراب کو حرام تو بتایا نہیں بلکہ برے کاموں کا سبب بتلایا ہے کہ اسے پی کر آدمی بہت سے گناہ کر بیٹھتا ہے بس ہم اس کا پورا پورا خیال رکھیں گے کہ ہم سے کوئی گناہ کا کام نہ ہو شراب پی نے میں کوئی حرج نہیں اس لئے پیتے رہے یہاں تک کہ ایک دن یہ قصہ ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام میں سے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد دستور کے مطابق شراب کا دور چلا اسی حال میں مغرب کی نماز کا وقت آگیا اور انہی میں سے ایک صحابی کو امام بنا دیا گیا انھوں نے قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ کی تلاوت کی اور نشہ کی حالت میں غلط پڑھ گئے جس پر آیت نازل ہوئی "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰارٰی" یعنی اے ایمان والو تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، اس آیت میں خاص نماز کے وقت شراب کو حرام کر دیا گیا باقی اوقات میں جائز رہی، بعض صحابہؓ نے اس آیت کے نازل ہونے پر شراب کو چھوڑ دیا کہ جس چیز کی وجہ سے ہم نماز جیسی مقدس عبادت کے قریب نہیں جا سکتے اسے استعمال میں لانا ہی نہیں چاہئے، مگر بعض حضرات اب بھی نماز کے وقت کے علاوہ پیتے رہے یہاں تک کہ ایک اور قصہ پیش آیا کہ عتبان بن مالک نے چند صحابہ کرام کی دعوت کی جن میں حضرت سعد بن وقاص بھی تھے کھانے کے بعد شراب کا دور چلا اور پھر ان کے رواج کے مطابق شعر و شاعری کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اپنے اپنے کارناموں پر فخر کرنے لگے، سعد بن وقاصؓ نے ایک قصیدہ (نظم) پڑھا جس میں مدینہ کے انصار حضرات کی برائی اور اپنی قوم کی تعریف تھی اس کو سنکر ایک انصاری نوجوان

کو غصہ آیا اور اس نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر زور کے ساتھ سعد بن وقاص کے سر پر ماری جس سے ان کے گہرا زخم ہو گیا، حضرت سعدؓ نے اس نوجوان کی یہ شکایت حضور کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمیں شراب کے بارے میں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرما دے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت سورۂ مائدہ کی نازل فرمائی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الخ یعنی اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوے کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں تم اس سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح و کامیابی پاؤ۔

اس آیت میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے اب اسکے استعمال کی قطعاً اجازت نہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ەؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے جتنا آسان ہو اللہ تعالیٰ اسی طرح

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا و آخرت کے معاملات میں سوچا کرو۔

تفسیر حضرات صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم راہ خدا میں کتنا مال خرچ کیا کریں؟ اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ جتنا خرچ کرنے میں تمھیں سہولت ہو یعنی اپنے اور اپنے اہل کی ضروریات سے جو بچے اور اس سے کسی دوسرے کا حق بھی ضائع نہ ہو اس کو راہ خدا میں خیرات کر دیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے حکم فرماتے ہیں جن سے انھیں دنیا میں بھی پریشان نہ ہونا پڑے اور آخرت میں بھی عذاب سے محفوظ رہ کر جنت کی بہار لوٹیں

مسئلہ: اس آیت میں نفلی صدقہ و خیرات کا ذکر ہے، زکوٰۃ اور دوسرے صدقات واجبہ اپنے ضروری اخراجات کو روک کر دینا ضروری ہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ

اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو جانتے ہیں

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ابتدا اسلام میں لوگ یتیموں کے مالوں میں بہت لاپرواہی اور بے احتیاطی کرتے تھے اس لئے یہ وعید سنائی گئی تھی کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسا دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا اس وعید کو سنکر مسلمان ڈر کی وجہ سے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا بھی الگ پکواتے الگ رکھواتے اور اتفاق سے اگر بچہ کم کھاتا تو کھانا بچتا اور سڑتا اور پھینکنا پڑتا غرض کہ اس طرح بالکل علیحدگی کی صورت میں تکلیف بھی ہوتی اور یتیم کا مال بھی ضائع ہوتا اس لئے کچھ صحابہ کرام نے اسکے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر جواب عطا فرما دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یتیم بچے تمہارے دینی بھائی ہیں ان کا کھانا اگر تم اپنے ساتھ ملا کر پکاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تمہاری نیت صحیح ہو۔

مسئلہ جو چیز سڑنے بھسنے والی ہو اس میں اپنے ساتھ یتیم کا خرچ اندازے سے شامل رکھنا جائز ہے اور دوسری چیزوں کا حساب الگ رکھنا واجب ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں، اور مسلمان عورت لونڈی بہتر ہے کافر

مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ

عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو ۔ اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ

مسلمان نہ ہو جائیں، اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تمکو اچھا ہی معلوم ہو یہ لوگ دوزخ کی تحریک

اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ

دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔

تفسیر:۔ کافر عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ ایمان قبول نہ کرلیں۔ اور مسلمان

عورت چاہے کیسی بھی ہو وہ پھر بھی کافر عورت سے ہزار درجہ بہتر ہے اگرچہ تم کو کافر عورت ہی زیادہ پسند آرہی ہو حسن وجمال یا مال ودولت کی وجہ سے اور اسی طرح کافر مرد کے ساتھ بھی مسلمان عورت کا نکاح مت کرو اسکے مقابلہ میں مسلمان مرد ہزار درجہ بہتر ہے چاہے وہ کیسا ہی ہو، اگرچہ تمکو کافر مرد ہی زیادہ پسند ہو اس کے مالدار اور عزت ودبدبے کی وجہ سے۔ یاد رکھو یہ کافر مرد وعورت تم کو جہنم میں لیجانے والے ہیں کیونکہ ان کے واسطے سے کفر کی تحریک تم پر اثر انداز ہوگی اور پھر وہ تمکو جہنم تک پہونچا کر رہے گی اس لئے ان کی طرف مت بڑھو بلکہ اپنے خدا کے بتلائے ہوئے قانون کو اختیار کرو (کہ مسلمان سے نکاح کرو) جو تمکو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔

کتابیہ سے نکاح کی اجازت ہے اس آیت میں تو تمام کافر عورتوں سے نکاح کی ممانعت فرمائی گئی جس میں کتابیہ عورتیں بھی شامل ہیں لیکن سورۂ مائدہ کی ایک آیت جس میں کتابیہ یعنی یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے (اسے یہ حکم منسوخ ہے. حاصل یہ کہ یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ وہ پہلے مسلمان نہ ہوں یعنی مذہب اسلام کو چھوڑ کر انھوں نے عیسائیت، یہودیت اختیار نہ کی ہو۔

تنبیہ :۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی اگرچہ اجازت ہے مگر پھر بھی اسلام نے اس کو پسند نہیں کیا، حضور کا ارشاد ہے کہ دیندار عورت سے نکاح کرو یعنی بددین عورت سے نکاح کرنے سے بچو ظاہر ہے جب بددین عورت سے نکاح کرنے سے بچنے کا حکم ہے تو دوسرے دین والی عورت سے نکاح کرنے سے بچنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

مسئلہ : جو لوگ اپنے طرز سے اہل کتاب معلوم ہوں لیکن تحقیق کرنے پر ان کے عقائد اہل کتاب کے نہوں تو ان سے نکاح کرنا بالکل جائز نہیں، آج کے اکثر اہل کتاب صرف نام کے ہیں، حقیقت میں نہ وہ توریت وانجیل کو جانتے اور مانتے ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہم السلام کو اپنا نبی تسلیم کرتے ہیں، ان کے تمام اعمال وعقائد ملحدانہ کافرانہ اور مشرکانہ ہیں ان سے نکاح کرنے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ
اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں

فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ
سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہوجاویں، پھر جب اچھی طرح پاک ہوجاویں

فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَ

تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے

يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ

اور محبت رکھتے ہیں پاک و صاف رہنے والوں سے تمہاری بیبیاں تمہارے لئے کھیت ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرف سے

أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم

ہو کر چاہے آؤ - اور آئندہ کے واسطے اپنے لئے کچھ کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ

مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور ایسے ایمانداروں کو خوشی کی خبر سنا دیجئے -

شانِ نزول حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حیض والی عورت کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے اور نہ اپنے ساتھ رکھتے بلکہ اس سے دور رہتے تھے صحابہ کرامؓ نے اس بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، حضورؐ نے فرمایا کہ حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کے علاوہ سب کچھ حلال ہے، یعنی اس کے ساتھ کھا پی بھی سکتا ہے اس کو چھو بھی سکتا ہے وغیرہ،

اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب عورتیں پاک ہو جائیں حیض سے تو پھر ان سے صحبت کرنا جائز ہے اور مزید وضاحت کے لئے فرمایا کہ یہ صحبت صرف اگلے حصے میں ہونی چاہیے اس کو کھیتی سے تعبیر فرمایا کہ اس میں نطفہ گویا کہ بمنزلہ تخم اور بیج کے ہے اور بچہ کا پیدا ہونا بمنزلہ کھیتی کی پیداوار کے ہے، یہ مقصد یعنی اولاد کا پیدا ہونا چونکہ پچھلے حصہ میں پورا نہیں ہوتا اس لئے اس میں صحبت کرنے کو حرام فرما دیا گیا اور انسان کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے یعنی اس صحبت وغیرہ میں اتنا مشغول نہ ہو جاوے کہ آخرت کے لئے کچھ بھی نہ کر پاوے جہاں اس کو ہمیشہ رہنا ہے

مسئلہ، اور اگر غلطی سے شہوت کے غلبہ کی وجہ سے حیض کی حالت میں کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرے تو اس کے لئے خوب توبہ واستغفار کرنا واجب ہے اور اگر کچھ صدقہ وخیرات بھی راہ خدا میں دیدے تو بہتر ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فی ما بین

بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ

خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر دارو گیر نہ فرماویں گے تمھاری

فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ

قسموں میں بیہودہ قسم پر لیکن دارو گیر فرمائیں گے اس پر جس میں تمھارے دلوں نے ارادہ کیا ہے -

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں -

تفسیر

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے نام کو قسم کے لئے آڑ مت بناؤ، کہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر نیک کاموں سے رکو مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ خدا کی قسم میں فلاں مسجد میں مغرب کی دو نفلیں نہیں پڑھوں گا یا قسم کھائے کہ میں فلاں رشتہ دار سے نہیں ملوں گا ایسے کاموں سے رکنا اول تو ویسے ہی غلط ہے اور پھر خدا کی قسم کھا کر نیک کاموں سے رکنا اور بھی زیادہ برا ہے -

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی نیک کام سے رکنے کی قسم کھالے تو اس کو قسم توڑ کر کفارہ ادا کردینا چاہیئے -

بلاوجہ قسم کھانے کی عادت بری ہے

بہت سے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ یوں ہی ذرا ذرا سی بات پر بلا سوچے سمجھے قسم کھا بیٹھتے ہیں جس سے ان کا ارادہ کچھ نہیں ہوتا بس ایسی قسم کو لغو یعنی بیکار کہتے ہیں اس پر اگرچہ اللہ کی طرف سے کوئی پکڑ اور گناہ نہیں ہے مگر غلط اور بے ہودہ ضرور ہے اس طرح قسمیں کھانے سے دل سخت ہوجاتا ہے اور جو قسم جان بوجھ کر کھائی جائے مثلاً یوں کہے کہ فلاں آدمی آیا تھا جبکہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نہیں آیا۔ اسکو غموس کہتے ہیں - اس میں آدمی گنہگار ہوتا ہے لیکن ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہوتا اس کی تلافی کے لئے خوب توبہ واستغفار کرے اور آئندہ کے لئے بچنے کا پختہ ارادہ کرے -

ان کے علاوہ ایک تیسری قسم کی قسم یہ بھی ہے کہ جس کا اس آیت میں ذکر نہیں ہے اور وہ سورۂ مائدہ میں بیان ہوئی ہے اس کا نام منعقدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی آئندہ کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائے، مثلاً خدا کی قسم میں فلاں شخص کے گھر نہیں جاؤں گا۔ اور پھر چلا گیا تو اس کو اپنی قسم کا کفارہ دینا پڑے گا -

قسم کا کفارہ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو دس مسکینوں کو دونوں وقت کا درمیانی درجہ کا کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے اور اگر ان تینوں میں سے کسی کے بھی کرنے کی طاقت نہیں تو پھر تین روزے رکھے مسلسل یعنی تینوں دن روزے رکھے ایسا نہ ہو کہ مثلاً جمعرات کا رکھا اور پھر جمعہ چھوڑ کر سنیچر کا رکھ لیا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے۔

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

سو اگر یہ لوگ رجوع کرلیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے رحمت فرمادیں گے اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ

فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

ایلاء کا حکم اس آیت پاک میں ایلاء کے متعلق مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے، ایلاء کہتے ہیں کہ آدمی اپنی بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے، اس کی چار صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ بیوی سے علیحدگی کی مدت مقرر نہ کرے دوّم چار مہینے کا وقت متعین کرے، سوّم چار مہینے سے زیادہ مدت متعین کرے، چہارم چار مہینے سے کم مدت متعین کرے۔ پہلی تینوں صورتوں کو شریعت میں ایلاء کہتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار مہینے کے اندر اپنی قسم توڑ ڈالے اور بیوی کے پاس چلا جائے تو قسم کا کفارہ ادا کردے نکاح بدستور باقی رہے گا، اور اگر چار مہینے گذر گئے اور قسم نہ توڑی یعنی بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس صورت میں قطعی طلاق پڑ گئی اب بلا نکاح عورت کے پاس جانا جائز نہیں، اگر پھر سے دونوں نکاح کرنا چاہیں تو اس میں حلالہ کی ضرورت نہیں، اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے قسم توڑ دی تو کفارہ واجب ہوجائیگا اور قسم پوری کرلی تو بھی نکاح نہیں ٹوٹے گا

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات حلال

اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ

نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو اسکو پوشیدہ کریں اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ

پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ

رکھتے ہوں اور عورتوں کیلئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا

دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکیم ہیں -

۲۸ ع ۱۲

عدت کا بیان جس عورت کو اس کا شوہر طلاق دیدے تو اس کے لئے عدت گذارنا ضروری ہے اور عدت یہ ہے کہ عورت اسی مکان میں تین حیض آنے تک رکی رہے، عورتوں کو ہدایت ہے کہ ایسے وقت میں انھیں شرم کے دامن کو چھوڑ کر صاف صاف بتلا دینا چاہیئے کہ اب مجھے اتنی ماہواری آچکی ہے یا مجھے حمل ہے کیونکہ اگر عورتیں ان چیزوں پر پردہ ڈالے رکھیں گی تو عدت کا حساب غلط ہو جائیگا۔

طلاق رجعی اگر عورت کو ایک یا دو طلاق دی گئی ہے اور وہ اسی کی عدت گذار رہی ہے تو اس میں شوہر کو اختیار ہے کہ وہ عورت کو عدت کے اندر اندر اپنی طرف لوٹالے بشرطیکہ اب معاملات کو صحیح صحیح رکھنے کا ارادہ ہو اس صورت میں عورت بلا نکاح کے مرد کے لئے جائز ہے اور اگر عدت پوری ہو گئی تو پھر بغیر نکاح کے شوہر عورت کو اختیار نہیں کر سکتا، اسکے بعد قرآن نے مرد وعورت دونوں کو یہ نصیحت کی کہ تم پر ایک دوسرے کے حقوق ہیں انھیں صحیح ڈھنگ سے ادا کرو البتہ مرد کا مقام عورت سے بڑھا ہوا ہے اس لئے عورت کو مرد کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔

مسئلہ : اگر عورت کو ماہواری آتی ہے تو اس کی عدت تین ماہواری ہے اور اگر ماہواری نہیں آتی تو اس کی عدت تین مہینے ہیں اور اگر وہ عورت حمل سے ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہوتے ہی ختم ہو جائے گی۔

مسئلہ : جس کا شوہر انتقال کر جائے اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔

شان نزول یزید بن السکن انصاریہ سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مجھے طلاق دی گئی اور اس وقت تک طلاق دی ہوئی عورت کی کوئی عدت نہیں تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر طلاق والی عورت کے لئے عدت کا حکم فرما دیا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

وہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدے کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔

شان نزول مذہب اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ شوہر جتنی طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت پوری ہونے کے قریب پھر اسی بیوی سے تعلقات قائم کر لیتا۔ اس سے عورتوں بڑی غضب میں تھی اس ماحول سے تنگ آکر ایک عورت نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے بے پناہ تنگ کرتا ہے بار بار طلاق دیتا ہے اور عدت گذرنے سے پہلے مجھ سے رجوع کر لیتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ، کہ جس طلاق میں رجوع کرنا جائز ہے وہ صرف دو طلاقیں ہیں اگر کسی نے تیسری طلاق دیدی تو اب وہ عدت میں رجوع یعنی بیوی کو اپنی طرف نہیں لوٹا سکتا یہاں تک کہ حلالہ کے بعد عدت گذرنے پر اس سے از سر نو نکاح کرے۔

شوہر کو ہدایت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر عورتوں پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ وہ مردوں کے ستانے سے محفوظ ہوگئیں اور مزید اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اگر دو طلاق دینے کی صورت میں عدت کے اندر تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح ہی میں رکھنا چاہو تو خوب اچھی طرح سوچ لو کہ آئندہ کوئی اس طرح کی حرکت کرکے اس بیچاری کو پریشان نہیں کروگے اگر اس پر رضامند ہو تو اس کو اپنی طرف لوٹا لو اور اگر نہیں تو پھر خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی طرح اس کو تنگ کئے تیسری طلاق دے کر یا عدت پوری کرا کر اپنے سے بالکل علیحدہ کردو تاکہ وہ اپنے متعلق جو بہتر سمجھے قدم اٹھا کر باقی زندگی گذار سکے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ کچھ بھی لو اس میں سے جو تم نے ان کو دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا

اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا

تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑالے، یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اور جو شخص خدائی ضابطوں سے بالکل باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

تفسیر

بہت سے ظالم شوہر بیوی کو نہ رکھنا چاہتے ہیں نہ اس کے حقوق کی فکر کرتے ہیں اور نہ طلاق دیتے ہیں جس سے بیوی پریشان ہوجاتی ہے اب اس کی مجبوری اور پریشانی سے شوہر ناجائز فائدہ اٹھاکر طلاق دینے کے لئے اس سے کچھ مال کا کم از کم مہر کی معافی یا اس کی واپسی کا مطالبہ رکھتے ہیں، اس آیت میں اس کو حرام فرمایا گیا۔ ہاں ایک صورت اس کے جائز ہونے کی قرآن نے یہ بیان کردی ہے کہ بیوی بھی شوہر سے پریشان ہو اور یہ محسوس کرے کہ میں شوہر کے حقوق ادا نہیں کرسکوں گی تو اس صورت میں یہ جائز ہے کہ مہر کی واپسی یا مہر دن کو معاف کراکر طلاق دی جائے اور لی جائے۔

ایک واقعہ

اوپر کے مضمون کے متعلق حدیث پاک میں ایک واقعہ مذکور ہے، مدینہ منورہ میں ایک عورت جمیلہ نام کی تھی اس کے شوہر کا نام ثابت بن قیس تھا، یہ شخص بدشکل تھا اپنی بیوی کو بہت چاہتا تھا مگر بیوی اس سے نفرت کرتی تھی اس لیے ہر دن ان میں جھگڑا اور رنجش رہا کرتی تھی ایک دن جمیلہ نے آکر حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرا دل میرے شوہر سے نفرت کرتا ہے مجھے خوف ہے کہ میں شوہر کے حقوق ادا نہ کرسکوں گی جس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں مبتلا کی جاؤں۔ آپ مجھے ان کی زوجیت سے علیحدہ فرمادیجئے، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم اپنے شوہر کو وہ باغ واپس کرسکتی ہو جو اس نے تم کو مہر میں دیا تھا اس نے عرض کیا دے سکتی ہوں، اسکے بعد آپ نے ان کے شوہر سے دریافت کیا اور پھر ان میں علیحدگی فرمادی۔

حدیث کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بیوی کچھ مال دے کر شوہر کی رضامندی حاصل کرکے اس سے علیحدہ ہوسکتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام خلع ہے۔

عورت کو طلاق لینے کی اجازت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو ہے کیوں کہ اس میں غور و فکر اور تحمل کا مادہ عورت سے زائد ہے، عورت کو طلاق کا اختیار اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ بہت جلد حالات سے متاثر ہوکر بلا سوچے سمجھے فیصلہ کر ڈالتی ہے لیکن اسی کے ساتھ عورت کو اس حق سے بالکل محروم بھی نہیں رکھا گیا کہ وہ شوہر کے ظلم و ستم سہنے پر ہی مجبور ہوجائے بلکہ بیوی کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ شرعی حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرکے اور شکایات کا ثبوت دے کر نکاح فسخ کرالے یا طلاق حاصل کرلے۔

مسئلہ : طلاق کے بدلہ مہر سے زیادہ مال لینا مکروہ ہے ۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ

پھر اگر کوئی طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا

خاوند کے ساتھ نکاح کرے پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جائیں

حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہوں کہ خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ انکو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے جو دانشمند ہیں

تفسیر اب تک کی آیتوں میں دو طلاق کا ذکر ہوا اس آیت میں تیسری طلاق کا ذکر ہے ارشاد ہے اگر اس شخص نے تیسری طلاق بھی دے ڈالی تو اب نکاح کا معاملہ بالکل ختم ہو گیا اس کو عدت میں بھی رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں رہا بلکہ اب اس کو ایک طرح کی سزا دی گئی اور وہ یہ ہے اگر یہ میاں بیوی پھر نکاح کا رشتہ قائم کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے یہاں تک کہ عورت عدت پوری کرکے دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس سے صحبت کرے اور پھر وہ چاہے تو اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے پھر طلاق کی عدت گذارے اور اب پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرے ۔

تنبیہ :- مذہب اسلام نے جو طلاق کے تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں رکھے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان تینوں درجوں کو پار کرنا ضروری یا بہتر ہے بلکہ منشاء شریعت کا تو یہ ہے کہ اول تو طلاق کا قدم اٹھانا ہی بڑا کام ہے اور اگر مجبوراً اس کی نوبت آجائے تو اس کے کم سے کم درجے یعنی ایک طلاق پر اکتفا کیا جائے اور عدت گذرنے دیں، عدت ختم ہوتے ہی یہ ایک طلاق میاں بیوی کا رشتہ ختم کرنے کے لئے کافی ہوجائے گی اور عورت آزاد ہو کر دوسرے شخص سے نکاح کرسکے گی، اس صورت میں یہ فائدہ ہے کہ اگر مرد عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے بعد اگر دونوں میں صلح ہوجائے تو پھر سے نکاح کرسکتے ہیں حلالہ کی ضرورت نہیں ۔

اور اگر کوئی شخص عدت کے اندر ہی دوسری طلاق دیدے جس کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی یہ شریعت میں پسندیدہ ہے مگر بہر حال اب اس نے طلاق کے دو درجے طے کرلئے لیکن ان دو درجوں کے بعد بھی مسئلہ وہی رہا جو ایک طلاق دینے کی صورت میں تھا کہ عدت کے اندر

اندر اگر رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور عدت گذرنے پر نکاح کرنا چاہے تو بغیر حلالہ کے نکاح کر سکتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ دو طلاق دینے پر شوہر نے اپنے اختیارات کی ایک کڑی اور توڑ ڈالی اور اس سرحد پر پہونچ گیا کہ اب اگر ایک مرتبہ بھی طلاق دیدے تو معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے یعنی یہ نہ پھر عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ بغیر حلالہ کے دوسرا نکاح کر سکتا ہے

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جاویں تو تم ان کو قاعدے کے موافق نکاح

أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ

میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہونچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادہ سے کہ ان

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ

پر ظلم کیا کروگے اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا - اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو و لعب

اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ

مت سمجھو اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور اس کتاب اور حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس

عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

حیثیت سے نازل فرمائیں ہیں کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ۔

الرکوع ۲۹ ع ۴ ۱۲

تفسیر اس سے پہلی آیات میں بھی یہ مضمون گذر چکا کہ اگر بیوی کو طلاق رجعی دیدی جائے تو پھر شوہر کے لئے دو راستے ہیں، چاہے تو اسے اپنی طرف لوٹا لے اور چاہے اس کو بالکل آزاد کر دے اسی حکم کو اس آیت میں دوبارہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس میں بے پناہ کوتاہی کیا کرتے تھے، مکرر بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی اہمیت کو بیان فرمادیا اور اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ بیوی کو رکھنا یا چھوڑنا جو بھی تم چاہو وہ حسن سلوک انسانیت اور اخلاق کے ساتھ کرو اور شریعت کے قاعدہ کے مطابق کرو مثلاً اگر بیوی کو اپنی طرف لوٹاتا ہے تو دل سے ناراضگی کو ختم کر دو، اس کے حقوق کی ادائے گی کا پورا پورا خیال رکھو۔ یہ نہ ہو کر پھر سے

بیوی کو اپنی قید نکاح میں رکھ کر ستانا اور اسے تکلیف پہونچانا مقصود ہو۔

اور اگر بیوی کو آزاد ہی کرنا ہے تو پھر اسے پاکیزہ اخلاق اور خوب صورتی کے ساتھ اپنے سے علیحدہ کر دو اس میں بھی شریعت کے قانون کا پورا دھیان رکھو مثلاً عدت کے دنوں میں اس کو اپنے گھر رہنے دو اور اس کا پورا خرچ اپنے ذمہ رکھو اور اگر مہر ابھی تک نہیں دیا تو جہاں تک ہو سکے جلد از جلد اسکے حوالہ کر دو یہ سب حقوق تو طلاق دینے والے شوہر پر واجب ہیں اور اس کو جاتے وقت کچھ نقد روپیہ وغیرہ دیدینا یا کم از کم ایک جوڑا کپڑے دینا مستحب اور افضل ہے۔

مذہب اسلام کی پاکیزہ تعلیم

سبحان اللہ کیا پاکیزہ تعلیم ہے مذہب اسلام کی کہ جو باتیں عرف میں لڑائی جھگڑے مقدمات اور دیگر کیس کا ذریعہ بنتی ہیں اور دو خاندانوں کو ہلاکت و تباہی کے منھ تک پہونچا دیتی ہیں مذہب اسلام نے ان کو بھی کیسی خوبصورتی کے ساتھ کرنے کی تعلیم فرمائی کہ اگر میاں بیوی میں جدائی ہی مقصود ہے تو وہ بھی اس طرح ہو کہ دونوں خاندانوں میں غصہ نہ بھڑکے اور کسی بھی لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کی نوبت نہ آئے۔

اس کے بعد ارشاد خداوندی ہے کہ ہمارے ان قوانین کو توڑنے والا اپنے ہی اوپر ظلم کرنے والا ہے کیونکہ ہم اسکے مرنے کے بعد اس کی ان حرکتوں کی ایسی سزا دیں گے کہ وہ گھبرا کر چلا اٹھے گا اور پھر اس وقت کچھ نہ بن پاویگا، اگر انسان غور کرے تو اسے پتہ چلے گا کہ کسی بے گناہ پر ظلم کرنا درحقیقت اپنے ہی اوپر ظلم کرنا ہے اور وہ اس کی سزا دنیا میں کسی نہ کسی صورت میں پالیتا ہے چاہے کوئی اس کا احساس کرے یا نہ کرے۔

طلاق و نکاح کو کھیل مت بناؤ

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا۔ یعنی اللہ کے احکام کو کھیل مت بناؤ اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ طلاق و نکاح کے جو شرائط و حدود اور قانون شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں ان کے خلاف مت چلو اور دوسری تفسیر جو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ طلاق دے کر یا غلام آزاد کر کے مکر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ

اقوال و تحقیق

ھُزُوًا ہزل (مذاق) اس کو کہتے ہیں کہ لفظ تو قصداً کہے جائیں مگر اس کے ساتھ مقصد ہو کہ اس لفظ کا اثر واقع نہ ہو سو بعض تصرفات اس نوع کے ہیں کہ ان میں مقصد کا ارادہ بھی بیکار ہے اور تصرفات محض تلفظ سے واقع ہو جائیں گے، ھزل کے قریب قریب خطاء ہے خطاء اس کو کہتے ہیں کہ منھ سے کہنا کچھ چاہتا تھا مگر نکل گیا کچھ اور۔ ہزل کی صورت میں باتفاق طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ خطاء کی صورت میں عنداللہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہم نے یوں ہی مذاق میں کہدیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے یہ فیصلہ کر دیا کہ طلاق و نکاح میں مذاق نہیں چلتی انھیں تو اگر کوئی مذاق میں بھی استعمال کرے گا تو وہ حقیقت ہی ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جنھیں مذاق میں کرنا یا حقیقت میں کرنا برابر ہیں ۱ طلاق ۲ نکاح ۳ غلام آزاد کرنا۔

مسئلہ : اگر کسی نے گواہوں کے سامنے مذاق میں کسی عورت کو اپنی بیوی بنا کر قبول کر لیا تو وہ حقیقت میں اس کی بیوی بن جائے گی اور اسی طرح ہنسی اور مذاق میں طلاق دیدی تو وہ بھی واقع ہو جائے گی

مسئلہ ۱ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کھیل بنانا یعنی ان پر عمل کرنے سے لاپرواہی برتنا سخت گناہ ہے اور اس کے احکام کے ساتھ ہنسی اور مذاق بنانے والا کافر ہو جاتا ہے۔

مومنوں پر خدائے تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان پر ایسے ایسے احکامات، ہدایات اور تعلیمات کھول کر واضح طور پر بیان فرما دی ہیں کہ ان پر عمل کرے تو یہ قوم مسلم دنیا کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں زیادہ چین و سکون، عزت و عظمت حاصل کر سکتی ہے اور زیادہ باشعور اور باسلیقہ کہلائی جا سکتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ عالم آخرت میں خدا کی رضا اور جنت کا مزا انہیں مومنوں ہی کو حاصل ہوگا دیگر گمراہ قومیں مشرکین و کافرین وغیرہ اس سے محروم رہیں گے اور جہنم کے عذابات میں مبتلا ہوں گے۔

پس اے مومنوں تم کو چاہیئے کہ خدا کی تمام نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہو اور اس کے قہر سے ڈرتے رہو اور کبھی اس کی نافرمانی مت کرو۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ

اور جب تم اپنی بیبیوں کو طلاق دیدو پھر وہ عورتیں اپنی میعاد بھی پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ

يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ

اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ باہم سب رضامند ہو جاویں قاعدے کے موافق اس مضمون سے نصیحت

بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ

کی جاتی ہے اس شخص کو جو کہ تم میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو اور اس نصیحت کو قبول کرنا تمھارے لئے زیادہ

وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۲۳۲)

صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر زمانہ جاہلیت میں عورت ذات پر ایک ظلم یہ کیا جاتا تھا کہ جس عورت کو طلاق دیدی جاتی وہ اپنی عدت پوری کرنے کے بعد اگر اپنے پہلے شوہر سے یا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا چاہتی تو اس کو روکا جاتا کبھی پہلا شوہر آڑے بنتا کہ اس میں میری بے عزتی ہے اور کبھی رشتہ دار اور خاندان والے رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے۔

شان نزول وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ الآیہ" یہ آیت بھی اسی طرح کے ایک واقعہ پیش آنے پر نازل فرمائی گئی واقعہ کی تفصیل بخاری شریف میں اس طرح ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی پھر عدت گذر جانے پر اس شخص کو اپنے فعل پر ندامت وشرمندگی ہوئی اور اس نے چاہا کہ میں پھر سے اپنی پہلی بیوی سے نکاح کروں ان کی بیوی یعنی حضرت معقل کی بہن بھی اس سے نکاح کے لئے رضامند تھی مگر جب اس شخص نے حضرت معقل سے نکاح کی بات کی تو انھیں چونکہ طلاق دینے پر غصہ تھا اس لئے انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی بہن کا نکاح تم سے کیا تھا اور تم نے اس کی یہ قدر کی کہ طلاق دے کر اپنے سے الگ کر دیا اب پھر تم دوبارہ نکاح کے لئے میرے پاس آئے ہو خدا کی قسم میں اپنی بہن کا نکاح تم سے ہرگز نہیں کروں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں حضرت معقل کے اس رویہ کو غلط اور ناجائز فرمایا گیا، حضرات صحابہ تو اللہ اور اس کے رسول کے سچے عاشق تھے اس آیت کے سنتے ہی حضرت معقل کا غصہ ختم ہو گیا اور پھر خود جا کر اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کر دیا اور جو نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس کا کفارہ ادا کر دیا۔

طلاق شدہ عورت کو اپنی مرضی سے نکاح کی اجازت اور اقربا کو اس میں رکاوٹ مذہب کی حدود میں رہ کر شرعی شرائط کی پابند ہو کر قانون خداوندی کے مطابق کرے لیکن اگر وہ شرعی قانون کے خلاف نکاح کرتی ہے مثلاً عدت ہی میں کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی ہے یا اپنے خاندان یا برابر والوں کے علاوہ سے نکاح کرنا چاہے یا جتنے مہر کا رواج ہے ان کے خاندان میں اس سے کم پر نکاح کرنا چاہے جس کا اثر خاندان پر پڑتا ہے یا کسی غیر مسلم سے شادی کرنا چاہے وغیرہ اس طرح کی تمام صورتوں میں لڑکی کے رشتہ داروں کو پورا پورا حق ہے کہ وہ اس کو نکاح سے اپنی طاقت کے مطابق ضرور روکیں،

اقوال وتحقیق دوسرے نکاح کے لئے عدت کا گذرنا اس وقت شرط ہے جبکہ کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے اور اگر پہلے ہی شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو عدت کے اندر بھی درست ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو عدت گذرنے کی قید لگائی ہے یا تو دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے کے اعتبار سے اگر پہلے ہی خاوند کے اعتبار سے کہا جاوے تو وجہ یہ ہے کہ اس قصہ میں اتفاق سے عدت گذر چکی تھی اسلئے واقعہ کے طور پر بیان فرمادیا۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں — یہ مدت اس کے لئے ہے جو

يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

شیرخوارگی کی تکمیل کرنا چاہے — اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا — اور کپڑا

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ

قاعدے کے موافق — کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہونچانا چاہیئے

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ

اسکے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اسکے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر

اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو دودھ پلوانا چاہو — تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں

اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

جب کہ ان کے حوالہ کردو — جو کچھ ان کو دینا کیا ہے قاعدہ کے موافق — اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو

اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں

تفسیر اس آیت پاک میں بچوں کو دودھ پینے کے مسائل بیان کئے گئے ہیں اس سے پہلی اور بعد والی آیات میں طلاق کے مسائل بیان کئے گئے کہ عام طور پر طلاق کے بعد بچوں کی پرورش اور دودھ پلانے یا پلوانے کے معاملات میں جھگڑا ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں ایسے مسائل بیان کئے گئے ہیں جو مرد و عورت دونوں کے لئے آسان اور مناسب ہیں۔

چند مسائل مسئلہ: ماں اگر کسی وجہ سے معذور نہیں تو اس پر دیانۃً واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے چاہے وہ نکاح میں ہو چاہے عدت میں اور دودھ پلانے کی اجرت لینا جائز نہیں، اگر وہ کسی ضد یا ناراضگی کی وجہ سے دودھ نہیں پلاتی تو گنہگار ہوگی

ہاں اگر عدت پوری ہو چکی ہے تو پھر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں یعنی ماں کی مرضی ہے۔ خواہ اجرت لے یا نہ لے۔

مسئلہ: اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے تو یہ سمجھا جائیگا کہ وہ کسی وجہ سے دودھ پلانے سے معذور ہے اس لئے اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی ہاں اگر بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہیں پکڑتا اور نہ ہی اوپر کا دودھ پیتا ہے تو اب ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بچے کو دودھ پلائے۔

مسئلہ: اگر ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں تو ماں کے لئے جائز نہیں کہ اس کو دودھ پلانے سے منع کرے اور دوسری دائی سے پلوائے ہاں اگر ماں کے دودھ سے بچہ کو کسی قسم کا نقصان و تکلیف کا اندیشہ ہے تو پھر باپ کے لئے جائز ہے کہ اس کو دودھ پلانے اور کسی دوسری عورت کا پلوائے۔

مسئلہ: باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ کا انتقال ہو چکا تو اب اگر بچہ کے لئے مال ہے تو اس میں سے اس کا خرچ اٹھایا جائیگا اور اگر اب نہیں ہے تو پھر اسکے قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے کہ وہ بچہ کا خرچ اٹھائیں

مسئلہ: جس عورت سے دودھ پلوایا جا رہا ہے اس کا معاوضہ کھول کر اچھی طرح طے کر لینا چاہیئے اور پھر اس کا پابند رہنا ضروری ہے۔

دودھ پلانے اور چھڑانے کا حکم بچہ کو دودھ پلانے کی مدت اس آیت میں پورے دوسال بیان کی گئی ہے دوسال سے زیادہ دودھ پلانا جائز نہیں، اکثر علماء کا یہی فتوی

اقوال و تحقیق حولین کاملین یعنی بچہ کو زیادہ سے زیادہ دوسال دودھ پلایا جاسکتا ہے اسکے بعد جائز نہیں اسی کے قائل ہیں یہ حضرات حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ۔ ابن عباسؓ صاحبینؒ امام شافعیؒ علقمہ و شعبی وغیرہ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ مدت رضاعت ڈھائی سال فرماتے ہیں مستدل یہ ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل اور فصال کی مدت ڈھائی سال ہے اور اس آیت میں جو دوسال مذکور ہیں وہ صرف اجرت رضاعت کیلئے ہیں قائلین حولین کاملین کی طرف سے جواباً یہ فرمایا جاتا ہے کہ آیت وحملہ وفصالہ میں ہر ایک کی مستقل مدت بیان نہیں کی گئی بلکہ دونوں کی مجموعی مدت کا ذکر ہے جس میں حمل کی ادنی مدت چھ ماہ اور رضاعت کی مدت دوسال ہے یہاں آیات قرآنی میں سے فریقین کے استدلال کو پیش کیا گیا، آثار و احادیث کا انبار بھی فریقین کے مسلکوں کی تائید میں موجود ہے جسکے لئے کتب نقد و احادیث کی جانب مراجعت کرنا چاہیئے۔

ہے یہی امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا فتویٰ ہے۔

اگر والدین دو سال سے پہلے ہی بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں خواہ ماں کی کوئی مجبوری ہو یا بچہ کی بیماری وغیرہ سبب بنے تو والدین آپس کے مشورہ ورضامندی سے دودھ چھڑا دیں اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو روکے رکھیں

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد ختم کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ

فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں

﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ

دل میں پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے

لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۗ

لیکن ان سے نکاح کا وعدہ خفیہ مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ

اور تم تعلق نکاح کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہونچ جاوے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی بات کی اطلاع ہے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ

اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں، حلیم بھی ہیں۔

ع ۳۰ / ۱۴

بیوہ کی عدت اس آیت پاک میں بیوہ عورت یعنی جسکا شوہر انتقال کرچکا ہے کی عدت کا بیان ہے کہ وہ چار مہینے دس دن تک عدت گذاریں اس کے بعد اگر کسی سے نکاح کرنا چاہیں تو شریعت کے احکام کے مطابق کریں۔

مسئلہ ۱ چار مہینے دس دن تک عدت اس عورت کی ہے جس کو حمل نہ ہو اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت بچہ جننے تک ہے خواہ وہ جنازہ اٹھنے سے پہلے ہی بچہ جن دے اسی وقت عدت پوری ہوجائیگی اور خواہ چار مہینے دس دن کے بعد بچہ جنے اسی وقت عدت پوری ہوگی اس سے پہلے نہیں۔

مسئلہ: اگر چاندرات کو خاوند کا انتقال ہوا ہے تب تو یہ مہینے چاہے ۲۹ دن کے ہوں اور چاہے تیس دن کے ہوں بہرحال چاند کے حساب سے پورے کئے جائیں گے، اور اگر چاندرات کے بعد انتقال ہوا ہے تب یہ سب مہینے تیس دن کے حساب سے پورے کئے جائیں گے یعنی ایکسو تیس دن پورے کرے اور جس وقت انتقال ہوا ہے اسی وقت یہ عدت پوری ہوگئی مثال کے طور پر دن کے چار بجے انتقال ہوا ہے تو ایکسو تیس دین دن چار بجے ہی عدت پوری ہوگی۔

مسئلہ ۱ بیوہ کو عدت کے دنوں میں خوشبو لگانا، سنگھار کرنا، سرمہ تیل اور مہندی لگانا غرضیکہ کسی طرح کی بھی زیب وزینت کرنا جائز نہیں، اور اسی طرح اپنے لئے دوسرے نکاح کی کھلم کھلا بات چیت کرنا بھی جائز نہیں۔

عدت میں پیغام نکاح بھیجنا ولا جناح علیکم اس آیت میں مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جو عورت اپنی عدت گذار رہی ہے اس سے کھلے لفظ میں مثلاً میں تم پر فریفتہ ہوں اور تم ہی سے نکاح کروں گا جائز نہیں، ہاں اشارہ میں اس تمنا کا اظہار کرنا جائز ہے مثلاً یوں کہے کہ میں ایک نیک خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہوں وغیرہ۔ اخیر آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو یعنی جن باتوں سے منع کیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی ہوجائے تو فوراً توبہ کرلینی چاہیئے اللہ تعالیٰ بڑے غفور ورحیم اور معاف فرمانے والے ہیں۔

اقوال وتحقیق! یہاں عدت کے اندر چار فعل مذکور ہیں دو زبان کے اور دو دل کے اور ہر ایک کا علحدہ حکم ہے اول زبان سے صراحۃً پیغام نکاح دینا یہ حرام ہے لا تواعدھن سراً میں اس کا ذکر ہے دوم زبان سے اشارۃً کہنا یہ جائز ہے لاجناح علیکم اور قولاً معروفاً میں اس کا ذکر ہے، سوم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ ابھی یعنی عدت کے اندر ہی نکاح کرلیں گے یہ بھی حرام ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے، اور حرام کام کا ارادہ کرنا بھی حرام ہے لا تعزموا میں اس کا ذکر ہے چہارم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ عدت کے بعد نکاح کرینگے یہ جائز ہے اکننتم فی انفسکم میں اسکا ذکر ہے، مسئلہ جو عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا

تم پر کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے

لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ

لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے اور ان کو ایک جوڑا دے دو. صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست

قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ

کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدے کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر اور اگر تم ان بیبیوں کو

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا

طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا

فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ

نصف مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق ہے

النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ

اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے

بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیر اگر بیوی کو صحبت کرنے اور شوہر کے ساتھ مکمل تنہائی میں رہنے سے پہلے ہی طلاق دیدی گئی تو دیکھا جائے گا کہ مہر مقرر کئے گئے تھے یا نہیں، اگر مقرر نہیں ہوئے تھے تو شوہر پر مہر کچھ واجب نہیں ہاں اس پر یہ واجب ہے کہ عورت کو کچھ دیدے کم از کم ایک جوڑا ہی دیدے قرآن شریف نے اس کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہاں یہ بتلا دیا کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہیئے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مالدار کنجوسی اور تنگدلی سے کام نہ لے. حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے

اقوال و تحقیق اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ ۔ اس مقام پر مرد کے پورا مہر دینے کو بھی معاف کرنے کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا کہ عام عادت عرب کی یہ تھی کہ مہر کی رقم شادی کے ساتھ ہی دیدی جاتی تھی تو طلاق قبل از خلوت کی صورت میں وہ نصف مہر واپس لینے کا حقدار ہوگیا اب اگر وہ رعایت کرکے اپنا نصف واپس نہ لے تو یہ بھی معاف ہی کرنا ہے

ایسے ہی ایک واقعہ میں بیس ہزار روپے دیئے تھے، اور اگر مہر مقرر کئے گئے تھے تو اس صورت میں شوہر کے ذمہ مقررہ مہر کا آدھا ادا کرنا واجب ہے ہاں اگر عورت معاف کردے اور آدھا بھی نہ لے یا مرد پورا ہی مہر ادا کردے تو یہ اختیاری بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

عاجزی بنے ہوئے۔ پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو جو تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

نماز کی پابندی کا اہتمام

ان آیات میں نماز کی پابندی کا اہتمام کرنے کو بیان فرمایا گیا ہے کہ نمازوں کو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے رہو خاص طور پر درمیانی نماز کو یعنی عصر کی نماز کو چونکہ یہ وقت عام طور پر کاروباری مصروفیات کا ہے اس لئے اس کو خاص طور پر بیان فرمایا گیا ہے تاکہ اس سے بے پرواہی اور بے توجہی نہ برتی جائے، عصر کو درمیانی نماز اس لئے فرمایا کہ اس سے پہلے دن میں دو نمازیں یعنی فجر اور ظہر ہیں اور اس کے بعد رات میں دو نمازیں یعنی مغرب اور عشاء ہیں بس یہ درمیانی ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ نماز میں عاجزی خاموشی اور ادب

اقوال و تحقیق

صلوٰۃ وسطیٰ سے اکثر صحابہ کرام تابعین اور ائمہ اور جمہور علماء نماز عصر مراد لیتے ہیں جس پر بے شمار دلائل ابن کثیر نے جمع فرمائے ہیں اس کے علاوہ کچھ صحابہ و ائمہ نے صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز مغرب، فجر، ظہر مراد لی ہے ان کے دلائل بھی کتب مطولہ میں موجود ہیں۔ نماز کے وقت اگر کسی مجبوری سے یکجا استقرار نہ ہو بلکہ چلنا پھرنا ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں عمل کثیر کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک نماز کو مؤخر کر دی جائے گی رِجَالًا کی تفسیر حنفیہ نے کھڑے رہنے کے ساتھ کی ہے، امام شافعیؒ حالت مذکورہ میں نماز کو مؤخر کرنے کی اجازت نہیں دیتے فرماتے ہیں کہ اسی وقت میں پڑھنا چاہیئے۔ اس آیت میں اس کی اجازت ہے کیونکہ راجلا کی تفسیر پیدل چلنا ہے اور رُكْبَانًا کی تفسیر سوار ہو کر چلنا ہے، لیکن یاد رہے رجالاً مشترک معنوی ہے ماشی اور واقف دونوں کے لئے عمل کثیر کے مفسد ہونے کی وجہ سے اور واقعہ احزاب سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ نے ثانی معنی کو ترجیح دی ہے۔

سے کھڑے ہوا کرو یعنی نماز میں ایک دوسرے سے اشارہ یا بات مت کرو۔

قوموا للہ قانتین اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیتے تھے چنانچہ احادیث پاک میں منقول ہے کہ نماز میں حضرات صحابہؓ اور خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اشارہ یا بات کر لیتے تھے، مگر اس آیت کے بعد نماز میں بات یا اشارہ وغیرہ کرنے کی ممانعت ہو گئی اب حکم ہے کہ نماز کو نہایت خشوع وخضوع اور ادب کے ساتھ ادا کیا کرو۔ البتہ اگر کوئی مجبوری ہو کہ دشمنوں نے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے تم نماز ادا نہیں کر سکتے تو پھر کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے جس طرح بھی ہو سکے اشارہ سے نماز ادا کرے اور بمقابلہ رکوع کے سجدہ کا اشارہ زیادہ جھک کر کرے چاہے قبلہ رخ ہو یا نہ ہو غرضیکہ اس حالت میں بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایسے وقت میں جب دشمن حملہ آور ہو، اپنی جان کا خطرہ ہو کسی طرح اطمینان نہ ہو، بھاگ دوڑ اور کھلبلی مچی ہو، تو بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں اور جب تمھیں امن اور سکون واطمینان مل جائے تو پھر باقاعدہ اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم کو سکھائی گئی ہے۔

مسئلہ: اگر ایک جگہ کھڑا ہونا ممکن نہ ہو بلکہ چلنا اور بھاگنا ہو رہا ہو تو نماز کو مؤخر کر دے جیسا کہ حضور اور صحابہ نے جنگ احزاب میں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں، ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی

فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

بات میں جسکو وہ اپنے بارہ میں کریں — اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں

تفسیر زمانہ جاہلیت میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور اسلام میں بجائے ایک سال کے چار مہینے دس دن مقرر ہوئے اس وقت تک بیوی کا کوئی ترکہ اور میراث مقرر نہ تھا اس لئے بیوہ عورت کے لئے اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ اپنی مصلحت ومرضی سے خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے اور شوہر کے ترکہ میں سے اس مدت میں اس کو کھانے پینے

وغیرہ کا خرچ بھی دیا جائے گا اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور خاوند کو حکم ہے کہ اس طرح کی وصیت کرجایا کریں، اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس لئے اس کو حق تھا چاہے اس حق کو حاصل کرے یا نہ کرے یعنی وارثوں کو تو گھر سے نکالنا جائز تھا نہیں لیکن خود عورت کو جائز تھا کہ اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق ورثاء کو چھوڑدے بشرطیکہ عورت کی عدت پوری ہوچکے، اور نکاح وغیرہ عدت کے بعد سب جائز تھا اور یہی مراد ہے قاعدہ کی بات سے، ہاں عدت کے اندر نکلنا اور نکاح کرنا وغیرہ گناہ تھا عورت کے لئے بھی اور جو منع کرسکے اور نہ روکے اس کے لئے بھی، پھر جب میراث کا حکم نازل ہوا اور عورت کو ترکہ میں حصہ مل گیا تو اب اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ میں سے خرچ کرے

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ

اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ فائدہ پہونچانا قاعدہ کے موافق مقرر ہوا ہے ان پر جو پرہیز کرتے ہیں اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم سمجھو۔

۳۱ ع ۱۵

تفسیر

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ان کو کچھ فائدہ پہونچانا شرعی قاعدہ کے موافق ضروری ہے۔

طلاق شدہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں ان میں سے دو قسم کی طلاق شدہ عورتوں کا بیان اس سے پہلی آیات میں ہوا جن میں سے ایک کو فائدہ پہونچانا یہ تھا کہ ایک جوڑا دیا جائے اور دوسری کا یہ تھا کہ آدھا مہر دیا جائے، اب اس آیت میں دو قسم کی اور طلاق شدہ عورتوں کا بیان ہے ایک وہ کہ

اقوال و تحقیق:۔ متاع سے مراد اگر مہر لیا جائے جیسا کہ اوپر تفسیر کے ضمن میں گزرا تو واجب ہے۔ اور اگر متاع سے مراد خاص جوڑا لیا جائے تو ایک صورت میں واجب اور تین صورتوں میں مستحب ہے اور اگر متاع سے مراد نفقۂ عدت جائے تو جس طلاق میں عدت ہوگی مثلاً طلاق رجعی، بائن اس میں عدت گزرنے تک واجب رہے گا غرضیکہ آیت میں عموم الفاظ سے سب صورتوں کو شامل ہے، اور قاعدہ سے مراد یہی تفصیل ہے وجوب و استحباب کا فرق دوسرے دلائل سے ثابت کیا جائے گا اس صورت میں حقًا کو واجب کے معنی میں نہ لیں بلکہ ثابت کے معنی میں لیں اور علی الزام کے لئے نہ ہوگا بلکہ محض تاکید کیلئے ہوگا گو درجۂ استحباب ہی میں سہی مطلقہ کو جو جوڑا دیا جائیگا اس میں اعتبار مرد کی حیثیت کا ہوگا، صاحب ہدایہ رح نے اسی قول کو صحیح فرمایا ہے، اسکے برخلاف امام کرخی رح عورت کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہیں۔

جس کا مہر مقرر ہ ہوا اور اس سے صحبت بھی کی گئی ہو اس کو فائدہ پہونچانا یہ ہے کہ اس کو پورا مہر ادا کیا جائے اور دوسری وہ جس سے صحبت کی گئی مگر اس کا مہر مقرر نہ تھا اس کو فائدہ پہونچانا یہ ہے کہ اس کو مہر مثل دیا جائے، یعنی جتنا مہر اس کی دوسری بہنوں پھوپھیوں وغیرہ کا ہے اتنا ہی ادا کر دے
اللہ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے کھول کھول کر ہر طرح کے مسائل و احکام بیان فرما دیئے ہیں اب ہمیں چاہیئے کہ انھیں خوب غور سے سمجھیں اور جو سمجھ میں نہ آئیں وہ کسی جید عالم سے سمجھیں اور پھر ان پر عمل کریں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ
تجھکو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے

الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
لئے سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمادیا کہ مر جاؤ پھر ان کو جلا دیا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾
والے ہیں لوگوں کے حال پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

تفسیر ان آیات میں تاریخ کا ایک اہم واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جس سے کھل کر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ موت و زندگی خدا کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

عبرتناک واقعہ قوم بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ کسی بستی میں آباد تھا اتفاقاً وہاں کوئی سخت وبا طاعون وغیرہ پھیلا یہ لوگ جو تقریباً دس ہزار تھے گھبرا گئے اور موت کے ڈر سے سب کے سب اس بستی کو چھوڑ کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک چٹیل میدان میں جا کر رہنے لگے۔
اللہ تعالیٰ نے ان پر اور دنیا کی دوسری قوموں پر یہ بات واضح کرنے کے لئے کہ موت سے بھاگ کر کوئی جان نہیں بچا سکتا، دو فرشتوں کو بھیجا جنھوں نے آکر ان دو پہاڑوں کے درمیان زور کی

اقوال و تحقیق:- وَہُمْ اُلُوْفٌ یعنی وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اس تعداد کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں لیکن اس لفظ سے اتنا یقینی طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ وہ دس ہزار یا اس سے زیادہ ضرور تھے کیونکہ کیونکہ الوف جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر نہیں ہوتا، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے چھ قول نقل فرمائے ہیں ان کو سیر دقرطاس کہا جاتا ہے ۱۔ چار ہزار ۲۔ آٹھ ہزار ۳۔ دس ہزار ۴۔ تیس ہزار ۵۔ چالیس ہزار ۶۔ ستر ہزار فضل ـــ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد زندہ کرنا (جو اس واقعہ میں مذکور ہے) یا اعتقاد درست (باقی برصفحہ ۸۰)

چیخ ماری جس سے ایک دم پورا قبیلہ مرگیا، ایک زمانہ دراز کے بعد ایک پیغمبر خدا حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر اس مقام سے ہوا، جگہ جگہ انسانی ہڈیاں دیکھ کر یہ حیران رہ گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان کو پورا واقعہ بتلایا، حضرت حزقیلؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو زندہ فرمادے چنانچہ دعا قبول ہوئی اور سب کے سب زندہ ہو کر کھڑے ہوگئے سب کی زبان پر یہ کلمہ تھا سُبحانک لاالٰہ الّا انت۔

مسئلہ: جس جگہ کوئی وبائی مرض طاعون وغیرہ پھیل جائے وہاں سے بھاگنا جائز نہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شہر یا بستی میں طاعون وغیرہ بیماری پھیلی ہوئی ہو وہاں مت جاؤ اور اگر تم اس بستی میں موجود ہو تو وہاں سے مت بھاگو۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ

اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں

ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ

کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت سے حصے کردیوے۔

وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف لیجائے جاؤ گے

حکم جہاد اس سے پہلی آیت شریفہ میں ایک واقعہ ذکر کر کے یہ بتلایا گیا کہ موت خدا کے قبضہ میں ہے لہذا طاعون وغیرہ بیماری سے بھاگ کر یا میدان جنگ وجہاد

(بقیہ اقوال وتحقیق ص) کر دینا (کہ کہیں بھی چلے جاؤ موت ضرور آئے گی جو اس واقعہ سے مستفاد ہے) یا امت محمدیہ کو یہ قصہ مذکور سنانا مراد ہے، کیونکہ ایسی بات سنا دینا جس سے عقیدہ اور عمل کی اصلاح ہو بلاشبہ بہت بڑا فضل ہے مرکر زندہ ہوجانے سے تناسخ (آواگون) کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ وارد فی الشرع اس دعوی کا باطل کرتا ہے کہ حیات سابقہ کی جزا وسزا کی غرض سے موت کے بعد دوسرا بدن دیا جاتے اور یہاں دوسری حیات بغرض جزا وسزا نہ تھی اور مسخ کی صورت میں موت کا تخلل درمیان میں نہیں ہوتا اس لئے اس پر بھی شبہ نہیں ہوسکتا اور یہ حیات ثانیہ ان آیات کے بھی منافی نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرکر قیامت سے پہلے دنیا میں آنا نہیں ہوتا کیونکہ ان آیات میں نفی عادت کی مقصود ہے اور یہ حیات بطور خرق عادت احیاناً ہوئی ہے، لہذا کوئی تعارض نہیں۔

سے بھاگ کر اگر تم سمجھتے ہو کر زندگی پا جائیں گے اور موت سے بچ جائیں گے تو یہ تمہارا سمجھنا غلط ہے کیونکہ موت کا وقت مقرر ہے نہ وہ اس سے پہلے آئے گی اور نہ اس کے بعد ٹھیک اسی وقت آئے گی، جب ہر مسلمان کا اس پر اعتقاد ہے تو ضرورت پڑنے پر جہاد میں شریک نہ ہونا اس عقیدہ اور مسلمانی کے خلاف ہے۔

اس آیت میں یہ بھی ارشاد ہے کہ راہ مولیٰ میں جہاد کرو یعنی اپنی جان اللہ کے راستے میں خرچ کرو بلا سوچے سمجھے ہر موقع پر تلوار اٹھانا درست نہیں بلکہ چند مخصوص موقعوں پر شریعت اسلام نے اس کی اجازت دی ہے ظلم وستم کو مٹانے اور اچھائی اور دینداری کو پھیلانے کے لئے جب کہ غیر لوگ اس پر حملہ آور ہو جائیں اسکے استعمال کی اجازت ہے، اور اس میں خلوص اور نیک نیتی اور اعلاء کلمۃ اللہ پیش نظر ہونا چاہیئے، چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اپنی جوانمردی دکھانے اور نام پیدا کرنے کے لئے جہاد کرتے ہیں وہ مجاہد نہیں، مجاہد تو وہ ہیں جو خاص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے حکم کے ساتھ سمیعٌ علیمٌ (سننے والا جاننے والا) فرمایا نیک نیتی کا پورا پورا دھیان رہے۔

حکم خیرات یہ بات ظاہر ہے کہ دشمنوں سے لڑائی جہاد، بے سازوسامان کے عادۃً مشکل ہے اس لئے روپے پیسے کی بھی ضرورت پڑے گی اس لئے خدا نے اپنے بندوں کو کیسے عمدہ طریقہ سے مال خرچ کرنے کی ترغیب فرمائی کہ اپنے مولیٰ کو قرض دو تاکہ اس کے بدلے خدا تمھیں دنیا وآخرت میں دگنا تگنا بلکہ بے حد وحساب عطا کرے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا قرض لینے سے پاک ہے اور بے نیاز ہے اس کو کوئی ضرورت نہیں اس کے قبضہ میں تو آسمان وزمین کے تمام خزانے ہیں اور جو کچھ بندوں کے پاس ہے وہ اسی کا ہے مگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ جس طرح قرض ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح خدا اس کا بدلہ ضرور دیں گے گویا خدا اس کا ضامن ہوتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ تنگ حالی اور خوش حالی سب ہمارے قبضہ میں ہے جو ہماری راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ اس پر گھمنڈ نہ کرے کہ میری یہ دولت ہمیشہ باقی رہے گی خدا اور ہزاروں مصیبتیں بھیج کر کنگال اور تنگدست کر سکتا ہے، ایک مصیبت یہ بھی آسکتی ہے کہ دشمن غالب آجائیں اور اللہ تمہارے ملک و دولت پر قبضہ کرلیں، جو لوگ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں انھیں غربت اور تنگدستی کا خوف نہیں ہونا چاہیئے ایسوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی خوب دیتے ہیں اور آخرت میں بھی ہر طرح کی فتح ونصرت ملتی ہے، جس طرح کہ حضرات صحابہؓ کو ملیں۔

قرض دینے پر ثواب بعض حضرات مفسرینؒ نے اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا یہ مطلب بیان فرمایا

ہے کہ اسکے بندوں کو قرض دیا جائے ان کی حاجت پوری کی جائے احادیث پاک میں قرض دینے کی بہت فضیلت ہے، حضور کا ارشاد ہے جو مسلمان دوسرے مسلمان کو قرض دیتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسا اس نے قرض کی رقم سے ڈبل راہ خدا میں صدقہ کیا ہو مطلب یہ ہے کہ قرض دینے سے دوگنا ثواب بھی مل جاتا ہے اور اصل مال بھی واپس آجاتا ہے۔

تنبیہ: آج کے ماحول کے پیش نظر یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ "قرض محبت کی قینچی ہے"، لہذا اگر قرض دینے سے آپسی تعلقات کے خراب ہونے یا لڑائی جھگڑے کا اندیشہ ہے تو قرض نہ دینا ہی بہتر ہے ہاں اگر گنجائش ہو تو اس نیت سے قرض دے کہ واپس مل گیا تو ٹھیک ہے نہیں ملا تو ٹھیک ہے۔

مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (یعنی کون ہے جو اللہ کو ایسے طور پر قرض دے) ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو سنکر لوگوں کے تین گروہ ہوگئے پہلا ان بدنصیبوں کا ہے جنھوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب ہماری طرح محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں (نعوذ باللہ) دوسرا گروہ ان کا جنھوں نے بخل کرنا شروع کردیا، تیسرا گروہ ان نیک مسلمانوں کا ہے جنھوں نے فوراً ہی اپنا پسندیدہ مال راہ خدا میں خرچ کردیا چنانچہ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا یارسول اللہ "میرے ماں باپ آپ پر قربان" کیا اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے حالانکہ وہ قرض سے بے نیاز ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمکو جنت دے ان صحابیؓ نے یہ سنکر کہا کہ میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اپنے یہ دونوں باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں، حضورؐ نے ان سے فرمایا ایک باغ اللہ کے راستہ میں دیدو اور دوسرا اپنے بیوی بچوں اور دنیوی ضروریات کے لئے اپنے پاس رکھو اس پر ان صحابی نے عرض کیا حضور آپ گواہ رہیئے میں ان دونوں باغوں میں سے بہترین باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں کو اللہ کی راہ میں دیتا ہوں حضور نے فرمایا اللہ تم کو اس کے بدلے میں جنت عطا فرمائیں گے۔ ان صحابی نے گھر آکر بیوی کو پورا واقعہ سنایا تو وہ اس سودے پر خوش ہوئیں، حضرت مولانا مفتی شفیع علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرض واپس کرتے وقت اگر اپنی خوشی سے اصل قرض سے کچھ زیادہ دیدے تو یہ بہتر ہے مگر شرط یہ ہے کہ قرض لیتے ہوئے بڑھا کر واپس کرنے کی بات طے نہ کی گئی ہو نہیں تو پھر یہ سود ہو کر حرام ہوجائے گا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا

تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا — جب ان لوگوں نے اپنے

لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ

ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں فرمایا کہ یہ احتمال ہے کہ اگر

إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ

تم کو جہاد کا حکم دیا جاوے تو جہاد نہ کرو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون سبب ہوگا کہ ہم

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان

الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثنار ایک قلیل مقدار کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں -

قصہ طالوت وجالوت

اس سے پہلی آیات پاک میں جہاد کی ترغیب واہمیت کا ذکر ہوا اب یہاں سے پارہ کے ختم تک طالوت وجالوت کا قصہ بیان کیا گیا ہے یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤدؑ کے زمانہ کا ہے اور ان دونوں کے درمیان کا عرصہ ایک ہزار سال سے زیادہ ہے واقعہ یوں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ زمانہ تک تو ان کی قوم بنی اسرائیل راہ حق پر قائم رہی اور ہر طرح کے شرک و بدعات وغیرہ سے بچتی رہی مگر کچھ مدت بعد شیطان کا ان پر حملہ ہوا اور یہ خدا کی نافرمانیوں میں مبتلا ہوگئے جس کی وجہ سے یہ دوسری قوموں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہوگئے اور ان سے پٹنے لگے پہلے پہلے تو توریت شریف اور وہ صندوق جس میں حضرت موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے تبرکات تھے ان کے پاس تھے ان کی بدولت دشمنوں پر غلبہ پاتے رہے مگر پھر ان کی سرکشی اور نافرمانیوں کے بڑھنے کی وجہ سے خدا کی یہ نعمت بھی ان سے چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے سے ختم ہوگئی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چل رہی تھی وہ بھی سب کے سب لڑائی میں مارے گئے بس ان میں صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے، اب بنی اسرائیل کی نظر صرف اس عورت پر تھی کہ خدا اسی سے نبی پیدا فرمادے خود اس خاتون کی بھی رات دن یہی دعا تھی چنانچہ دعا قبول ہوئی اور ایک لڑکا پیدا ہوا اس کا نام سموئیل رکھا جسکے معنی ہیں خدا نے میری دعا قبول فرمالی" بہرحال جب یہ لڑکا نبوت کی عمر کو پہونچا تو اس کو نبوت کی دولت سے نوازا گیا قوم نے ان سے آکر درخواست کی کہ کوئی بادشاہ مقرر فرما دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں ہو کر اپنے دشمنوں سے جہاد کریں حضرت سموئیل علیہ السلام نے فرمایا مجھے یہ کھٹکا اور اندیشہ ہے کہ تم جہاد نہ کرو، قوم نے جواب دیا حضرت یہ کیسے ہوسکتا ہے بھلا دشمنوں نے ہمارا ملک چھین لیا ہماری اولاد کو قتل کر دیا ہم جہاد کیوں نہیں کرسکتے ضرور کریں گے بہرحال ان کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے طالوت بادشاہ کے زیر نگرانی جہاد کا حکم فرما دیا۔ یہ سنتے ہی ان میں سے اکثر لوگ جہاد میں شریک ہونے سے پیچھے ہٹ گئے بلاشبہ

اللہ ان کی حرکتوں کو خوب جانتا ہے اور مناسب سزا دے گا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا

اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ کہنے لگے ان کو

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ

ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے، حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی

سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً

وسعت بھی نہیں دی گئی۔ ان پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور علم اور

فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں

طالوت کی بادشاہت پر اعتراض قوم کی خواہش پر حضرت شمویل نے اللہ کے حکم کے مطابق طالوت کو اس قوم کا بادشاہ مقرر فرما دیا تو قوم نے ان کی بادشاہت پر اعتراض کیا کیونکہ طالوت ایک غریب سپاہی تھے اور قوم سے بھی سقے یا رنگریز تھے کہنے لگے کہ بادشاہ بننے کے لائق ان سے زیادہ ہم لوگ ہیں، حضرت شمویل نے فرمایا کہ طالوت کو بادشاہ میں نے اپنی رائے سے مقرر نہیں کیا جو اس کو بدل سکیں یہ تو میرے اور تمہارے رب کا حکم ہے اس کو تو ماننا ہی پڑیگا اور پھر طالوت بہت بڑے بہادر ہیں جنگ کے حربوں اور فن سے مکمل واقف ہیں جسم کے حساب سے بھی طاقتور اور وجیہہ ہیں اور پھر اسی کے ساتھ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم میں سب سے بڑے عالم ہیں غرضیکہ ہر اعتبار سے یہ لائق بادشاہت ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم جسکو چاہیں بادشاہت دیدیں یہ تو ہمارے اختیار کی بات ہے اور ہم ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کون بادشاہت کے لائق ہے لہذا تم کو اس بارے میں کسی طرح سے چون وچرا کرنے کا کوئی حق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ

اور ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجاوے گا

سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ

جس میں تسکین کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو آل موسیٰ و آل ہارون چھوڑ گئے ہیں اس

الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۲۴۸

صندوق کو فرشتے لے آدیں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

بادشاہت طالوت کا ثبوت حضرت شمویل سے ان کی قوم نے درخواست کی کہ ہمیں طالوت کے بادشاہ ہونے کا کوئی ثبوت عنایت کیجئے، حضرت شمویل نے بحکم خدا ان کو جواب دیا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جس میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے تبرکات ہیں مثلاً حضرت موسیٰ کی جوتی عصا (لاٹھی) توریت کی تختیاں، وادی تیہ میں آسمان سے نازل شدہ گوند اور ان دونوں انبیاء علیہم السلام کے کپڑے وغیرہ جالوت جب قوم بنی اسرائیل پر غالب آیا تھا تو اس صندوق کو بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا، اب یہ صندوق فرشتوں کے ذریعہ تم کو مل جائیگا چنانچہ یہ صندوق جو جالوت کے لئے برکت اور فتح والا تھا اب وبال جان بن گیا کہ جہاں اس کو رکھتے تھے وہیں وبا پھیل جاتی تھی بالاخر پریشان ہو کر اس کو ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو جنگل کی طرف ہنکا دیا فرشتے بیلوں کو ہنکا کر حضرت شمویل کی بستی میں لے آئے اس سے قوم بنی اسرائیل بڑی خوش ہوئی اور طالوت کی بادشاہت کو خوشی خوشی قبول کر لیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے تو انھوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمھارا امتحان کریں گے ایک نہر سے سو جو شخص اس

شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ

سے پانی پیوے گا وہ میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص

غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ

اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے تو سب نے اس سے پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے آدمیوں نے ان میں سے سو جب طالوت

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ

اور جو مومنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اسکے لشکر سے لڑنے کی طاقت معلوم نہیں ہوتی

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً

ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی

كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں

جہاد کے لئے روانگی جب قوم نے حضرت طالوت کی بادشاہت کو قبول کرلیا تو وہ انھیں جمع کرکے اپنے وطن بیت المقدس سے شہر عمالقہ کو جہاد کے لئے روانہ ہوئے، حضرت رومیؒ نے فرمایا کہ ان کی تعداد ۸۰ ہزار تھی، ان سے طالوت نے فرمایا کہ راستے میں اللہ تعالیٰ تمھیں ایک نہر سے آزمائیں گے ہوشیار رہو اس سے کوئی پانی نہ پئے اگر پی لیا تو میرے ساتھ نہ چلے گا ہاں ایک آدھ چلو کی اجازت ہے اس تنبیہ کے بعد بھی قوم کا یہ حال کہ جب اس نہر پر پہونچے تو نہر پر بے صبرے ہوکر ٹوٹ پڑے اور خوب جھک کر بے تحاشا پانی پیا، حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ پیٹ بھر کر پانی پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی اور نہ ہی وہ جہاد میں شریک ہوسکے اور جن لوگوں نے ایک آدھ گھونٹ پیا تھا قدرت خدا نے ان کی پیاس بجھادی اور وہ جہاد میں بھی شریک ہوئے، حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے جھک کر پانی پیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرماں بردار نکلے اور انھوں نے ہی جہاد میں شرکت کی اور باقی نے جہاد میں جانے سے صاف انکار کردیا کہ ہم میں جالوت کے لشکر سے جنگ کی طاقت وہمت نہیں، طالوت بادشاہ اور دیگر سچے مومنوں نے ان کو بہت سمجھایا کہ حوصلہ رکھو ہمارے ساتھ خدا ہے وہ ہماری مدد کرے گا، اور پھر تاریخ اسلام میں بہت سے اس قسم کے واقعات ہیں کہ کم لوگوں نے زیادہ لوگوں پر غلبہ اور کامیابی حاصل کی مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور بزدلی دکھا کر وہیں پڑے رہے اور یہ چھوٹی سی جماعت جہاد کے لئے روانہ ہوگئی۔

اقوال وتحقیق :- یہ نہر شہر اردن اور فلسطین کے درمیان میں تھی اس کا نام نہر اشر بعہ تھا، جہاد میں شریک ہونے والوں کی تعداد کے متعلق ایک قول تفسیر کے ضمن میں مذکور ہوا یعنی چار ہزار، اور دوسرا قول تین سو تیرہ کا ہے چنانچہ براء بن عازبؓ سے منقول ہے کہ اصحاب محمد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جنگ بدر کے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی طالوت بادشاہ کے ہمراہ تھی یعنی تین سو تیرہ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ اس قصہ میں جو احوال واقوال مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تین قسم کے لوگ تھے

۱۔ ناقص الایمان جو آزمائش میں پورے نہ اترے

۲۔ جو آزمائش میں پورے اترے مگر اپنی قلت وکمی کا احساس اور فکر رہی

۳۔ اکمل الایمان یعنی جن کو قلت کی پرواہ نہ ہوئی

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ

اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ

نازل فرمایئے اور ہمارے قدم جمائے رکھیے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو

اللّٰهِ ۣۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ

خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت

مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

سے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین فساد سے پر ہوجاتی لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر یہ اللہ تعالیٰ کی

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

میدان جنگ

جب چھوٹی سی جماعت میدان جنگ میں پہونچتی ہے اور اپنے دشمن جالوت کا لشکر دیکھتی ہے جو ایک لاکھ سے زیادہ مسلح آدمیوں کا تھا تو اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر دعا کرنی شروع کی کہ اے ہمارے مالک وخالق ہمیں عزم وصبر کا پہاڑ بنا دے، دشمن کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دے بزدلی اور منہ موڑ کر بھاگنے سے ہمیں بچالے بس تو ہمیں محض اپنی قدرت کاملہ سے دشمنوں پر غالب فرما اور ہمیں فتح وکامرانی نصیب فرما، اللہ پاک نے ان کی یہ عاجزانہ ومخلصانہ دعا قبول کی اور غیب سے ان کی مدد فرما کر اس ٹڈی دل لشکر پر فتح نصیب فرمائی۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام جو کہ اس وقت بچے تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے ان کے ہاتھوں جالوت نامی بادشاہ مارا گیا جو لمبے چوڑے قد اور بے پناہ طاقت والا تھا مروی ہے کہ حضرت شمویلؑ کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی گئی تھی کہ جالوت کو داؤد قتل کریں گے، چنانچہ ان کے والد سے اجازت لے کر انھیں جہاد میں شریک کیا گیا حضرت داؤدؑ کو راستے میں تین پتھر ملے انھوں نے کہا اے داؤد ہم سے جالوت کو قتل

کرانا چنانچہ داؤد نے ان پتھروں کو اٹھالیا اور پھر انھی پتھروں سے مار مار کر اس ظالم بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ طالوت بادشاہ نے اپنی بیٹی سے ان کی شادی کرادی اور پھر حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں عطا فرمائیں اور اسکے علاوہ یہ فن بھی عطا کیا کہ لوہے کو بغیر گرم کئے مثل موم کے موڑ کر جو چاہتے بنا لیتے اور ایک خصوصی نعمت یہ بھی عطا فرمائی کہ آپ جانوروں کی زبان سمجھ لیتے تھے

فضل خدا اس کے بعد ارشاد ہے کہ اے لوگو تم پر ہمارا یہ فضل واحسان ہے کہ ہم سرکش اور ظالم لوگوں کا خاتمہ کراتے رہتے ہیں نیک صالح لوگوں کے ذریعہ یاد رکھو اگر ہم ایسا نہ کرتے تو پوری دنیا میں ظالم اور بدمعاش لوگ ہی نظر آتے اب ان سرکش اور ظالم لوگوں کی اصلاح خواہ تلوار سے ہو یا وعظ ونصیحت اور اخلاق وغیرہ سے غرضیکہ خدا جیسا مناسب سمجھتے ہیں ویسے ہی اصلاح کرا دیتے ہیں۔

دلیل نبوت محمدؐ تلک آیت اللہ الایہ یعنی یہ قصہ اور دیگر غیب حق کی باتیں اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری سچی وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوتی ہیں۔

ہم پاک وحی کے ذریعہ آپ کو پہونچا دیتے ہیں اور آپ بلاشبہ ایک عظیم الشان پیغمبر ہیں۔

قرآن شریف کا ایک اہم مقصد محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنا بھی ہے اس لئے موقع بموقع آپ کی نبوت پر دلیل پیش فرماتے رہتے ہیں، اس موقعہ پر بھی اس ہزاروں سال پرانے قصہ کی صحیح صحیح خبر دینا آپ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے نہ کسی سے پڑھا، نہ کہیں سنا، نہ دیکھا جس سے ظاہر ہے کہ وحی کے ذریعہ معلوم ہوا اور وحی سوائے نبی کے کسی اور پر نہیں آتی بس ثابت ہوگیا کہ آپ سچے رسول اور پیغمبر ہیں اس میں کسی کو شبہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت وتباہی کی گھاٹی میں اتارنا ہے۔

تمت

الحمد للہ پارہ سیقول کی تفسیر مکمل ہوئی

تفسیر ھذا ذیل کتب تفاسیر سے مستفاد ہے

۱ بیان القرآن ۲ معارف القرآن ۳ جلالین مع حاشیہ ۴ روح المعانی ۵ تفسیر ابن کثیر۔
۶ تفسیر حقانی ۷ تفسیر مظہری ۸ فوائد عثمانیہ وغیرہم

تاریخ حرمین شریفین

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے فیض یافتہ حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم الشان کتاب "تاریخ حرمین شریفین" میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ زاداللہ شرفہما کے فضائل وتاریخ کو بہت عمدہ انداز میں تفصیل کے ساتھ جمع کیا ہے۔ جس کے ضمن میں چاہ زم زم کے نمودار ہونے، مکہ معظمہ کے آباد ہونے، بیت اللہ شریف کی تعمیر ہونے، مقام ابراہیم، حجراسود وغیرہ۔ نیز مسجد نبوی کی تعمیر، مقام صفہ، اور مدینہ طیبہ کی مختلف تاریخی مساجد اور مقامات مقدسہ کی تاریخ وتعارف بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔

الحمدللہ یہ مکمل کتاب آٹھ قسطوں میں چھپ کر تیار ہو چکی ہے۔

آسان تفسیر

قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد اس کو سمجھ کر عمل کرنا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آسان تفسیر کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اکابر اُمت کی قدیم وجدید مستند ومعتبر تفاسیر کا خلاصہ ونچوڑ ہے۔ جس کو نہایت آسان وعام فہم زبان اور مختصر وجامع انداز میں مولانا محمد یعقوب قاسمی نے قلمبند کیا ہے۔ ترجمہ کلام پاک حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ الحمدللہ یہ تفسیر ۳۲ قسطوں میں مکمل ہو چکی ہے۔

تذکرۃ الانبیاء

اس کتاب میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک مشہور پیغمبروں کے واقعات وحالات اور ان کے ماننے والوں کی فلاح ونجات اور جھٹلانے والوں کا انجام تفصیل کے ساتھ مستند طور پر سلیس وعام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ الحمدللہ یہ کتاب سولہ قسطوں میں تیار ہو چکی ہے۔

ان کتابوں کو آپ فون کر کے گھر بیٹھے پوسٹ مین سے حاصل کر سکتے ہیں۔ (بذریعہ وی پی رجسٹری)

گذارش: خواہش مند حضرات کے مکمل پتے روانہ فرما کر اشاعت دین میں تعاون فرمائیں۔ فجزاکم اللہ

IDARA DAWAT-O-TABLEEGH
GALI NO. 2 AALI KI CHUNGI MANDI SAMITI ROAD SAHARANPUR
PIN 247001 (U.P.) MOB. 09837002261 - 09837375773

اس دور کی سب سے آسان و عام فہم اور مستند تفسیر کلام پاک
جسکا ہر گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے
اردو
آسان تفسیر
ترجمہ قرآن شریف
حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ
مرتب
محمد یعقوب قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند
پارہ تلک الرسل ۳
(شائع کردہ)
ادارہ دعوت و تبلیغ زکریا آباد گلی ۲ آلی جنگی سہارنپور (یو۔پی)

هدیہ ۶۱
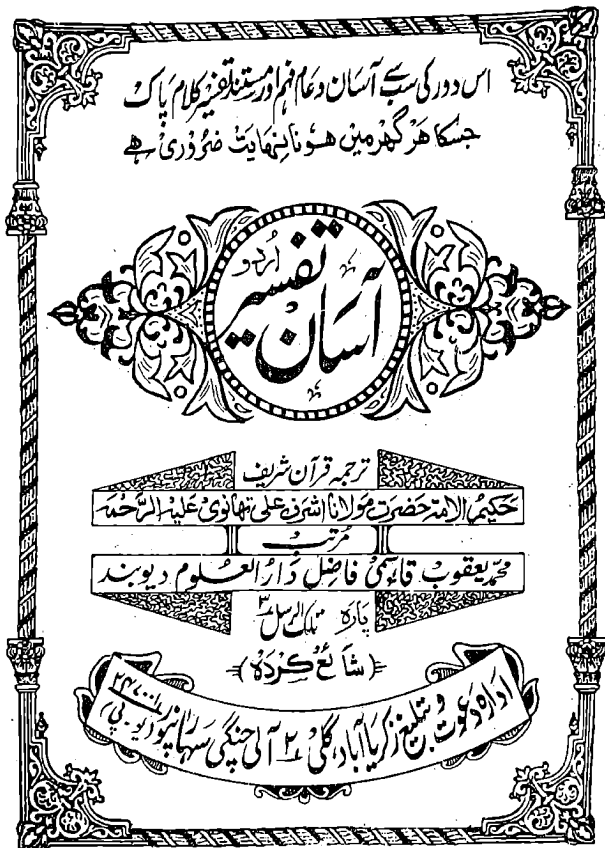
تِلْكَ الرُّسُلُ

یہ حضرات مرسلین

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعض پر فوقیت بخشی ہے، بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ

ہم کلام ہوئے ہیں اور بعضوں کو ان میں بہت سے درجوں سے سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو کھلے

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس سے فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو جو لوگ ان کے بعد

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ

ہوئے ہیں باہم قتل و قتال نہ کرتے بعد اسکے کہ ان کے پاس (امر حق کے) دلائل پہنچ چکے تھے لیکن وہ لوگ باہم مختلف ہوئے

اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

سو ان میں سے کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے

يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ؑ ﴿۲۵۳﴾

۲۳ ع ۵ ۱

لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں

بعض نبی بعض سے افضل ہیں ان آیات پاک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض نبیوں کو فضیلت بخشی ہے بعض پر، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت بخشی کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزے عطا فرمائے اور حضرت جبرئیلؑ سے ان کی نصرت و حفاظت فرمائی یہود کے مقابلہ میں، اور بعض کے درجات کو بلند فرمایا اس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ کی دعوت و تبلیغ عام ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گی اور آپ پر نبوت کو ختم فرمایا گیا آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکے گا یہ تمام ایسے فضائل ہیں جو دوسرے نبیوں میں نہیں پائے جاتے

حضورؐ کو تسلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قرآن نے دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے اسکے باوجود بھی بہت سے لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے اس کا احساس اور رنج آپ

کو ہوتا تھا اس کو ختم کرنے اور تسلی دینے کے لئے اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ آپ سے پہلے بھی بہت سے بلند درجہ کے نبی ہوئے ہیں لیکن ان پر بھی تمام لوگ ایمان نہیں لائے، کسی نے موافقت کی اور کسی نے مخالفت اور حق بات سامنے آجانے کے بعد بھی ان لوگوں نے آپس میں لڑائی جھگڑا اور قتل و قتال کیا۔ درحقیقت اس میں اللہ تعالیٰ کی کچھ حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جن کو ہر شخص نہیں جان سکتا، بس اتنا یقین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ پاک اپنی حکمت اور قدرت سے جو چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں علٰہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن

اے ایمان والو خرچ کرلو ان چیزوں سے جو ہم نے تمکو دی ہیں قبل اسکے کہ وہ دن آجائے

يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ

جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش ہوگی، اور کافر ہی لوگ

هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

ظلم کرتے ہیں

تفسیر اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے بڑی عمدہ بات فرمائی ہے کہ اے مومنو! بھلائی کی راہ میں خرچ کرلو ان چیزوں کو جو ہم نے تم کو دے رکھی ہے، یاد رکھو ایک دن یعنی روز محشر ایسا آنے والا ہے کہ اس میں تمکو کوئی بھی عمل خیر نہ خرید سکتے ہو اور نہ تمھارا کوئی دوست تمھیں دے سکتا ہے اور نہ ہی بغیر خدا کی اجازت کے کوئی تمھارے حق میں شفارش کرکے نجات دلا سکتا ہے اسلئے آج موقع ہے وہاں کے لئے نیک اعمال جمع کرلو۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، زندہ ہے سنبھالنے والا ہے نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور

لَا نَوْمٌ ۚ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَن ذَا الَّذِي

نہ نیند، اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، ایسا کون شخص ہے جو اسکے

اقوال و تحقیق علٰہ موسیٰؑ سے کلام گو بلا واسطہ فرشتہ کے ہو مگر بے حجاب نہ تھا پس سورۂ شوریٰ کی آیت ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الایۃ اسکے متعارض نہ رہی۔ البتہ مرنے کے بعد بے حجاب کلام ہونا بھی شرعاً ممکن ہے پس آیت شوریٰ دنیاوی اعتبار سے ہے

يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

پاس سفارش کرسکے بدون اس کی اجازت کے وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر اور غائب حالات کو اور وہ

خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ

موجودات اسکے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لاسکتے مگر جس قدر چاہے

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ

اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہ عالیشان عظیم الشان ہے۔

تفسیر آیۃ الکرسی ارشاد ہے کہ اللہ کی ذات ایسی ہے کہ صرف وہی عبادت کے قابل ہے اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں اور اس کی یہ شان ہے کہ اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوتی اور نہ ہی کبھی اونگھ یا نیند آتی ہے، وہ پورے عالم کو سنبھالنے والا ہے اور دونوں جہاں کی ہر ہر چیز کا وہی تنہا مالک ہے، وہ ایسا ذوالجلال ہے کہ بغیر اس کی مرضی کے کوئی نبی یا ولی اس کی بارگاہ میں کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکے گا، وہ اتنا باخبر ہے کہ دونوں جہاں کا ذرہ ذرہ اس کے لئے روشن ہے، وہ ہر حاضر اور غیب کی چیز کو بخوبی جاننے والا ہے، کوئی بھی مخلوق اللہ پاک کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر صرف اتنا ہی جان سکتی ہے جتنا وہ رحمت فرما دے، خدائے تعالیٰ کی کرسی اتنی بڑی ہے کہ اس نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے آسمانوں و زمین کی حفاظت کرنا کچھ مشکل نہیں وہ تو بڑی شان والا ہے۔

حضرت ابوذر رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق معلوم کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ساتوں آسمان اور زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک انگوٹھی کسی بڑے میدان میں پڑی ہو اور عرش کرسی سے بھی بڑا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ عرش کے سامنے کرسی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں انگوٹھی پڑی ہو۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت نبی کریمؐ کا فرمان ہے کہ سورۂ بقرہ میں ایک آیت ایسی ہے جو پورے قرآن شریف کی آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیت جس گھر میں پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور وہ آیۃ الکرسی ہے۔ احادیث پاک میں اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں کہ پکڑے جانے پر خود جنات اور شیاطین نے بتلایا کہ ہمارے سے بچنا چاہو تو آیۃ

الکرسی پڑھ لیا کرو اور پھر ان واقعات کو حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کمبخت ہے تو جھوٹا مگر بات سچ بتلا گیا ہے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ لکھتا ہوں

ایک واقعہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میرے گھر میں کھجوروں کی ایک بوری تھی میں نے دیکھا کہ اس میں سے روز بروز کھجوریں کم ہوتی جارہی ہیں، ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی چوکیداری کرتا رہا، میں نے دیکھا کہ کوئی جوان لڑکے کے مشابہ آیا، میں نے اسے سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا کہ میں جن ہوں، میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے اس نے ہاتھ بڑھا دیا میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ کتے جیسا ہاتھ تھا اس پر کتے ہی جیسے بال تھے، میں نے کہا کیا جن ایسے ہی ہوتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ تمام جنوں میں سب سے زیادہ طاقت ور میں ہی ہوں، میں نے کہا کہ تجھکو میری چیز چرانے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے میں نے سوچا تو پھر ہم کیوں محروم رہیں، میں نے کہا تم جنوں کے شر سے بچانے والی کون چیز ہے؟ اس نے کہا آیۃ الکرسی، صبح کو میں نے حضورؐ سے جاکر پورا واقعہ ذکر کیا آپ نے فرمایا خبیث نے یہ بات بالکل سچ کہی۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے سو جو شخص شیطان

بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا

سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ سے خوش اعتقاد ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو

انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

کسی طرح شکستگی نہیں (ہوسکتی) اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں، خوب جاننے والے ہیں

تفسیر اس آیت پاک میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ دین اسلام کے قبول کرنے میں کسی پر زبردستی اور زیادتی نہیں کی جائے گی اور پھر مذہب اسلام تو ایک ایسا مذہب ہے کہ اس کی حقانیت دلائل کی روشنی میں واضح ہوچکی ہے، پس جو شخص انھیں سمجھ کر شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اپنا راستہ اس سے الگ رکھے اور خدا سے اچھا اعتقاد رکھے اور مذہب اسلام قبول کرے تو سمجھو اس نے ایک مضبوط حلقہ کو تھام لیا، اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت اور محرومی سے محفوظ رہتا ہے اس لئے اس کو ایسے شخص سے مشابہت دی گئی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے محفوظ ہوجائے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے اسی طرح اسلام میں کسی

قسم کی ہلاکت اور محرومی نہیں ہے اور خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے تو اور بات ہے۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا مخالفین اسلام یہ بات بڑے زور و شور کے ساتھ عام کرتے ہیں کہ اسلام کو جنگ و جہاد اور تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے جبکہ یہ حقیقت کے قطعاً خلاف ہے کیونکہ جنگ کی اجازت صرف ظلم و تشدد کو ختم کرنے کے لئے دی گئی ہے نہ کہ مذہب اسلام کو پھیلانے کے لئے، اور پھر جنگ کے ساتھ جزیہ کی اجازت رکھی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نے کافر کی آزادی کو ختم نہیں کیا اور اسکو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا بلکہ اس کو آزادی کے ساتھ پورا پورا اختیار ہے چاہے اسلام قبول کرے اور چاہے کافر ہی رہے، مگر اس صورت میں جزیہ و ٹیکس جو حکومت اسلام کی طرف سے متعین ہے ادا کرنا ہوگا۔ ہاں اگر کوئی اس کو بھی نہ مانے تو پھر اس سے ضرور جنگ کی جائے گی اس آیت کا شان نزول بھی یہی بتلا رہا ہے کہ اسلام میں زبردستی داخل کرنے کا مذہب اسلام سخت مخالف ہے۔

شان نزول حضرت حصینی رضہ کے دو لڑکے عیسائی تھے، ان صحابی رضہ نے ایک مرتبہ حضور ؐ سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اپنے لڑکوں کو زبردستی مسلمان بنالوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں سختی سے منع کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ اسلام میں زبردستی داخل نہ کیا جائے،

اسلام قبول کرنے میں زبردستی نہیں اس کا کوئی یہ مطلب بھی نہ سمجھ بیٹھے کہ بس ہم تو آزاد ہیں اس کے احکامات پر جتنا جی چاہے گا عمل کریں گے اور کسی کو زبردستی کوئی سزا بھی نہیں دی جائے گی جیسے چوری پر ہاتھ کاٹنا وغیرہ شراب پینے پر کوڑے مارنا اور زنا کرنے پر سنگسار کرنا وغیرہ۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں جو آدمی اپنی مرضی سے اسلام قبول کر چکا ہے اب اس کے احکامات پر اس سے عمل کرانے میں جس حد تک مذہب اسلام نے اجازت دی ہے ضرور سختی اور زبردستی کی جائے گی

مثال اسکی مثال یوں سمجھئے کہ سرکاری نوکری قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں، اور جب قبول کرلی ہے تو اب اس کے اصول و قوانین اور ڈیوٹی کی پوری پوری پابندی کرنا ہوگی نہ کرنے پر سزا کا مستحق ہوگا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ

اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ النُّوْرِ

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں وہ ان کو نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے

إِلَى الظُّلُمٰتِ ط أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۲۵۷﴾ ع

جاتے ہیں، ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔

ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مددگار ہیں ان کو گمراہی وظلمت اور تاریکی و اندھیری یعنی کفر سے نکال کر نور و ہدایت اور روشنی یعنی ایمان میں داخل کرتے ہیں اور کافروں کے مددگار ہیں شیطان چاہے وہ جن ہوں یا انسان جو اپنی سرکشی میں شیطان سے کم نہیں جو ان کو اندھیری وظلمت اور گمراہی یعنی کفر و شرک میں مبتلا رکھتے ہیں جس کے بدلے انھیں جہنم کا عذاب دیا جائیگا اور یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

تجھ کو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار

إِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۙ قَالَ أَنَا

کے بارہ میں اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا

أُحْيِي وَأُمِيتُ ط قَالَ إِبْرٰهِمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ

ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو

مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ط

مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

اور اللہ تعالیٰ ایسے بیجا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے

حضرت ابراہیم و نمرود کا مناظرہ اس آیت پاک میں حق جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ و مناظرہ ذکر فرمایا ہے جو نمرود بادشاہ کے ساتھ ہوا۔ یہ شہر بابل کا بادشاہ تھا اور اپنے کو خدا کہلاتا تھا، اس نے حضرت ابراہیم ؑ سے سوال کیا، بتا تیرا خدا کیسا ہے؟ آپ نے جواب دیا میرا خدا بڑی قدرت والا ہے وہ زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ نمرود نے کہا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں اور اس نے فوراً ہی دو سزائے موت قیدیوں کو طلب کیا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو معاف کر دیا، حضرت ابراہیم سمجھ

گئے کہ یہ زندگی و موت کی حقیقت سے ناواقف ہے کیونکہ کسی بے جان چیز میں جان ڈالنا درحقیقت زندہ کرنا ہے، اسلئے آپ نے فوراً ہی فرمایا کہ میرا پروردگار سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال، یہ سنکر وہ ہکا بکا حیران و پریشان رہ گیا اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال پر بھی نمرود کے لئے یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ اچھا اگر تیرا رب قدرت والا ہے تو وہ مغرب سے سورج کو نکال کر دکھائے۔ لیکن اول تو وہ حیرانی کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکا اور دوسرے بلا اختیار اس کے دل میں یہ بات آئی کہ ابراہیم خدا کا پیغمبر ہے اگر اس نے دعا کر دی تو اللہ حقیقت میں سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا دے گا اور پھر کہیں اس انقلاب عظیم کو دیکھ کر لوگ مجھے اپنا خدا ماننا چھوڑ دیں اور ابراہیم کے معبود کو اپنا خدا ماننے لگیں اس چکر میں بلاوجہ میری سلطنت جاتی رہے گی۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ

یا تم کو اسطرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا کہ ایک بستی پر ایسی حالت میں اسکا گزر ہوا کہ اسکے مکانات اپنی چھتوں

أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ

پر گر گئے تھے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو اسکے مرنے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کرینگے سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس

ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ

تک مردہ رکھا پھر اسکو زندہ کر اٹھایا پوچھا کہ تو کتنے (دنوں) اس حالت میں رہا اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا

قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ

ایک دن سے بھی کم، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تو سو برس رہا ہے تو اپنے کھانے اور پینے (کی چیز) کو دیکھ لے کہ نہیں سڑی

لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ

گلی اور اپنے گدھے کی طرف نظر کر اور تاکہ ہم تجھ کو ایک نظیر لوگوں کے لئے بنادیں اور ہڈیوں کی طرف

وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ

نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دیئے دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں، پھر جب یہ سب کیفیت اس

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

شخص کو واضح ہو گئی تو کہہ اٹھا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

قصہ حضرت عزیر علیہ السلام

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے ان کا گذر ایک ایسی بستی سے ہوا جو کسی حادثہ میں گرچکی تھی اور اسکے رہنے والے سب اسی میں دب کر مرگئے تھے، ان کے دل میں خیال آیا آخر اللہ تعالیٰ ان کو کیسے زندہ کریں گے، اس بات پر انھیں پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے زندہ کرنے پر پوری قدرت ہے مگر ان کو نہ جانے کس طریقہ سے زندہ کریں گے، بس حق تعالیٰ نے ان پر موت طاری کردی اور سو سال تک مردہ ہی رکھا اسکے بعد زندہ کیا گیا اور فرشتوں کے ذریعہ معلوم کیا کہ تم کتنی دیر سوئے ہو انھوں نے جواب دیا ایک دن سویا ہوں یا اس سے بھی کم، اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تم پورے سو سال سوئے ہو اور اس کا ثبوت تمہارا گدھا ہے جو گل سڑ گیا ہے اور اس کی ہڈیاں بھی چور چور ہوگئی ہیں اور اسی کے ساتھ ہماری قدرت کا مظاہرہ کرو اور اپنے کھانے کو دیکھو کہ وہ نہ خراب ہوا نہ سڑا بلکہ بعض روایات میں تو یہاں تک ہے کہ وہ گرم کا گرم تھا، اسکے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب تم اپنے گدھے کی طرف دیکھو ہم اس کی ہڈیاں کس طرح ملا دیتے ہیں اور اس پر پھر سے دوبارہ گوشت چڑھا دیتے ہیں، غرضیکہ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گدھا مکمل ہوگیا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے جان ڈالدی وہ پھر سے زندہ ہو کر کھڑا ہوگیا، یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عزیرؑ بول اٹھے کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ قَالَ أَوَلَمْ

اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھکو دکھلا دیجئے کہ آپ مُردوں کو

تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ

کس طرح زندہ کریں گے؟ ارشاد فرمایا کیا تم یقین نہیں لائے انھوں نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا لیکن اس غرض سے یہ

الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ

درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جائے ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو اپنے لئے ہلا لو پھر ہر

جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ

پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھدو پھر ان سب کو بلاؤ تمہارے پاس سب دوڑے چلے آئیں گے اور خوب

حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع

یقین رکھو اس بات کا حق تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں

۳۵ ع ۲

قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

اس آیت پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرادیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے، ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال پر ہو سکتا تھا کسی کو یہ وہم ہوجاتا کہ نعوذباللہ ان کو اس کا یقین نہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ کیا تمکو ہمارے زندہ کرنے پر یقین نہیں حضرت ابراہیمؑ نے فوراً جواب دیا اے میرے پروردگار مجھے پورا یقین ہے مگر میں اس کی کیفیت دریافت کرنا چاہتا ہوں تاکہ مجھے کامل اطمینان ہو اسکے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا تم چار پرندے پالو اور ان کو اپنے سے خوب ہلا لو کہ دیکھتے ہی پہچان لو اور پھر انھیں کاٹ کر مع ان کے پروں کے ان کا قیمہ بنالو اور اسے خوب ملا کر چار پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا کرکے رکھ دو اور پھر انھیں آواز دے کر اپنی طرف بلاؤ پھر دیکھو وہ کس طرح تمھارے پاس آتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم کے آواز دیتے ہی اس قیمہ کے اجزاء اڑ اڑ کر ایک دوسرے سے ملنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ چاروں پرندے علیحدہ علیحدہ تیار ہو کر ان کے پاس آگئے، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ چار پرندے یہ تھے ۱۔ کبوتر ۲۔ مرغ ۳۔ مور ۴۔ کوا۔

ان واقعات سے یہ بات واضح طور پر کم سے کم عقل والوں کے بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حق تعالیٰ کو پوری قدرت ہے کہ وہ مردہ کو زندہ کردے چنانچہ روز محشر کو اللہ تعالیٰ ہر ایک بشر کو زندہ کرینگے اور پھر ان کے کئے کا پورا پورا حساب لیں گے کسی کو اس دن سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک

اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ

دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ افزونی خدائے تعالیٰ جس کو چاہتا

یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں جاننے والے ہیں۔

تفسیر

جو لوگ راہ خدا میں اپنا حلال مال خرچ کرتے ہیں یعنی حج میں جہاد میں، غریبوں، مسکینوں اور بیواؤں پر یا امداد کی نیت سے پڑوسی اور احباب و اقرباء پر اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی ایک دانہ گیہوں کا بوئے اور اس سے سات خوشے گیہوں کے پیدا ہوں اور ہر خوشہ وہاں میں سو دانے پیدا ہوں، حدیث میں ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو نیکیوں تک ملتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

اپنے فضل وکرم سے اگر چاہیں تو سات سو سے بھی زیادہ نیکیاں عطا فرماتے ہیں، درحقیقت اس کا دار ومدار آدمی کی نیت واخلاص پر ہے جیسی نیت ہوگی ویسی ہی نیکیاں پائیگا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں

اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

اور اس کو آزار پہونچاتے ہیں ان لوگوں کو ان کے اعمال کا ثواب ملیگا ان کے پروردگار کے پاس اور نہ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہوں گے — مناسب بات کہہ دینا اور درگذر کرنا بہتر ہے ایسی

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

خیرات سے جسکے بعد آزار پہونچایا جائے — اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں حلیم ہیں

تفسیر ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ وخیرات کے متعلق بعض اصول بیان فرمائے ہیں ۱۔ جس کو خیرات دی ہے اسے اپنے احسان میں دبائے ۲۔ اسے تکلیف ورنج نہ پہونچائے کہ اس کو اپنی نظر میں حقیر وذلیل سمجھے اور زبان سے بھی اس طرح کی کوئی بات نہ کہے کہ تو وہی ہے جو ہم سے خیرات لیتا ہے وغیرہ ایسے شخص کو اللہ پاک بہترین بدلہ عنایت فرمائیں گے اور انھیں کسی طرح کا رنج وغم نہ ہوگا۔

خیرات کو ضائع کرنیوالی چیزیں اور اسکے برخلاف جو لوگ صدقہ وخیرات دیکر اسے احسان میں دباتے ہیں، یا کسی طرح کی تکلیف پہونچاتے ہیں یا ریاکاری اور دکھلاوے کیلئے خیرات کرتے ہیں تو سمجھو ان کی خیرات ضائع جاتی ہے، اگر سائل ایسے وقت میں کچھ طلب کرے کہ اپنے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو نرم لہجہ میں کوئی مناسب جواب دیکر اسے واپس کردے، اور اگر سائل اس کے باوجود اصرار کرے یا بدتمیزی سے پیش آئے تو اس سے نہ الجھے اور نہ اپنے منہ سے کوئی گندی بات کہے بلکہ درگذر کرے اور معاف کردے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ

اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذا پہونچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر

الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ

اور یوم قیامت پر، سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی ہو پھر اس پر

فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ

زور کی بارش پڑ جاوے سو اسکو بالکل صاف کردے ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راستہ نہ بتلائیں گے

تفسیر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے صدقہ و خیرات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہونچا کر ضائع اور بیکار مت کرو جس طرح کہ منافق لوگ دکھلاوے اور شہرت کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

مثال منافق کے صدقہ و خیرات کو اللہ پاک نے ایک مثال سے واضح فرمایا ہے کہ ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی چڑھ گئی ہو اور پھر اس پر کچھ گھاس پھوس جمع ہو گیا ہو اور پھر اس پر زوردار بارش ہو جائے جس سے وہ بالکل صاف ہو جائے۔ بس اسی طرح جو شخص شہرت و دکھلاوے یا دوسروں کو احسان میں دبانے کے لئے صدقہ دیتا ہے بظاہر وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس نیکیاں ہیں مگر جب وہ خدا کے دربار میں حاضر ہوگا تو اپنے آپ کو نیکیوں سے بالکل صاف اور کورا پائے گا جس طرح وہ پتھر جس پر مٹی اور گھاس جما ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے جنت کا راستہ نہیں بتلادیں گے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ

اور ان لوگوں کے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی غرض سے اور اس غرض

تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ

سے کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑی ہو

اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

پھر وہ دونا پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینھ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اسکو کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے

تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۶۵﴾

کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیر اس سے پہلی آیت میں منافق وغیرہ کے صدقہ کو مثال سے واضح فرمایا تھا اب اس آیت پاک میں مومنوں کے صدقہ کو بھی ایک مثال سے واضح کرکے بیان کیا جارہا ہے ارشاد ہے کہ جو شخص اپنا مال راہ مولیٰ میں اللہ پاک کی رضا و خوشنودگی حاصل کرنے کی نیت سے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو عمدہ قسم کی اونچی زمین پر ہو اور اس باغ پر خوب زور کی بارش ہوجائے تو پھر یہ باغ اور باغوں کے مقابلہ میں دوگنا پھل دے گا اور اگر اس پر زوردار بارش بھی نہ برسے تب بھی اس کو ہلکی سی بارش کی پھوار کافی ہوجاتی ہے۔ بس یہی حال مومنوں کا ہے کہ ان کے صدقہ کا بدلہ انھیں اللہ کے یہاں اسی طرح ملے گا البتہ اخلاص کی کمی و زیادہ کی وجہ سے ان کے اجر میں فرق ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں بس جیسی نیت سے وہ خیرات دیں گے ویسا ہی بدلہ ان کو مل جائیگا۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ

بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اسکا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا اسکے نیچے نہریں

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُۙ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ وَاَصَابَهُ

چلتی ہوں اس شخص کے ہاں اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو

الۡكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ

اور اسکے اہل وعیال بھی ہوں اور ان میں قوت نہ ہو سو اس باغ پر بگولا آئے جس میں آگ ہو پھر وہ باغ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾

جل جائے اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر بیان کرتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم سوچا کرو

تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اس شخص کی مثال دی گئی ہے جس نے اللہ کی فرمانبرداری کے خوب کام کئے اور پھر شیطان کے چکر میں پھنس کر برے کاموں میں لگ گیا۔ وہ شخص کہ جس نے ایک عمدہ قسم کا باغ لگایا جس میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت ہیں اور ہر قسم کے میوے کے درخت بھی ہیں اور اس میں نہریں جاری تھیں، اب اس شخص کا بڑھاپا آجاتا ہے

اور چھوٹے بچے بھی ہیں جن کی پرورش اس کے ذمہ ہے ایسے وقت میں اچانک ایک آسمانی بلا آتی ہے اور اسکے باغ کو جلا کر خاک کر دیتی ہے بھلا سوچو ایسے وقت میں اس کا کیا حال ہو گا۔ بس اے مومنو اس خیال پر دھیان دے کر سوچو کہ کل قیامت کے دن جب ہمیں نیکیوں کی سخت ضرورت ہو گی اور وہاں ہم ان نیکیوں سے بھی خالی ہو جائیں گے جو ہم نے دنیا میں کی تھی اور پھر دکھلاوے کی وجہ سے ان کو ضائع کر دیا تھا۔ اس طرح کی مثالیں بیان فرما کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت وعبرت حاصل کرانا چاہتے ہیں

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ

اے ایمان والو خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ

مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ

ہم نے تمھارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے، اور ردی چیز کی طرف نیت مت کیا کرو کہ اس میں سے

تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا

خرچ کرو حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور یہ یقین رکھو کہ اللہ

أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں

شانِ نزول حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے موسم میں حضراتِ انصار اپنی وسعت وہمت کے مطابق کھجوریں لا کر ایک متعین جگہ رکھ دیا کرتے تھے جس میں سے اصحاب صفہ اور دیگر مسکین مہاجرین ضرورت کے وقت کھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی صحابی نے ردی قسم کی کھجوریں وہاں رکھدیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جس میں بیان ہے کہ جو چیزیں تم کماتے ہو یا محنت کر کے زمین سے پیدا کرتے ہو ان میں سے عمدہ قسم کی ہماری راہ میں خیرات کرو، نکمی اور بیکار چیزیں صدقہ مت کرو، کیا اگر تمھیں اس طرح کی سڑی گلی بیکار چیزیں ہدیہ کی جائیں تو تم انھیں قبول کر وگے؟ ہرگز نہیں، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ بادلِ ناخواستہ لے لو، یاد رکھو خدا ضرورت مند اور مجبور نہیں کہ جیسا تم اسکی راہ میں دوگے وہ قبول کرے گا وہ خود طیب اور پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو پسند کرتا ہے

تنبیہ یہ بیان ان لوگوں کے لئے ہے جو عمدہ قسم کی چیز راہ خدا میں دے سکتے ہیں مگر نیت کی خرابی کی وجہ سے نہیں دیتے، نہیں تو اگر کسی کے پاس ہلکی پھلکی یا ردی قسم کی چیز ہے اور وہ اخلاص

نیت سے راہ مولیٰ میں صدقہ کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ضرور قبول فرماتے ہیں
طیبٰت ، کی دوسری تفسیر حلال مال سے کی گئی ہے۔ مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ صدقہ وخیرات حلال چیزیں کرو حرام نہیں اور جو حرام مال راہ خدا میں دیگا تو حق تعالیٰ اسکو قبول نہیں فرمائیں گے

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ
شیطان تمکو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تمکو بری بات کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۸﴾ یُّؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ
وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ معاف کردینے کا اور زیادہ دینے کا اور اللہ تعالیٰ وسعت والے خوب جاننے والے

یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ۗ وَمَا
ہیں جنکو چاہتے ہیں دین کا فہم دیدیتے ہیں اور جسکو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور

یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾
نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں

تفسیر اس سے پہلی آیتوں میں مختلف انداز سے بندے کو یہ بات سمجھائی گئی کہ راہ مولیٰ میں خرچ کر اسی میں تیری کامیابی ہے مگر شیطان تو انسان کا ازلی دشمن ہے وہ اس نیک کام میں آڑے آتا ہے اور انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر تو اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرے گا یا عمرہ قسم کا دیگا تو یاد رکھ محتاج اور فقیر ہوجائیگا اور پھر تجھکو کوئی نہ پوچھے گا اور اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم صدقہ وخیرات کروگے تو اس سے تمھارے گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں کیونکہ اعمال خیر اعمال شر کا کفارہ بن جاتے ہیں، اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اس کا بدلہ بھی مل جاتا ہے اور آخرت میں ملنا تو یقینی اور ضروری ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں وہ بدلہ میں جس قدر چاہیں گے عطا فرمادیں گے یاد رکھو ان باتوں کو وہی سمجھتا ہے جس کو دین کی صحیح سمجھ ہو اور جسکو اللہ پاک دین کی صحیح سمجھ عطا فرماویں تو سمجھ لو اسکو بڑی دولت نصیب ہوگئی ہے

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُهٗ
اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو تو حق تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ

اور بے جا کام کرنے والوں کا کوئی ہمراہی نہ ہوگا اگر تم ظاہر کرکے دو صدقوں کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ

ان کا اخفا کرو اور فقیروں کو دیدو تو یہ اخفا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ

عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

گناہ بھی معاف کردینگے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں

تفسیر اس سے پہلے یہ بات بیان کی جا چکی کہ صدقہ و خیرات میں ان چیزوں کا لحاظ رکھو اور ان چیزوں سے پرہیز کرو۔ اب یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں تم جس نیت سے بھی صدقہ و خیرات دو گے یا نذر مانو گے اسی کے مطابق تم کو جزا ملے گی، اور یاد رکھو جو لوگ بے جا طور پر خرچ کرتے ہیں یعنی خدا کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف کرتے ہیں تو ان کے لئے کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا اور ان کو اللہ پاک سزا دینگے۔

صدقہ پوشیدہ طریقہ سے دیا جائے اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ یعنی اگر صدقہ کو ظاہر کرکے دیا جائے یہ بھی ٹھیک ہے اور اگر پوشیدہ طریقہ سے دیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں آدمی ریاکاری اور دکھلاوے سے محفوظ رہتا ہے اور اسی طرح خیرات لینے والا بھی شرمندگی سے بچ جاتا ہے اور دنیوی فائدہ یہ ہے کہ اپنے مال کی مقدار لوگوں سے چھپی رہتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضہ سے مروی ہے کہ نفل صدقہ پوشیدہ کرکے دینا ستر گنا فضیلت رکھتا ہے اور فرضی صدقہ (زکوٰۃ وغیرہ) ظاہر کرکے دینا پچیس گنا فضیلت رکھتا ہے، پھر فرمایا کہ صدقہ کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کردے گا خاص طور پر اس وقت جب کہ صدقہ چھپا کر دیا جائے

خلاصہ حاصل یہ ہے کہ صدقہ و خیرات چاہے وہ نفلی ہوں یا فرضی ان کو چھپا کر ہی دینا زیادہ بہتر ہے البتہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے ظاہر کرکے اعلانیہ طور پر دیا جائے مثلاً آپ کے متعلق لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ نہیں دیتا، یا کہیں کار خیر کے لئے چندہ لیا جارہا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ میرے ظاہر کرکے دینے سے اور لوگوں میں بھی دینے کا جذبہ پیدا ہوگا تو صدقہ و زکوٰۃ کو اعلانیہ طور پر دینا زیادہ بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا

ان کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ نہیں لیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آئیں۔ اور جو کچھ تم

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ

خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کی غرض سے کرتے ہو اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی ذات پاک کے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

اور جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب پورا پورا تم کو مل جائیگا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی

تفسیر بہت سے صحابۂ کرام رضی مشرک اور بت پرستوں کو اس مصلحت سے خیرات -- دیتے تھے کہ ممکن ہے خیرات لینے کے لالچ میں یہ ایمان قبول کرلیں حضور علیہ السلام بھی اس رائے سے اتفاق رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ الآیۃ نازل فرماکر تبلادیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کو ہدایت پر لے آنا آپ کے ذمہ نہیں جس کے لئے آپ اس قدر کوشش کر رہے ہیں بس آپ کا کام تو ہدایت کا راستہ تبلا دینا ہے، اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ جو کچھ صدقہ وخیرات تم دیتے ہو وہ صرف اس غرض سے دیتے ہو کہ تمہارا خدا راضی ہو جائے اور اسکے بدلے تم کو جنت عطا کردے تو اس کے لئے تم ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کرتے رہو یہ نہ دیکھو کہ وہ مسلمان ہے یا مشرک، اطمینان رکھو تمہارے صدقہ وخیرات کا بدلہ تمھیں پورا پورا ملیگا اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی

شان نزول حضرت ابن عباس رض سے منقول ہے کہ صحابہؓ اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا اور مال وغیرہ سے ان کی مدد کرنا پسند نہیں کرتے تھے اسکے متعلق حضور سے سوال کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں مشرک وکافر کی حاجت پوری کرنے کیلئے صدقہ دینے کی اجازت ہے، حضرت عطار خراسانی رحنے اس آیت کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ جب دینے والے نے خدائے تعالیٰ کی خوشنودگی کیلئے دیا ہے اور دیکھ بھال کرکے دیا ہے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ واجب ہوگیا ہے، اب چاہے وہ کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے، مستحق کے ہاتھ لگے یا غیر مستحق کے

ایک عجیب قصہ حافظ ابن کثیر نے بخاری ومسلم شریف سے اپنی تفسیر میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی نے ارادہ کیا کہ آج رات کو میں صدقہ دوں گا کے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دیکر چلا آیا، دن میں چرچا ہوا کہ رات میں کوئی ایک بدکار عورت کو خیرات دے گیا اس نے بھی سنا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ارادہ کیا کہ آج رات پھر خیرات دوں گا چنانچہ نکلا اور ایک شخص کو دیدیا، دن میں چرچا ہوا کہ رات میں کوئی مالدار کو صدقہ دے گیا اس نے بھی سنا اور خدا کا شکر ادا کیا، اور ارادہ کیا کہ آج رات کو پھر صدقہ دوں گا چنانچہ ایک آدمی کو دے آیا دن میں پھر لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات کوئی چور کو خیرات دے گیا اس نے بھی

بھی سنا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک فرشتہ کہہ رہا ہے کہ تمھارے تینوں رات کے صدقہ کو اللہ نے قبول کرلیا، شاید بدکار عورت خیرات لے کر اپنی حرام کاری کے مال سے پرہیز کرلے، اور شاید مالدار صدقہ کا مال لے کر خود صدقہ دینا شروع کردے، اور شاید چور یہ مال ملجانے پر چوری سے رُک جائے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا

اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہوگئے ہوں اللہ کی راہ میں وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان

فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ

نہیں رکھتے ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال کے بچنے کے سبب سے تم ان کو ان کے طرز سے پہچان

بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ

سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے اور جو مال خرچ کروگے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی

اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

خوب اطلاع ہے

ع ۳۷

تفسیر اس سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنی خیرات کا مستحق صرف مسلمانوں ہی کو نہ سمجھے بلکہ جو ضرورت مند سامنے آئے اس کو دیدے، اب اس آیت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ صدقہ وخیرات اصل حق ان لوگوں کا ہے جنھوں نے اپنے کو دین کی خدمت کیلئے وقف کردیا ہو اور دنیوی کاروبار سے قطعاً علیحدہ ہوں اور ان کی بے پروائی اور بے نیازی کا یہ عالم کہ لوگ ان کو مالدار سمجھتے ہیں

بہرحال اصل مستحق صدقہ وخیرات کے یہی حضرات ہیں لیکن اگر کوئی ان سے زیادہ ضرورت مند سامنے آجائے تو اسے دیدیا جائے یہ سمجھ کر ان کی خدمت تو کوئی اور بھی کردے گا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کا مصداق سب سے زیادہ وہ لوگ ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں اس بنا پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور اس پر جو بعض ناتجربہ کاروں کا طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا تو اس کا جواب قرآن شریف نے دیدیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک آدمی ایسے دو کام انجام نہیں دے سکتا جن میں سے ایک میں پوری مشغولیت کی ضرورت ہو اور علم دین میں پوری توجہ اور شغل کے بغیر کام نہیں چلتا

اسکے ساتھ کوئی مال کمانے کا طریقہ جمع نہیں ہوسکتا اگر کرلیا جائیگا تو علم دین کی خدمت ناتمام اور نامکمل رہ جائے گی اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ اور آشکار سو ان لوگوں کو ان

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾

کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے

تفسیر اس آیت پاک میں یہ بتلایا گیاہے کہ خیرات کرنے کا کوئی خاص وقت نہیں بلکہ چاہے رات میں خرچ کرو چاہے دن میں، چاہے ظاہری طور پر خرچ کرو چاہے چھپا کر غرضیکہ جیسا موقع ومصلحت اور ضرورت ہو اسکے مطابق خرچ کرو کسی خاص وقت کی پابندی نہیں ہے۔

شان نزول بعض حضرات مفسرین رحنے فرمایا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رض کی شان میں نازل ہوئی جبکہ انھوں نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں خیرات کئے دس ہزار رات میں، دس ہزار دن میں دس ہزار کھلم کھلا ظاہر کرکے اور دس ہزار چھپا کر اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت علی رض کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسوقت انھوں نے چار درہم صدقہ کئے ایک رات میں ایک دن میں ایک ظاہر کرکے اور ایک چھپا کر

بہر حال جو اس طرح راہ مولی میں خرچ کرتے ہیں ان کے لئے خدا نے بشارت سنائی ہے کہ اس کا بدلہ ہمارے ذمہ واجب ہے اور ہم انھیں مرنے کے بعد ہر طرح کے غم اور پریشانی اور خطرہ سے محفوظ رکھیں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا

لپٹ کر یہ سزا اسلئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، حالاں کہ اللہ تعالی

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے پھر جس شخص کو اسکے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہونچی

فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور معاملہ اس کا خدا کے حوالے رہا اور جو شخص پھر عود کرے

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ

تو یہ لوگ دوزخ میں جاوینگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور

يُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ

صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو کسی گناہ کے کام کرنے والے کو بیشک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کے لئے ان کا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے نزدیک اور ان پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے

تفسیر اس سے پہلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو اپنا مال راہ مولیٰ میں خرچ کرنے والے ہیں اور دوسروں کی حاجت کو پوری کرنے والے ہیں، اب ان آیات میں ان لوگوں کا بیان ہے جو دوسروں کا مال ناحق چھینتے ہیں اور اسے ہضم کر جاتے ہیں یعنی بیاج لینے والے. ان کے متعلق فرمایا جارہا ہے کہ وہ قیامت میں خدا کے عذاب کی دہشت سے بدحواس ہوں گے جیسا کہ کوئی آسیب کے اثر سے بدحواس ہوجاتا ہے، یہ سزا ان کو اس لئے دی جائے گی کہ ان سود خواروں نے یہ بات بنائی تھی کہ سود اور تجارت برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں، جس طرح ایک روپیہ کی چیز سوا روپیہ میں بیچنا درست ہے اسی طرح ایک روپیہ قرض دے کر سوا روپیہ وصول کر لینا بھی درست ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا قیاس کرنا بالکل غلط ہے اور خاص طور پر اس وقت جب کہ خدائے تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں فرما دیا ہے کہ سود حرام ہے اور تجارت حلال ہے

اس کے بعد ارشاد ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اس فعل بد یعنی سود لینے سے توبہ کر لی ہو تو اس سے پہلے لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے اور آخرت کا معاملہ خدا کے حوالے ہے کہ اگر اس نے اپنا مال بچانے کے لئے توبہ کی ہے تو آخرت میں ضرور سزا پائے گا اور اگر واقعتاً خدا سے ڈر کر سچی توبہ کی ہے تو اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے وہ اسکے پچھلے گناہ یعنی سود لینے کو معاف کر دے گا اور اس کو بخش دے گا، اور جو شخص سود حرام ہوجانے کے بعد بھی سود کی لین دین کرتا

رہے گا تو وہ دوزخ کی آگ میں ڈالدیا جائیگا، اور جو شخص سود کو تجارت کی طرح جائز اور حلال سمجھے گا وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا کیونکہ سود کو حلال سمجھنا کفر ہے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے اور مٹاتے ہیں اگرچہ بظاہر وہ بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر آخرت میں جہاں اصل ضرورت پڑے گی وہاں اس کو نہ ملیگا بلکہ اسکے بدلے جو ملیگا وہ خدا کا عذاب اور سزا ہوگی، اور کبھی کبھی تو اللہ پاک دنیا میں ہی تمام مال برباد کر دیتے ہیں اور اسکے برخلاف اللہ پاک صدقہ کو بڑھاتے ہیں اور دنیا میں ہی بڑھا کر دکھا دیتے ہیں جس کی سینکڑوں مثالیں اور واقعات موجود ہیں اور پھر آخرت میں بڑھنا تو لازمی ہے اور یقینی بھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے عمل کا بدلہ پہاڑ کے برابر بڑھا کر عنایت فرمائیں گے، اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ گناہ (یعنی سود لینے دینے کو) اور کفر (یعنی سود کو حلال سمجھنے والے سے) سخت نفرت فرماتے ہیں اور ایسی ہی ان کو سخت سزا دیتے ہیں

سود کے متعلق چند وعیدات

آج کے دور میں جبکہ سود عام ہو رہا ہے اور اس کو نفع اور پرافٹ جیسے نام بدل بدل کر لیا اور دیا جاتا ہے اور بہت سے اچھے اچھے دیندار حضرات اس میں مبتلا ہیں اسلئے ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کرتا ہوں خدا کرے کہ ان پاک ارشادات کو سنکر سودی لین دین کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں اور نصیحت و عبرت حاصل ہو اور اس منحوس فعل کو ترک کر دیں۔

۱ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات میں نے دو آدمیوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس تک لے گئے، پھر ہم آگے چلے تو ایک خون کی نہر دیکھی جس میں ایک آدمی کھڑا تھا اور دوسرا آدمی اسکے کنارے کھڑا تھا جب یہ نہر والا آدمی نہر سے باہر آنا چاہتا تھا تو کنارے والا آدمی اسکے منہ پر پتھر مارتا تھا جس سے وہ نہر کے بیچ میں جا گرتا تھا، حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اس عجیب ماجرے کے متعلق اپنے ان دونوں ساتھیوں (فرشتوں) سے دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ خون کی نہر میں قید کیا ہوا یہ آدمی سود خوار ہے اور اپنے اس منحوس فعل کی سزا پا رہا ہے۔

۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس دفعہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے

۳ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب کسی بستی میں زناکاری اور سودی کاروبار پھیل جائے تو سمجھو اس بستی والوں نے خدا کے عذاب کو دعوت دی ہے

۴ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی قوم میں سودی لین دین کا رواج ہو جائے تو اللہ پاک ان پر ضروریات زندگی کی چیزوں میں گرانی اور مہنگائی مسلط فرما دیتے ہیں اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے اس پر دشمنوں کا رعب و غلبہ فرما دیتے ہیں

عہ رسول خدا نے سود لینے والے پر بھی، اور سود دینے والے پر بھی، اور بعض روایات میں سودی معاملہ پر گواہی دینے والے پر اور اسکا وثیقہ (عہدنامہ) لکھنے والے پر بھی لعنت آئی ہے ــــ آخری آیت میں اللہ پاک نے مومنو کو خوشخبری سنائی ہے کہ مرنے کے بعد ان کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین و پریشان ہوں گے اور نماز و روزہ و زکوۃ کی ادائیگی کے بدلہ اللہ تعالیٰ ان کو اجر و ثواب جنت اور حوروں کی شکل میں عطا فرمائیں گے

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوٰا إِنْ كُنْتُمْ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو

مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷۸﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ

اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر تم نہ کروگے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اسکے رسول کی طرف سے

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾

اور اگر تم توبہ کرلوگے تو تم کو تمھارے اصل اموال مل جاوینگے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤگے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائیگا

شانِ نزول ۔ زمانہ جاہلیت میں قبیلۂ بنو عمرو اور قبیلہ بنو مخزوم میں سودی کاروبار تھا اسلام کے بعد بنو عمرو نے بنو مخزوم سے اپنا سود طلب کیا تو بنو مخزوم نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہم نہ سود لیں گے اور نہ دینگے اس بات پر دونوں قبیلوں میں جھگڑا بڑھ گیا آخر مکہ مکرمہ کے نائب حضرت عتاب بن اُسیدؓ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا واقعہ لکھکر جواب طلب کیا تو آپؐ پر یہ آیت یاایہا الذین الخ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا ہے اے مومنو اللہ سے ڈرتے رہو اس کی رضا کے خلاف کوئی کام مت کرو اور جو بیاج تمھارا ہے لوگوں پر اسکو قطعًا مت لو اگر تم واقعۃً سچے مومن ہو آپکے اس حکم کے بعد بنو عمرو نے اپنا بیاج بالکل چھوڑ دیا۔

سود خوار کو خدا کا اعلان جنگ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر سود کو حرام کرنے کے بعد تم ہمارے اس حکم پر عمل نہ کروگے تو پھر ہم سے جنگ و جہاد کیلئے تیار ہوجاؤ اسمیں دراصل اللہ پاک نے سود خواروں کو دھمکی دی ہے کہ اس منحوس کام کو چھوڑ دو ورنہ تو تمھارا انجام ہلاکت و بربادی ہے، حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ بیاج خوروں سے کہا جائیگا کہ اپنے ہتھیار لیلو اور خدا سے لڑنے کیلئے تیار ہوجاؤ، حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے اگر سود خور سودی لین دین کو حلال سمجھتا ہے تو بوجہ اسکے کافر ہوجانے سے اسکے ساتھ جنگ و جہاد کی اجازت بالکل ظاہر ہے اور اگر وہ بیاج کو حرام سمجھتا ہے لیکن چھوڑتا نہیں تو ایسی صورت میں حاکم وقت اس پر سختی کرائے گا اسکے باوجود بھی اگر یہ باز نہ آویں تو ان کو باغی سمجھا جائیگا اور پھر حاکم وقت ان سے جنگ و جہاد کا حکم نافذ فرمادیگا ۔

تنبیہ :۔ یہ سب اسی وقت ہے جب کہ حکومت اسلامی ہو اسکے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے قوانین تمکو بتلائے ہیں کہ ان پر عمل کرکے نہ تو تم کسی پر ظلم و زیادتی کرسکتے ہو اور نہ ہی کوئی تم پر ظلم و زیادتی کرے گا یعنی تمھارا اصل مال واپس مل جائیگا لہذا تم پر کوئی زیادتی نہ ہوئی اور جس نے قرض لے رکھا تھا اسپر سود واجب نہ ہوگا لہذا اسپر بھی کوئی زیادتی نہ ہوئی ۔

وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک اور یہ (بات) کہ معاف ہی کر دو تو اور زیادہ

لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۸۰) وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى

بہتر ہے اگر تم کو خبر ہو — اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں

اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۲۸۱) ع

لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا

۳۸ ع ۸

تفسیر سود خور مقروض لوگوں کو بہت ستاتے تھے اور ان کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بات تعلیم فرمائی کہ قرض خواہ کو چاہیے کہ قرض وصول کرنے میں نرمی سے کام لے اور اگر وعدے پر رقم کی ادائے گی نہیں کر سکتا تو اسے مہلت دیدے اور زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ایسے شخص کا قرض ہی معاف کر دے احادیث پاک میں بھی اس طرف بہت رغبت دلائی گئی ہے، مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجبور قرضدار کو مہلت دیگا یا اس کا قرض معاف کر دے گا تو اس کو قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب ہوگا

مسئلہ: قرض وصول کرنے میں غریب مجبور کو مہلت دینا واجب ہے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فیصلہ کے دن یعنی روز قیامت سے ڈرایا ہے کہ اس دن تمھاری پیشی ہمارے دربار میں ہوگی اور ہم اس دن ہر شخص کو اسکے کئے کا پورا پورا بدلہ دیں گے کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک تو اس کو لکھ

فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ

لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے آپس میں کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ

سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو سکھلا دیا اس کو چاہیئے کہ لکھدیا کرے اور وہ شخص لکھوا دے جس

الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۭ فَاِنْ كَانَ

کے ذمہ وہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس میں ذرہ برابر کمی نہ کرے

الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ

پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا اگر وہ خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھانے کی قدرت

فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

نہ رکھتا ہو تو اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے

تفسیر اس آیت پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اے لوگو جب تم کوئی ادھار کا معاملہ کرو تو اس میں وقت متعین کر لیا کرو کہ آج سے پندرہ دن بعد آپ کی رقم ادا کروں گا اور پھر اس معاملہ کو باہمی طور پر لکھ لینا چاہیئے تاکہ کل کو کسی طرح کا کوئی اختلاف اور جھگڑا نہ ہو سکے اور یہ لکھوانا قرض دینے والے کے ذمہ ہے جو دراصل اس کی طرف سے ایک طرح کا اقرار نامہ ہے، اگر یہ شخص مجنون ہے یا نابالغ یا گونگا ہے یا دوسری زبان والا ہے جس کو لکھنے والا نہیں سمجھتا تو ان سب صورتوں میں یہ اقرار نامہ لکھوانے کی ذمہ داری اسکے ولی باپ دادا وغیرہ پر ہے اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے محرر یعنی لکھنے والے کو ہدایت فرمائی کہ وہ انکار نہ کرے خدا نے اس کو لکھنا سکھایا ہے تو اس نعمت سے دوسروں کو ضرور فائدہ پہونچائے البتہ اگر اپنے وقت کی محر رمناسب اجرت وصول کرتا ہے تو یہ جائز ہے، دوسری یہ ہدایت فرمائی کہ جو کچھ لکھے وہ انصاف سے لکھے کسی قسم کی کمی زیادتی نہ کرے

مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک یہ لکھنا مستحب ہے واجب نہیں اور کوئی نہ لکھے تو گنہگار نہیں۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا

اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو — پھر اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں

رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ

تو ایک مرد — اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا یَاْبَ

تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جائے تو ان میں کی ایک دوسری کو یاد دلا دے اور گواہ

الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ

بھی انکار نہ کیا کریں جب گواہ بلائے جایا کریں۔

تفسیر:- باہمی طور پر جو معاہدہ دستاویز پر لکھا گیا ہے اس پر دو گواہ کر لئے جائیں یہ گواہ مرد ہونے

چاہئیں اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں کہ اگر ایک عورت واقعہ کے کسی جز کو بھول جائے تو دوسری عورت یاد دلا دے۔ اور یہ گواہ تمہارے پسندیدہ ہونے چاہئیں یعنی سچے ایماندار اور پھر گواہ کو یہ ہدایت فرمائی کہ جب ان کو گواہی کے لئے بلایا جائے تو انہیں چاہیے کہ چلے جائیں انکار نہ کریں۔

مسئلہ: گواہ بننے کے لئے بلانے پر چلے جانا مستحب ہے مگر گواہ بن جانے کے بعد گواہی دینے کیلئے جانا بعض صورتوں میں فرض ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص گواہ بنے اس کے اندر یہ صفات ہونے چاہئے (۱) مسلمان ہو (۲) بالغ ہو (۳) ذی عقل ہو (۴) آزاد ہو، غلام نہ ہو (۵) سچا اور ایماندار ہو

وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ

اور تم اس کے لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا

یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار

اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

ہے اس بات کا کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کے باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ

میں تم پر کوئی الزام نہیں ہے اور خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

نہ دی جاوے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تمکو گناہ ہوگا اور خدا سے ڈرو

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

اور اللہ تعالیٰ تمکو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

تفسیر اس آیت پاک میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنے لین دین کے معاملات خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ان کو لکھنے سے اکتایا مت کرو اور اسی طرح اگر معاملہ نقد کا ہو تو اس پر بھی گواہ بنا لیا کرو یہ سب خدا تعالیٰ کے مشورے ہیں جو امت محمدیہ کے فائدے کی خاطر اللہ نے تعلیم فرمائے ہیں ان طریقوں کو اختیار کر کے نہ تو ایک دوسرے کا حق دبا سکتا ہے اور نہ ہی آپس میں

جھگڑا ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کو معاملہ کے بارے میں مطعون کر سکتا ہے، اس سے پہلے محرر اور گواہ کو ہدایت فرمائی تھی کہ اہل معاملہ کی مدد کرو اور اب ان اہل معاملہ کو ہدایت ہے کہ ان کو پریشان نہ کریں کہ ان کا وقت ضائع کریں اور ان کو سفر خرچ وغیرہ نہ دیں، اسی کے ساتھ تنبیہ فرمادی کہ یاد رکھو اگر تم ایسا کروگے تو مستحق سزا ہوگے اور خدا سے ڈرتے رہو کہ جو باتیں اس نے تمکو تعلیم فرمائی ہیں ان پر عمل کرتے رہو۔

وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہیں

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ

جو قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے اس کو چاہیے کہ

اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ

دوسرے کا حق پورا کردے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس

قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾

کا اخفا کرے گا اسکا قلب گنہگار ہوگا اور اللہ تم تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں

تفسیر: اس آیت پاک میں یہ بیان ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور تم کو قرض دینا پڑ جائے اور وہاں کوئی دستاویز لکھنے والا نہ ہو تو اگر تمہیں قرض لینے والے پر اعتماد و بھروسہ ہے تو بغیر لکھے ہی دیدو نہیں تو اس کی کوئی چیز گروی رکھ لو۔

مسئلہ: کسی چیز کا گروی اور رہن رکھنا جیسے سفر میں جائز ہے اسی طرح حضر یعنی اپنے گاؤں اور شہر میں رہتے ہوئے بھی جائز ہے

مسئلہ، گروی چیز کو صرف اپنے قبضے میں رکھنے کی اجازت ہے اس کو استعمال کرنا یا اس سے کوئی فائدہ اٹھانا جائز نہیں اگر اس چیز سے کچھ نفع یا پیداوار ہو رہی ہے تو اس کا مالک بھی وہی شخص ہے جس کی وہ چیز ہے

اس کے بعد گواہ کو ہدایت ہے کہ وہ گواہی کو نہ چھپائے، چھپانے میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی گواہی کو پلٹ دے یا اس میں کمی و زیادتی کردے۔ مثلاً قرض لئے تھے ہزار روپے اور وہ گواہی دے کہ پانچسو روپے لئے تھے ایسے لوگوں کے متعلق قرآن نے فرمایا کہ ان کا دل گنہگار ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ

کوئی یہ نہ سمجھے کہ صرف زبان ہی سے گناہ ہوا ہے نہیں دل بھی اس گناہ میں شریک ہے ایسے لوگوں کو خدا سے ڈرتے رہنا چاہیئے کیونکہ انسان جو کرتا ہے خدائے تعالیٰ سب جانتا ہے اور پھر اس کے اعمال کے مطابق سزا دیتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ

اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں

اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ

ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے، حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے پھر جس کے لئے منظور ہوگا

وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾

بخشدینگے اور جس کو منظور ہوگا سزا دینگے اور اللہ تعالیٰ ہر شئی پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں

تفسیر اس آیت شریفہ میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائینگے وہ عمل بھی جس کو وہ کر گذرے ہیں اور وہ بھی جن کا دل سے پختہ ارادہ کر لیا اور اس کو دل میں چھپا کر رکھا مگر عمل کی نوبت نہیں آئی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابن عمر رض منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن قیامت کے روز اپنے خدا سے قریب کیا جائیگا یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے ایک ایک گناہ کو یاد دلائیں گے اور سوال کریں گے کہ تو جانتا ہے کہ تو نے یہ گناہ کیا تھا بندہ مومن اقرار کرے گا حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں بھی تیری پردہ پوشی کی اور تیرا گناہ لوگوں میں ظاہر نہیں ہونے دیا اور میں آج اس کو معاف کرتا ہوں اور نیکیوں کا اعمال نامہ اس کو دیدیا جائیگا لیکن کفار و منافقین کے گناہوں کو مجمع عام میں بیان کیا جائیگا۔ اور ایک حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس

اقوال و تحقیق یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری امت کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے وہ جو ان کو دل میں خیال آیا جب تک ان کو زبان سے نہ کہا یا عمل نہ کیا ہو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کے ارادہ پر کوئی عذاب اور گرفت نہیں جو آیت مذکورہ کے قطعاً متعارض ہے، امام قرطبی نے ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ یہ حدیث احکام دنیا سے متعلق ہے، طلاق، عتاق، بیع، ہبہ وغیرہ محض دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہوجاتے جب تک ان کو زبان یا عمل سے نہ کر لیا جائے، اور آیت میں جو کچھ مذکور ہے وہ احکام آخرت سے متعلق ہے اسلئے کوئی تعارض نہیں۔

(باقی بر صفحہ ۲۸)

میں پوشیدہ چیزوں کا جائزہ لیا جائیگا اور دلوں کے پوشیدہ راز کھولے جائیں گے اور عمل لکھنے والے فرشتوں نے تمھارے صرف وہ اعمال لکھے ہیں جو ظاہر تھے اور میں ان چیزوں کو بھی جانتا ہوں جن پر فرشتوں کو اطلاع نہیں اور نہ وہ چیزیں انھوں نے تمھارے نامہ اعمال میں لکھی ہیں، اب میں وہ سب تمھیں بتلاتا ہوں اور ان پر محاسبہ کرتا ہوں پھر جس کو چاہوں گا بخشش دوں گا اور جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا پھر مومن کو معاف کر دیا جائیگا اور کفار کو عذاب دیا جائیگا۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ

اعتقاد رکھتے ہیں رسول صلعم اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور مومنین بھی سب

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اسکے فرشتوں کیساتھ اور اسکی کتابوں کیساتھ اور اسکے پیغمبروں کے ساتھ کہ

اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ

ہم اسکے سب پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے سنا اور خوشی سے مانا ہم آپ کی

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (۲۸۵)

بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے

سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

احادیث پاک میں ان دو آیتوں کی بہت فضیلت آئی ہے ان کو حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے اپنے دست پاک سے خود لکھا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو آیتیں جنت کے خزانے سے نازل ہوئی ہیں

(بقیہ احوال وتحقیق صنہ) آیت مذکورہ کے ظاہری الفاظ میں چونکہ دونوں قسم کے خیالات داخل ہیں خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری اسلئے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام کو سخت غم وفکر لاحق ہوگیا کہ اگر غیر اختیاری خیالات ووساوس پر بھی مواخذہ ہونے لگا تو کون نجات پائیگا چنانچہ صحابہ رضہ نے اس کا ذکر حضور سے کیا آپ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس پر عمل کا پختہ ارادہ کرو اور کہو "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" چنانچہ صحابہ کرام رضہ نے آپ کے ارشاد کے مطابق کہا اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" یعنی اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری وساوس اور خیالات پر مواخذہ نہیں ہوگا اس پر صحابہ کرام کو اطمینان ہوا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دو آیتیں اپنے اس خاص خزانے سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے حضورؐ کا ارشاد ہے جو شخص یہ دو آیتیں رات میں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے کافی ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں یہ دو آیتیں تین رات تک پڑھی جائیں تو شیطان اس گھر کے قریب تک نہیں آتا۔ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان رکھتے ہیں اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی یعنی قرآن کریم پر اور اسی طرح مؤمنین بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں، حضور اور تمام مؤمنین اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ خدا ایک ہے موجود ہے اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہے، اور فرشتوں پر بھی کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں اور مختلف کاموں پر مقرر ہیں اور ایمان رکھتے ہیں اللہ کی کتابوں یعنی آسمانی کتابوں پر تمام رسولوں پر کہ وہ سچے ہیں اور ان رسولوں میں تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں جیسے یہود نے حضرت موسیٰؑ کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو نبی مانا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ مانا اس پر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی تعریف فرمائی کہ یہ تمام نبیوں کو ماننے والے ہیں اور ان سب نے یوں اقرار کیا کہ ہم نے اللہ کا کلام سنا، اور ہمیں خدا کے احکام تسلیم ہیں اور انھوں نے اپنے پروردگار سے کہا بلاشبہ قیامت کے روز ہم سب لوٹ کر آپ ہی کے پاس آئیں گے اسلئے ہم آپ سے اپنی بخشش اور مغفرت طلب کرتے ہیں، ہم پر اپنے لطف وکرم کی نظر فرما۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ملیگا جو ارادہ

اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا

سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے اے ہمارے رب ہم پر دار وگیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں

تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجیے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے اے ہمارے پروردگار

تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ

اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیے جس کو ہم سہار نہ سکیں اور درگذر کیجیے ہم سے اور بخش دیجئے ہمکو اور رحم کیجیے ہم پر

اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

آپ ہمارے کارساز ہیں سو ہم کو آپ کافر لوگوں پر غالب کیجیے۔

تفسیر ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو اس کی ہمت وطاقت سے زیادہ کام کا حکم نہیں دیتے، اسلئے غیر اختیاری طور پر جو خیالات اور وسوسے دل میں آجائیں اور پھر ان پر کوئی عمل نہ ہو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف ہیں حساب اور گرفت صرف ان اعمال پر ہوگی جو اختیار اور ارادہ سے کیے جائیں اس بات کو کھول کر اللہ تعالیٰ نے آیت کے اس حصہ میں بیان فرمادیا ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ، یعنی آدمی کو ثواب بھی اسی کام کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور عذاب بھی اسی کام پر ہوتا ہے جو اختیار اور ارادہ سے کرے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا الآیۃ یہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک مخصوص دعا تعلیم فرمائی ہے جس کا مطلب اور خلاصہ یہ ہے کہ اے خدا ہماری بھول چوک کو معاف فرما اور ہم پر بھاری اور سخت اعمال کا بوجھ نہ ڈالئے جیسا ہم سے پہلے لوگوں یعنی قوم بنی اسرائیل پر ڈالا گیا ہے کہ ان کی شریعت میں ناپاک کپڑا پانی سے پاک نہیں ہوتا تھا بلکہ جلانا یا کاٹنا پڑتا تھا وغیرہ، یا یہ مراد ہے کہ دنیا ہی میں ہم پر عذاب نازل نہ فرما جس طرح کہ قوم بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا، اور ہم پر ایسے اعمال بھی فرض نہ فرما جو ہماری طاقت وہمت سے باہر ہوں، بس ہمارے ساتھ عفو و درگذر اور بخشش و رحم کا معاملہ فرما اور ہم کو کافرین پر غلبہ ونصرت عطا فرما بے شک آپ ہمارے کاموں کے سنوارنے اور بنانے والے ہیں،

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام دعائیں قبول فرمالیں حضرت معاذ رضؓ جب اس آیت کو ختم کرتے تو آمین کہتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں،

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ

اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں وہ زندہ ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں اللہ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ

تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان کتابوں کی جو اس سے

وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬

پہلے نازل ہو چکی ہیں اور توریت اور انجیل کو اسکے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اللہ تعالیٰ نے بھیجے معجزات ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ

بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ان کے لئے سزائے سخت ہے اور اللہ

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤﴾

تعالیٰ غلبہ والے ہیں، بدلہ لینے والے ہیں

واقعہ شان نزول محمد ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ شہر نجران سے نصاریٰ کے ساٹھ آدمیوں کا ایک وفد جن کا لاٹ پادری عبد المسیح اور اس کا وزیر ایہم اور پوپ اعظم ابوحارثہ بن علقمہ تھے اس پوپ کی شاہ روم کے یہاں بڑی قدر و منزلت تھی اور عرب کے تمام کلیساؤں کی سیادت و سرپرستی بھی اس کو حاصل تھی، الحاصل یہ وفد مدینہ طیبہ حاضری کے لئے نکلا اور اتفاقاً راستے میں ابوحارثہ کے خچر نے ٹھوکر کھائی اس پر ابوحارثہ کے بھائی کرز نے کہا کہ جس کے پاس ہم جارہے ہیں وہ بڑا کمبخت معلوم ہوتا ہے (العیاذ باللہ) اس پر ابوحارثہ نے غصہ کا اظہار کیا اور کہا کہ جس شخصیت کے پاس ہم جارہے ہیں خدا کی قسم وہ اللہ پاک کے وہ مقدس نبی ہیں جن کی بشارت حضرت موسیٰ نے توریت میں دی ہے اور حضرت عیسیٰ (نصرانیوں کے عقیدہ کے مطابق) جس وقت سولی دیئے گئے اس وقت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی بشارت دے گئے تھے اس وقت سے لے کر آج تک انکا انتظار تھا، اس پر کرز نے کہا کہ بھائی صاحب پھر آپ ان کا دین کیوں قبول نہیں کر لیتے؟ حارثہ نے جواب دیا کہ بادشاہ کے یہاں سے ہمیں جو مال و دولت ملتا ہے اور جو قدر و عزت اور مقام بادشاہ کے نزدیک ہمارا ہے سب کا سب خاک میں مل جائے گا،

بہرحال یہ وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں مناظرہ کے لئے پہونچتا ہے چونکہ نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور اسے معبود مانتے تھے اسلئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحکم دلائل سے ان کو لاجواب کر دیا، آپ نے فرمایا اللہ اس سے پاک ہے کہ اسکے اولاد ہو کیونکہ باپ اور بیٹے میں مشابہت ہوا کرتی ہے اور حضرت عیسیٰ اور اللہ پاک میں کچھ بھی مناسبت نہیں جیسا کہ آیت کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے، پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اس کے باوجود بھی اگر تم اپنے باطل عقیدہ ہی کو سچ مانتے ہو تو مباہلہ کرلو انھوں نے جواب دیا کہ ہم مشورہ کر کے بتلائیں گے، مشورہ میں یہ بات سامنے آئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا سچا رسول ہے اگر ہم نے اسکے ساتھ مباہلہ کرلیا تو ہم

ہلاک و تباہ ہو جائیں گے اور پھر یہ کچھ ٹیکس (جزیہ) دینا منظور کر کے اپنے شہر نجران واپس ہوئے۔

تفسیر اوپر کی آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عبادت و بندگی کے قابل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس قدر قدرت والا ہے کہ دونوں جہان کو سنبھالے ہوئے ہے ان کے نظام کو صحیح طریقہ سے چلاتا ہے اور اس خدائے وحدہ لاشریک نے اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسی عظیم کتاب (یعنی قرآن مجید) نازل فرمائی جو پہلے آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس خدائے پاک نے قرآن کریم سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے توریت اور انجیل کو بھی نازل فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ اس ذات نے اپنے رسولوں کی تصدیق کے لئے مختلف قسم کے بے شمار معجزات بھی لوگوں کو دکھلائے۔ اسکے بعد ارشاد ہے کہ ان سب چیزوں کے باوجود پھر بھی اگر کوئی ہماری ذات کا اور آیتوں کا انکار کرے گا تو یاد رکھو ہم بڑی قدرت والے ہیں اسلئے انکار کرنے والوں کو سخت قسم کا عذاب دیں گے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿٥﴾ هُوَ

بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی شئی چھپی ہوئی نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں وہ

الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

ایسی ذات ہے کہ تمہاری صورت شکل بناتا ہے ارحام میں جس طرح چاہتا ہے، کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦﴾

اسکے وہ غلبہ والے ہیں حکمت والے ہیں

تفسیر اس سے پہلی آیت میں بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ دونوں عالم کے نظام کو سنبھالے ہوئے ہیں اس کے لئے دو وصف کا ہونا ضروری ہے ۱ اس کو ہر ایک بات معلوم ہو آغاز اور انجام سے واقف ہو، چنانچہ اس صفت کو خدا نے پہلی آیت ان اللہ لا یخفی الآیۃ میں بیان فرما دیا کہ اللہ کے لئے آسمان و زمین کی کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ۲ یہ وصف ہو کہ ہر چیز پر پوری قدرت ہو یہ بھی خدا میں موجود ہے اور اس کو دوسری آیت ھو الذی یصورکم الآیۃ میں بیان فرمایا کہ خدا ایسی قدرت والا ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے اس بچہ کی جو اپنی ماں کے پیٹ میں بند ہے جیسی صورت چاہتا ہے بنا دیتا ہے کسی کو خوبصورت کسی کو بدصورت، بلاشبہ خدائے تعالیٰ کی ذات بڑی زبردست اور حکمت والی ہے، پھر انسان کی بڑی ہی بیوقوفی ہے کہ وہ اس عظیم ذات کو چھوڑ کر پتھر کی مورتیوں یا اس کے پیدا کردہ انسانوں کی بندگی کرے جیسے نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو اپنا معبود بناتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ

وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو، جس میں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو اشتباہِ مراد سے محفوظ ہیں

الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ

اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں کتاب کا اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو مشتبہ المراد ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی

مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ

ہے وہ اسکے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کا مطلب ڈھونڈھنے

اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ

کی غرض سے حالانکہ ان کا مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر

عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

یقین رکھتے ہیں سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں

تفسیر

ارشاد ہے کہ قرآن عظیم کی آیتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو بالکل واضح اور صاف ہیں کہ ان کا مطلب بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے ان کو محکمات کہتے ہیں یہی اصل ہیں انہی پر دین کا دار و مدار ہے اور اسی سے بنیادی مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور دوسری وہ جو پیچیدہ ہیں جو واضح نہیں کہ ان کی مراد سمجھنا مشکل ہوتا ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ چند حروف کو ترتیب دے دیا جاتا ہے جس میں کوئی خاص حکمت و نکتہ پوشیدہ ہوتا ہے جو عموماً سمجھ سے باہر ہوتا ہے مثلاً حروف مقطعات یعنی الٓمٓ، حٰمٓ وغیرہ یا اس وجہ سے کہ اس آیت کے دو معنی و مطلب ہوتے ہیں ایک ظاہری اور دوسرے باطنی جس کی وجہ سے عموماً ایک معنی کو متعین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ انہی دوسری قسم کی آیتوں

اقوال و تحقیق

محکمات و متشابہات کی بحث آلٓمٓ کی توضیح کے ضمن میں کافی بسط و تفصیل سے گذر چکی ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہاں تو صرف محکم و متشابہ کی تعریف یا مصداق جو علماء سلف سے منقول ہے کو صفحۂ قرطاس پر لایا جاتا ہے ۱ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ محکمات وہ آیات ہیں جو ناسخ ہوں جنہیں حلال حرام نہی عن المنکر حدود، اعمال وغیرہ کا بیان ہو ۲ حضرت یحییٰ بن معمر سے بھی اسی کے قریب منقول ہے فرماتے ہیں کہ حلال و حرام فرائض و احکام والی آیات محکمات ہیں اور متشابہات حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق وہ آیات ہیں جو منسوخ ہوں جنہیں مثالیں مذکور ہوں قسمیں کھائی گئی ہوں جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے عمل کیلئے وہ احکام نہیں ۳ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات آیات متشابہات ہیں۔ واللہ اعلم۔

میں تلاش رکھتے ہیں تاکہ اپنے فاسد عقائد میں ان سے مدد ملے، اور جو لوگ ماہر فی العلم اور ہدایت والے ہوتے ہیں وہ ان آیات کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ان کا صحیح مطلب خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ ان سب آیات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہمارے پروردگار کی جانب سے ہمارے پیغمبر پر نازل ہوئی ہیں، آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں کیونکہ عقل و سمجھ یہی سکھاتی ہے کہ جو مفید اور کارآمد بات ہو اس کو لے لیا جائے اور جو غیر ضروری ہو اس کی تلاش میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اسکے کہ آپ ہمکو ہدایت کرچکے ہیں اور ہمکو اپنے پاس سے رحمت عطا

رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ

فرمائیے بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں اے ہمارے پروردگار آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو جمع کرنے والے ہیں

لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾

اس دن میں جس میں ذرا شک نہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتے وعدے کو

تفسیر جو لوگ ماہر فی العلم ہیں اور منجانب اللہ وہ ہدایت یافتہ ہیں وہ آیات متشابہات کا علم خدا کے سپرد کرتے ہیں اور ان پر ایمان لاکر یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بے شک تو نے ہمکو ہدایت دی ہے اور صحیح سمجھ عطا فرمائی ہے اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے دل کجی اور گمراہی کی طرف مڑ جائیں بلاشبہ دین پر قائم رکھنا تیرے ہی قبضۂ قدرت اور ہاتھ میں ہے جیسا کہ تیرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسانوں کے دل خدائے تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں جدھر چاہتا ہے پھرا دیتا ہے اے ہمارے رب ہمکو اپنے پاس سے رحمت خاصہ عطا فرما، علامہ عبدالحق دہلویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ رحمت کی چند قسمیں ہیں ۱۔ دل میں ایمان و توحید کا نور حاصل ہو ۲۔ اعضاء جسم پر اطاعت و خدمت کے انوار ظاہر ہوں ۳۔ دنیا میں رزق اور اسکے حاصل ہونے کے ذریعہ آسان ہوجائیں تندرستی اور امن نصیب ہو ۴۔ موت کی سختی اور موت کے بعد کے حالات سے چھٹکارہ ملے ۵۔ عالم سرور میں اس کا دیدار اور نعمائے بے شمار حاصل ہوں، لفظ رحمت ان سب کو شامل ہے

اور اے خدا یہ دعا ہم آپ سے اُس دن سے ڈر کر مانگتے ہیں جب آپ تمام انسانوں کو میدانِ محشر میں جمع فرمائیں گے اور ان کے کئے کا بدلہ دیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ

بالیقین جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرہ

اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ

برابر بھی اور ایسے لوگ جہنم کا سوختہ ہوں گے جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ

اور ان سے پہلے والے لوگوں کا کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دار و گیر فرمائی ان کے

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾

گناہوں کے سبب اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں

تفسیر ان آیتوں میں کافروں کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے مال یا اولاد پر گھمنڈ نہ کریں کہ اگر ہمیں خدا نے کوئی سزا دی بھی تو مال و اولاد ہمیں بچالیں گے۔ بس ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ کا ایندھن بنائیں گے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعون جیسے بادشاہ اور اسکے لشکر اور ماننے والوں کی مثال ذکر فرمائی کہ دیکھو ان کے پاس کس طرح مال و دولت اور شان و شوکت تھی مگر ہمارے عذاب اور سزا سے ان کو نہ بچا سکی، اللہ تعالیٰ تمام کافروں کے ساتھ یہی معاملہ فرماتے تھے چنانچہ فرعون سے پہلے جو کافر تھے ان سب کو بھی حق تعالیٰ نے سخت قسم کی سزا دی، اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینک دیا۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ

آپ ان کفر کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کر کے لیجائے جاؤ گے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ

اور وہ ہے برا ٹھکانا بے شک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں میں جو کہ باہم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے

تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ

تھے ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے تھے اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں

الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً

سے کئی حصہ ہیں کھلی آنکھوں دیکھنا اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنی امداد سے قوت دیدیتے ہیں، بلاشک اس میں بڑی عبرت ہے

لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ⑬

بینش والے لوگوں کو

تفسیر اس آیت پاک میں یہ ارشاد ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ یہی نہیں کہ آخرت ہی میں سزا دیں گے بلکہ دنیا میں بھی دیا کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ جلد ہی اے کافرو تم مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب کئے جاؤ گے اور پھر جنگ بدر میں کافروں کو باوجودیکہ وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے حق تعالیٰ نے مغلوب کرا دیا اور شکست دلائی۔

واقعہ جنگ بدر اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ جنگ بدر کا ہے جو ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ میں پیش آیا اس میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی وہ بھی نہتے صرف دو گھوڑے چھ زرہیں، آٹھ تلواریں تھیں اکثر صحابہ کرام پیدل تھے اسکے بالمقابل کافرین ہر طرح کے سازوسامان اور ہتھیار سے مسلح تھے اور تعداد میں بھی مسلمانوں سے تین گنا تھے یعنی ایک ہزار مگر اسکے باوجود حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور اس طرح ہر معمولی سی عقل رکھنے والے کے لئے بھی یہ بات ظاہر کردی کہ مذہب اسلام اللہ پاک کا پسندیدہ ہے اسلئے وہ اس مذہب اور اسکے ماننے والوں کی نصرت و مدد فرماتے ہیں، خدا کرے آج کے مسلمان بھی مذہب اسلام کے صحیح پیرو کار ہو جائیں۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ

خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی مثلاً عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ

سونے اور چاندی کے نمبر لگے ہوئے گھوڑے ہوئے مواشی ہوئے، زراعت ہوئی یہ سب استعمالی

وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ

چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے

الْمَاٰبِ ⑭ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ

آپ فرما دیجئے کیا میں تمکو ایسی چیز بتلا دوں جو بہتر ہو ان چیزوں سے ایسے لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں

رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ

ان کے مالک کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں کہ جن کے پائین میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور ایسی

مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں بندوں کو

فطرتِ انسانی

ارشاد ہے کہ انسان کو اچھی اور خوشنما معلوم ہوتی ہیں عورتیں۔ مرد کو جس قدر لذت وطمانیت عورت سے ملتی ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ عورت کی محبت مرد کو ہلاکت وتباہی تک پہونچا دیتی ہے۔ اولاد کو انسان اپنا نائب اور قائم مقام بناتا ہے اور ترقی میں اس کو اپنے سے آگے بڑھانا چاہتا ہے، اور ہر طرح سے ہر وقت اس کی نصرت ومدد کرنے کے لئے تیار رہتا ہے مال چاہے وہ روپے پیسے، چاندی سونا، جانور وباغات وغیرہ کسی بھی شکل میں ہو حاصل یہ ہے کہ انسان کو یہ تینوں چیزیں بڑی پیاری معلوم ہوتی ہیں اور انسان ان پر بڑا فخر وغرور کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں تو دنیاوی فائدہ اور استعمال کی ہیں جن سے دنیا میں زینت وفریفتگی آتی ہے یاد رکھو یہ تمام چیزیں فنا ہونے والی ہیں اور انجام کار خوبی کی چیزیں تو حق تعالیٰ کے پاس ہی ہیں جو مرنے کے بعد میسر آئیں گی چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ لوگوں کو بتلا دیجئے پرہیزگار مومنوں کے لئے جنت ہے جس میں باغات ہیں جس میں طرح طرح کے پھل اور رنگ برنگ کے پھول ہیں اور پوری جگہ معطر ہے اور ان باغوں میں نہریں بہتی ہیں اور خوش آواز پرندے ہیں اور عجیب نوع کے مکانات ہیں ان میں عورتیں (حوریں) ہیں جو ہر طرح کی برائی سے پاک وصاف، حسن، صورت وسیرت میں بے مثال ہیں اور ان میں سب سے بڑھ کر یہ باری تعالیٰ کی خوشنودگی ورضا حاصل ہوگی۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا

ایسے لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

عذاب دوزخ سے بچا لیجئے صبر کرنے والے ہیں اور راست باز ہیں اور فروتنی کرنیوالے ہیں اور خرچ کرنے

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

والے ہیں اور اخیر شب میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں

صفاتِ متقی

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان ہوا کہ ہم جنت اور اس کی نعمتیں متقی اور پرہیزگار مومنوں کو عطا کریں گے اب اس آیت میں متقی کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ متقی وہ

ہے جس میں چھ صفتیں پائی جائیں

۱ وہ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تجھ پر تو ہمارے گناہ بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے ۲ صبر کرنے والے ہیں ۳ سچ بولنے والے ہیں ۴ خدا کے سامنے عاجزی وبندگی کرنے والے ہیں ۵ راہ مولیٰ میں مال خرچ کرنے والے ہیں ۶ رات کے آخر وقت میں یعنی تہجد میں اٹھکر توبہ و استغفار کرتے ہیں۔

جن لوگوں میں یہ صفات ہوتی ہیں وہ بلاشبہ خدائے تعالیٰ کے مقبول بندے ہوتے ہیں اور جنت کے مستحق ہوتے ہیں

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا

گواہی دی ہے اللہ نے اس کی کہ بجز اسکے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں ہے اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم

بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کیساتھ انتظام رکھنے والے ہیں ان کے سوا کوئی معبود ہونیکے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

مذہب اسلام کے حق ہونے کی شہادت ان آیات میں مذہب اسلام کے حق ہونے کی شہادت کا ذکر ہے کہ زمین وآسمان اور تمام مخلوق کے خالق ومالک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور ذی بصیرت علماء سب ہی مذہب اسلام کے حق اور سچ ہونے کی شہادت وگواہی دیتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے قرآن مقدس سے پہلی آسمانی کتابوں میں مذہب اسلام کے حق ہونے کی شہادت دی اور فرشتوں نے اپنے ذکر وتسبیحات میں شہادت دی کیونکہ ان کے ذکر توحید سے بھرے ہوئے ہیں، اور اہل علم حضرات نے اپنی تقریروں اور تصنیفوں میں خدائے وحدہ لاشریک لہ کے معبود برحق ہونے کی گواہی دی اسکے بعد ارشاد ہے کہ یہ تمہارا معبود ایسا نہیں جو صرف اپنی تعظیم اور بندگی ہی کراتا ہو بلکہ سب کے کام بھی بناتا ہے اور یاد رکھو وہ ذات پاک بڑی زبردست حکمت وقدرت والی ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا تو ایسی حالت کے بعد

الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ

کہ ان کو دلیل پہونچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے اور جو شخص

يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا حساب لینے والے ہیں

تفسیر اس آیت پاک میں حق تعالیٰ شانہ نے صریح طور پر اپنی زبان سے فرمادیا کہ میرے نزدیک حق مذہب اسلام ہے۔

ایک سوال کا جواب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مذہب اسلام حق تعالیٰ کے نزدیک بھی حق ہے تو اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے اس کی مخالفت کیوں کی اور اس کو باطل مذہب کیوں قرار دیا؟ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اہل کتاب کو اسلام کے حق ہونے کا ثبوت خود ان کی کتابوں (توریت و انجیل) سے مل چکا تھا مگر اسکے باوجود انھوں نے اس کو باطل صرف دنیوی لالچ کی وجہ سے کہا کیونکہ اگر یہ مذہب اسلام کو حق مان لیتے تو ان کی سرداری ختم ہو جاتی۔ ایسے لوگوں کو اللہ پاک نے اس آیت میں دھمکی دی ہے کہ یاد رکھو اسلام اور نبوت محمدیہ آجانے کے بعد سابقہ تمام دین منسوخ العمل ہو چکے اب اگر کوئی ہمارے مقدس قرآن کی آیتوں کا انکار کرے گا تو ہم اس سے بہت جلد حساب و کتاب لیں گے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے حساب کا انجام عذاب جہنم ہوگا۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجتیں نکالیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو اپنا رخ خاص اللہ تعالیٰ کیطرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

وہ بھی اور کہئے اہل کتاب سے اور عرب سے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ سو اگر وہ لوگ اسلام لے آویں تو وہ لوگ

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

بھی راہ پر آجاوینگے اور اگر وہ لوگ روگردانی رکھیں سو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ خود دیکھ لیں گے بندوں کو

تفسیر ارشاد خداوندی ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر مذہب اسلام کو نہ ماننے والے لوگ ہماری وحدانیت کے بارے میں آپ سے بلا وجہ کی دلیل و حجت اور جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف خدائے پاک کی بندگی کرتا ہوں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور میرے ماننے والوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے پیغمبر ان اہل کتاب سے جو پڑھے لکھے ہیں اور مشرکین عرب سے جو اَن پڑھ ہیں آپ کہئے کہ تم سب کی ہدایت و بھلائی مذہب اسلام

ہی میں ہے اگر یہ آپ کی بات پر لبیک نہ کہیں تو آپ غمگین نہ ہوں آپ تو اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کر چکے اس سے آگے کی ذمہ داری آپ پر نہیں حق تعالیٰ خود ان سے نمٹ لیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ

بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ

اور قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے ایک

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي

سزائے دردناک کی یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سب اعمال غارت ہو گئے

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

دنیا میں اور آخرت میں اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا

تفسیر ان آیات میں یہودیوں کی گندی حرکتوں کا ذکر ہے کہ انھوں نے آسمانی کتاب انجیل و قرآن کریم کا انکار کیا ہی نہیں بلکہ ہمارے مقدس پیغمبروں کو قتل کیا جن کو یہ خود اپنے خیال میں ناحق قتل کرنا سمجھتے تھے اور اسی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کو بھی قتل کر ڈالا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب ان کی سابق نیکیاں بھی ان کے کام نہ آدیں گی ہم ان کو دردناک عذاب دینگے اور اس عذاب سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار بھی نہیں ملے گا

اس آیت کی تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ یہودیوں نے تینتالیس نبیوں کو صبح کے وقت قتل کر ڈالا، اس پر قوم کے نیک لوگ کھڑے ہوئے اور انھوں نے ان کو ملامت کی تو انھوں نے اسی وقت ان میں سے بھی ایک سو ستر سے بھی زیادہ لوگوں کو قتل کر ڈالا

شانِ نزول حضرت ابو عبیدہ رضہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا؟ فرمایا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہوگا یا ایسے شخص کو جس نے بھلائی پھیلانے والے اور برائی سے روکنے والے کو قتل کیا ہوگا اور پھر آپ نے اس آیت اَلَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ کی تلاوت فرمائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ

کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے

اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے پھر ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّ

یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی اور ان کو

غَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ

دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کی تراشی ہوئی باتوں نے سو ان کا کیا حال ہوگا جب کہ ہم ان کو اس تاریخ

لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

میں جمع کریں گے جس میں ذرا شبہ نہیں۔ اور پورا پورا بدلہ مل جائیگا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا تھا اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جائیگا

شانِ نزول

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ بیت المدارس میں یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلامی دعوت پیش کی تو ان میں کے بعض علماء نے سوال کیا حضور آپ کا کونسا دین ہے آپ نے فرمایا ملتِ ابراہیم میرا دین ہے اس پر انھوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم تو یہودی تھے حضورؐ نے فرمایا نہیں انھوں نے اس پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا ایسی ہی بات ہے تو توریت اس کا فیصلہ کر دے گی تم توریت لاؤ جب توریت کا فیصلہ بتایا گیا تو اس میں ہیرا پھیری سے کام لینا شروع کر دیا اور توریت نہیں لائے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یہود توریت سے بھی بے رخی کرتے ہیں

جس میں ارشاد ہے کہ یہ یہودی قرآن مقدس کو تو کیا مانینگے جس کتاب پر عمل کے یہ دعوے دار ہیں یعنی توریت یہ اس سے بھی بے رخی کرتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر سب لوگوں کے دلوں میں یہ بات جما رکھی ہے کہ اگر خدا نے ہم سے مواخذہ کیا تو ہمیں صرف چند روز عذاب ہوگا اس سے زیادہ نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو اس دن جس کے آنے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں یعنی قیامت کے روز انھیں اپنے ایک ایک گناہ کا بدلہ مل جائیگا اور ہم اس دن پورا پورا بدلہ دیں گے یعنی نہ اس کے گناہوں سے کم سزا دیں گے اور نہ ہی گناہوں سے زیادہ سزا دیں گے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ

آپ یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جسکو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے

مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ

ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کردیتے ہیں اور جسکو آپ چاہیں پست کردیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ

سب بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں آپ رات کو دن میں داخل کردیتے ہیں اور دن کو رات میں داخل

فِى الَّيْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِّ ؗ وَ

کردیتے ہیں اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں اور

تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

آپ جسکو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں

شانِ نزول اس آیت کا سبب نزول حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے یہ مروی ہے کہ جس وقت آنحضور نے ملک روم و فارس کے فتح ہونے کی بشارت و خوش خبری دی تو منافقوں اور یہودیوں نے اس کو ناممکن سمجھ کر مذاق اڑایا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

حکومت کا لینا اور دینا خدا کے قبضہ میں ہے اس میں ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہئے کہ رب دوجہاں پوری دنیا کا مالک ہے وہ جس کو چاہتا ہے ملک اور حکومت عطا فرما دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے حکومت دیکر عزت عطا فرما دیتا ہے اور حکومت چھین کر جس کی چاہتا ہے عزت ختم کردیتا ہے بے شک ہر طرح کی بھلائی اور قدرت خدا کے اختیار میں ہے ۔

قدرت خداوندی کا ثبوت تُوْلِجُ الَّيْلَ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ثبوت پیش کیا ہے کہ ہم رات کے حصہ کو دن میں داخل کرکے دن کو بڑا کردیتے ہیں اور دن کے حصہ کو رات میں داخل کرکے رات کو بڑی کردیتے ہیں، ہم زندہ سے مردہ چیز نکال دیتے ہیں جیسے مرغی سے انڈا ۔ اور مردہ سے زندہ کو نکال دیتے ہیں جیسے انڈے سے مرغی کا بچہ اور ہم جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرما دیتے ہیں ایک شخص رات دن محنت کرتا ہے اور پھر بھی پیٹ بھر روٹی سے محروم رہتا ہے اور ایک شخص معمولی ذریعہ اختیار کرتا ہے اور نوٹوں سے کوٹھیاں بھر لیتا ہے ۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ سب قبضہ قدرت خداوندی میں ہے کہ جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کردیتا ہے ۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ
مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفار کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں سے تجاوز کرکے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ
اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں

تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸
کہ تم ان سے کسی قسم کا اندیشہ رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

تفسیر اس سے پہلی آیات میں کفار کی مذمت و برائی بیان کی گئی تھی اب اس آیت پاک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفار سے ان کی ظاہری شان و شوکت دیکھتے ہوئے ان سے دوستی و الفت مت کرو، ہاں اگر کچھ جان و مال کا خوف ہو تو ظاہرداری رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد اللہ پاک نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ یاد رکھو تم میں سے جو بھی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو اسکا میرے سے کوئی تعلق نہیں ہے اسکا میرے دوستوں میں ہرگز شمار نہیں ہوگا اور یہ بھی یاد رکھے کہ اسے آخرکار لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے اس وقت میں اس کی غلط کاریوں کی سزا دوں گا۔

کفار سے دوستی کی ممانعت اس بنیاد پر ہے کہ ایک دوست کا اثر دوسرے دوست پر ضرور آتا ہے اسکے رہن سہن گفت و شنید اور دیگر تمام ہی اخلاق و کردار میں تبدیلی آجاتی ہے اور اسی کے ساتھ مذہبی خیالات پر زبردست اثر پڑتا ہے اسکا کھلا ثبوت ہندوستان کا ماحول ہمارے سامنے ہے کہ ہماری نئی نسل کفار کے رنگ میں کیسی رنگی جارہی ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ جس شخص کے اندرونی حالات و اخلاق تم جاننا چاہو تو اسکے دوست کو دیکھ لو کیونکہ اخلاق کردار اور مزاج کے لحاظ سے ایک دوست دوسرے دوست کی تصویر ہوتا ہے

دوستی کفار کی تفصیل کافروں سے دوستی کے متعلق حضرات علماء کرامؒ نے قرآن و حدیث سے اخذ کرکے جو تفصیل لکھی ہے وہ یہ کہ کفار سے دوستی کے تین درجے ہیں

۱ موالات یعنی دلی رجحان اور دوستی ان کے کفر ہی کی وجہ سے کی جائے یہ قطعاً حرام ہے کسی بھی صورت میں اس کی اجازت نہیں ہے ۲ مدارات یعنی صرف ظاہری خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے کفار سے ملا جائے اس کی تین صورتوں میں اجازت ہے ۱ کسی نقصان یا پریشانی سے بچنے کے لئے ۲ اس امید پر کہ ہمارے تعلقات سے یہ ہدایت پر آجائیگا اور مشرف باسلام ہوجائیگا پیغمبر علیہ السلام اسی مصلحت کے پیش نظر کفار سے اچھا برتاؤ فرماتے اور خوش اخلاقی سے ملتے تھے ۳ مہمان نوازی

کی خاطر یعنی اگر کوئی کافر مہمان کی حیثیت سے آئے تو اسکے ساتھ عزت و تواضع سے پیش آیا جائے چنانچہ حضور علیہ السلام نے بنو ثقیف کافر کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا تھا، ان کے علاوہ کسی مال و دولت یا عزت وجاہ کے لالچ میں ان سے دوستی رکھنے کی اجازت نہیں ہے ۳ مُوَاسَات یعنی ہمدردی اور غمخواری کرنا کافر غیر حربی کے ساتھ جائز ہے البتہ کافر حربی سے کرنا جائز نہیں۔

شان نزول منافقوں کا سردار عبداللہ ابن سلول اور اسکے تین سو ساتھی ظاہر میں مسلمان تھے اور در پردہ کافروں سے تعلقات اور ساز باز رکھتے تھے ان کے اس طریقہ کو بُرا سمجھتے ہوئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مومنوں کو اس طرح کے لوگوں سے تعلقات کرنے سے منع فرمادیا گیا ہے

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ

آپ فرمادیجئے کہ اگر تم پوشیدہ رکھوگے اپنا مافی الضمیر یا اسکو ظاہر کروگے اللہ تعالیٰ اسکو جانتے ہیں اور وہ

مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

توسب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ

جس روز کہ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائیگا اور اپنے برے کئے ہوئے کاموں کو بھی

سُوءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ

اس بات کی تمنا کریگا کہ کیا خوب ہوتا کہ اس شخص کے اور اس روز کے درمیان میں دور دراز کی مسافت ہوتی اور

نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع

خدا تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر

تفسیر اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ڈھکی چھپی اور ظاہرہ باتوں کو بخوبی جانتے ہیں جس بات کو انسان اپنے دل میں چھپا کر رکھتا ہے اس کو بھی جانتے ہیں اور جو وہ اپنی زبان سے ظاہر کرتا ہے اس کا بھی علم رکھتے ہیں غرضیکہ آسمان و زمین کی کوئی بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں وہ بڑی قدرت والا ہے تمام چیزیں اسکے احاطہ قدرت میں ہیں

یَوْمَ تَجِدُ الخ اس آیت میں ذکر ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں پوری عمر کے اچھے برے تمام کام سامنے رکھ دیئے جائیں گے اس وقت انسان اپنی اچھائیوں کو دیکھ کر خوش ہوگا اور

برائیوں کو دیکھ کر غمگین ہوگا اور افسوس کرے گا اور تمنا کرے گا، کاش میں برائیوں سے کوسوں دور ہوتا اے انسان خدا تعالیٰ اسی لئے تمھیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تا کہ تم برائیوں کے قریب نہ جاؤ، اور یاد رکھو اس ڈرانے میں تم پر خدا کی بڑی مہربانی ہے کہ وہ دنیا ہی میں تمھاری آنکھ کھولنا چاہتا ہے تا کہ کل قیامت کے دن پچھتانا نہ پڑے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور

ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۳۱ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

تمھارے سب گناہوں کو معاف کر دینگے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانیوالے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تم اطاعت

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۳۲

کیا کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں سو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے

اتباع رسول

اس سے پہلے توحید کا بیان ہوا اب اس آیت میں رسالت اور اتباع رسول کا بیان ہے ارشاد ہے اے لوگو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے تو تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو اور آپ کا اتباع یہ ہے کہ آپ کی تعلیمات پر عمل کرو آپ کے نقش قدم پر چلنے سے خدائے تعالیٰ تمھارے گناہ بھی معاف فرما دیں گے واقعی خدا تعالیٰ بہت بخشش کرنے والے ہیں، مزید وضاحت کے لئے ارشاد ہے کہ اللہ کی اور اسکے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور جو شخص اللہ اور رسول کی فرمانبرداری نہیں کرے گا کہ خدا کو معبود تسلیم نہ کرے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تسلیم نہ کرے تو ایسے لوگ کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں سے ذرا سی بھی محبت نہیں رکھتا جس کا نتیجہ مرنے کے بعد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو سخت قسم کے عذابات میں مبتلا کر دیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی

بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو - - اور عمران کی اولاد کو - -

الْعٰلَمِیْنَ ۳۳ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۳۴

تمام جہان پر یعنے ان میں بعضوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں

تفسیر اس سے پہلی آیت میں اللہ کی محبت کا ذکر تھا اب اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کا بیان ہے ارشاد ہے کہ بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ نے نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمالیا ہے حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے، بعضوں کو جیسے حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء اور ہمارے پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں اور حضرات عمران کی اولاد میں سے بعضوں کو اگر یہ عمران حضرت موسیٰ وہارون کے والد ہیں تو اولاد سے مراد یہی دونوں نبی مراد ہیں اور اگر یہ عمران حضرت مریمؑ کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں اور پھر یہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت بعض بعض کی اولاد ہیں جیسے تمام حضرت آدم کی اولاد ہیں اور اسی طرح حضرت نوحؑ کی اولاد ہیں وغیرہ

مقصد آیت زمانہ جاہلیت میں جو لوگ نبوت و رسالت کو عقل کے خلاف سمجھتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے ان کی چشم نابینا کو بینا کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس آیت میں چند مشہور و معروف اور منتخب و برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کا اجمالی ذکر فرمایا۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي

جب کہ عمران کی بی بی نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم

مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا

میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاویگا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے بیشک آپ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں

وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

پھر جب لڑکی جنی کہنے لگیں اے میرے پروردگار میں نے وہ حمل لڑکی جنی حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس کو جو

وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

انھوں نے جنی اور لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس

وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

کو اور اس کی اولاد کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے

تفسیر پچھلی آیتوں میں خدا کی محبت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر ہوا اور اس کے بعد خدا سے محبت رکھنے والے چند حضرات انبیاء علیہم السلام کا اجمالی ذکر فرمایا

اور اب آگے کی آیات میں خدا سے محبت رکھنے والوں کا قدرے تفصیل ذکر ہے پہلے آل عمران کا عبرت آموز واقعہ بیان ہوا اسکے بعد حضرت مریم اور ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ ؑ کا حیرت انگیز واقعہ مذکور ہے پھر حضرت زکریا و یحییٰ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ۔

واقعہ والدہ مریم ؑ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام حسنہ بنت ناقود تھا یہ حضرت عمران کی بیوی تھیں، محمد بن اسحاق رحہ سے منقول ہے کہ حسنہ کو اولاد نہیں ہوتی تھی انھوں نے ایک دن دیکھا کہ چڑیا اپنے بچے کو کھلا رہی ہے تو انھیں بھی اولاد کا شوق اور ولولہ پیدا ہوا اسی وقت حق تعالیٰ کے دربار میں دعا کی اللہ پاک نے ان کی دعا قبول کی اور اسی رات ان کو حمل ٹھہر گیا، جب ان کو حمل کا یقین ہو گیا تو انھوں نے اپنے پروردگار سے نذر مانی کہ جو بچہ مجھے ہوگا میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی، اس وقت کی شریعت میں اس طرح کی نذر ماننا جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں اس طرح کی غیر اختیاری چیزوں کی نذر ماننا جائز نہیں ۔

اپنی اس نذر کے ساتھ ہی حضرت حسنہ (والدہ مریم) نے دعا کی اے خدا تو میری اس نذر ومنت کو قبول فرمالے بلاشبہ آپ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں میری نیت اخلاص سے بھرپور ہے اس کو بھی آپ خوب اچھی طرح جانتے ہیں

بہرحال اس کے بعد ولادت کا وقت آیا اور ان کو لڑکی پیدا ہوئی تو حسرت وافسوس میں کہنے لگیں، اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے یعنی بیت المقدس کی خدمت تو لڑکا کر سکتا ہے لڑکی نہیں۔ اب میری نذر پوری نہ ہو سکے گی میں مجبور ہوں اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں اس لڑکی کی شان کو جس کو انھوں نے جنم دیا ہے کہ وہ کسی بھی طرح اس لڑکے سے کم نہیں جس کی انھوں نے دعا کی تھی اور لڑکا اس لڑکی کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا ہے یہ لڑکی ہی اس سے زیادہ افضل ہے اس کے بعد حضرت حسنہ کہنے لگیں کہ میں اس بچی کا نام مریم رکھتی ہوں یعنی عبادت کرنے والی، جس کا منشاء یہ تھا کہ یہ بیت المقدس کی خدمت تو کر نہیں سکتی، پس میں اس کو آپ کی عبادت و بندگی کے لئے وقف کرتی ہوں اور میں اس بچی اور اس کی اولاد کو اگر کبھی ہو آپ کی پناہ اور حفاظت میں دیتی ہوں شیطان لعین سے ۔ اللہ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی چنانچہ بخاری ومسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو چھیڑتا ہے جس سے بچہ چلاتا ہے لیکن حضرت مریم ؑ اور ان کے لڑکے حضرت عیسیٰ ؑ اس سے محفوظ رہے ۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا

پس ان کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا اور زکریا کو

زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا

ان کا سرپرست بنایا۔ جب کبھی زکریا ان کے پاس عبادت خانہ میں تشریف لاتے تو ان کے پاس

رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

تعالیٰ کے پاس سے آئیں بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت حنہ کی نذر قبول کرنے کا اور پھر حضرت مریم کو مجاورین بیت المقدس کے سپرد کرنے کا قصہ بیان فرماتا ہے

قصہ حضرت مریمؑ

ارشاد ہے کہ ان کی والدہ اپنی بیٹی مریم کو لے کر مسجد بیت المقدس میں پہنچیں اور وہاں کے مجاوروں اور عابدوں سے جا کر کہا کہ میں نے اس لڑکی کو خاص خدا کے لئے مانا ہے اس لئے میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی، لہٰذا اس کو لائی ہوں، آپ لوگ اس کو رکھئے حضرت مریم کے والد مرحوم حضرت عمران مسجد بیت المقدس کے امام تھے اسلئے تمام مجاوروں کی یہ تمنا و خواہش تھی کہ میں اس کی پرورش کروں انھیں مجاوروں میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، انھوں نے کہا کہ میں اس کی پرورش کروں گا کیونکہ میں اس کا خالو ہوں۔ لیکن دوسرے مجاورین اس پر راضی نہ ہوئے کہ اس معاملہ میں رشتہ داری کا کوئی دخل نہیں۔ بہرحال پھر یہ طے ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے اور قرعہ اندازی کی صورت بھی بڑی ہی عجیب وغریب تھی جس کا ذکر اسی پارہ میں چند آیتوں کے بعد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب نے اپنے قلم ایک نہر میں ڈالدیئے اور طے یہ ہوا کہ جس کا قلم الٹا بہے گا یعنی پانی کی رَو کے خلاف بہے گا اس کو حضرت مریم کا پرورش کنندہ اور سرپرست قرار دیا جائے گا قرعہ اندازی میں یہ شرف سرپرستی حضرت زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ انھوں نے حضرت مریم کے لئے بیت المقدس کے ایک عمدہ قسم کے حجرہ کو ان کے لئے خالی کیا اور وہ ان کی رہائش گاہ بنا دی گئی ان کو دودھ پلانے کے متعلق دو قسم کی روایات ہیں ایک یہ منقول ہے کہ حضرت زکریا نے حضرت مریم کیلئے ایک دائی مقرر کی جو ان کو دودھ پلاتی تھی۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو دودھ کی حاجت ہی نہیں ہوتی تھی یہ خود ہی اٹھ بیٹھ جاتی تھیں، الغرض حضرت زکریا علیہ السلام بڑی حسن تربیت سے ان کی سرپرستی فرماتے رہے اور جب ان کو حجرہ میں اکیلا چھوڑ کر جاتے تو باہر تالا لگا جاتے اور جب واپس آکر

تالا کھولتے تو حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل دیکھتے کہ موسم گرما کے پھل سردیوں میں وہ ان کے پاس دیکھتے یہ ماجری دیکھ کر وہ حیران رہ گئے اور حضرت مریم سے پوچھا بیٹی یہ پھل کہاں سے آئے ہیں انھوں نے جواب دیا میرا رب میرے پاس بھیجتا ہے اور میرا رب ایسا ہے جسکو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُۥ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِى مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً

اس موقع پر دعا کی زکریاؑ نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھکو خاص اپنے پاس سے

طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ ٱلدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَهُوَ

کوئی اچھی - اولاد بیشک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے اور وہ

قَآئِمٌ يُصَلِّى فِى ٱلْمِحْرَابِ أَنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًۢا

کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں. کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰؑ کی جن کے احوال

بِكَلِمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٣٩﴾

یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنیوالے ہوں گے اور مقتدا ہونگے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی بھی ہونگے

قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِى غُلَٰمٌ وَقَدْ بَلَغَنِىَ ٱلْكِبَرُ وَٱمْرَأَتِى عَاقِرٌ ۖ

اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھکو بڑھاپا آپہنچا اور

قَالَ كَذَٰلِكَ ٱللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ ٱجْعَل لِّىٓ ءَايَةً ۖ

میری بی بی بھی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں لڑکا ہو جاویگا کیونکہ اللہ تعو جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں

قَالَ ءَايَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ ٱلنَّاسَ ثَلَٰثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَٱذْكُر

انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے اللہ تعو نے فرمایا کہ تمھاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک

رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِٱلْعَشِىِّ وَٱلْإِبْكَٰرِ ﴿٤١﴾ ع

باتیں نہ کرسکوگے بجز اشارہ کے اور اپنے رب کو بکثرت یاد کیجیو اور تسبیح کیجیو دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی

قصہ حضرت زکریاؑ و یحییٰؑ

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو ان کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ میں بھی خدا سے بے موسم اولاد مانگوں،

اس وقت حضرت زکریا اور ان کی بیوی دونوں بوڑھے ہوچکے تھے، مزید یہ کہ بیوی بانجھ بھی تھی، چنانچہ اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں کہ مجھے نیک اور صالح اولاد عطا فرما، بلاشبہ آپ دعاؤں کے سننے والے ہیں، حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور فرشتوں کے ذریعہ ان کو خوشخبری بھجوادی چنانچہ جس وقت آپ محراب یعنی بیت المقدس یا حجرہ حضرت مریمؑ میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آکر انھیں بشارت وخوشخبری دی کہ حق تعالیٰ تمکو ایک لڑکا عنایت فرمائیں گے اس کا نام یحییٰ ہوگا اور تمہارے اس بچہ میں یہ خصوصیات ہونگی ؎۱ وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا، حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اسلئے کہا گیا کہ وہ بغیر باپ کے اللہ کے کلمہ کن فرمانے سے پیدا ہوگئے تھے، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ دونوں ایک ایک ہی زمانہ میں تھے اور حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے عمر میں کچھ بڑے تھے[علہ] حضرت ربیع بن انس سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو سب سے پہلے حضرت یحییٰؑ نے تسلیم کیا تھا، حضرت قتادہ رحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بالکل حضرت عیسیٰؑ کی روش اور طریقہ پر قائم تھے ؎۲ وہ دین کے مقتدا اور پیشوا ہوں گے ؎۳ اپنے نفس کو تمام خواہشات اور لذتوں سے بہت روکنے والے ہوں گے یہاں تک کہ اچھا کھانا اچھا پینا اور نکاح بھی نہیں کریں گے، نکاح کے متعلق کسی کے دل میں یہ سوال پیدا نہ ہو - کہ نکاح کرنا تو سنت ہے کیونکہ جس آدمی پر آخرت کا ڈر اور فکر اس قدر غالب ہو کہ اہل وعیال کے حقوق کی ادائے گی کی طرف دھیان بھی نہ جائے تو اس کے لئے نکاح نہ کرنا ہی افضل و بہتر ہے اور حضرت یحییٰ کی یہی حالت وکیفیت تھی ؎۴ وہ نبی بھی ہوں گے ؎۵ اور وہ اعلیٰ درجہ کے شائستہ و پاکیزہ ہوں گے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یحییٰؑ سے نہ کبھی کوئی خطا ہوئی اور نہ انھوں نے کبھی کسی غلطی وخطا کا ارادہ کیا، حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ تمام مخلوق میں صرف حضرت یحییٰؑ خدائے پاک سے بے گناہ ملاقات کریں گے

حضرت زکریا علیہ السلام کو جب لڑکا پیدا ہونے کا یقین ہوگیا تو حق تعالیٰ سے یہ دریافت کیا اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح پیدا ہوگا میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے غرض معلوم کرنے کی یہ تھی کہ اسی حالت میں ہم کو بچہ ہوجائیگا یا ہم کو جوان کیا جائے گا.

یاد رہے کہ حضرت زکریاؑ کو اس کا پورا پورا یقین تھا کہ میرا رب مجھے بوڑھاپے کی حالت میں بھی بچہ دے سکتا ہے اور اسکو یہ قدرت بھی ہے کہ ہم کو جوان بنادے اس لئے یہ درخواست کی تھی، حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ ہم یوں ہی تمکو اسی بڑھاپے کی حالت میں بچہ دیں گے اس کے بعد حضرت زکریاؑ نے اپنے رب سے ایک سوال اور کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی علامت اور نشانی مقرر فرمادیجئے،

[علہ] حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے - محمد یعقوب قاسمی غفرلہ ولوالدیہ

جس سے میں یہ سمجھ لوں کہ اب حمل قرار پا گیا ہے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ نشانی یہ ہے کہ تم تین دن کسی سے بات نہ کر سکو گے جو کچھ کہنا ہو گا وہ صرف اشارہ سے سمجھا سکو گے اور ان تین دنوں میں ہمارا ذکر و تسبیح صبح و شام خوب کرنا۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَٰكِ وَطَهَّرَكِ

اور جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے

وَاصْطَفَٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ الْعَٰلَمِينَ ﴿۴۲﴾ يَٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَ

اور تمام جہان بھر کی بیبیوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے — اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی

اسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴿۴۳﴾

اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں

فضیلت حضرت مریمؑ

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت ذکر فرمائی ہے اور اس کی بشارت و خوشخبری حضرت مریم کو فرشتوں کے ذریعہ دی چنانچہ فرشتوں نے آ کر عرض کیا اے مریم آپ کو خدائے پاک نے منتخب و مقبول بنا لیا ہے اور تمام نا پسندیدہ اعمال و اخلاق سے پاک بنایا ہے اور آپ کو آپ کے دور کی تمام عورتوں پر ہر قسم کی افضلیت بخشی ہے، فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام بھی ان کو دیا کہ اب تم رب دو جہاں کی عبادت میں لگی رہو، خوب سجدے کرتی رہو اور اپنی نماز میں رکوع بھی کرو، بعض علماء مفسرین اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھتے ہیں کہ قوم یہود کے بعض لوگ نماز بغیر رکوع کے پڑھتے تھے اسلئے حضرت مریم کو تاکیداً فرمایا گیا کہ تم ان کے طریقہ پر مت چلنا بلکہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رہنا اور پابندی سے نماز میں رکوع کرتے رہنا۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ

یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں ہم ان کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس — اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود

إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ

تھے جبکہ وہ اپنے اپنے قلموں کو ڈالتے تھے کہ ان سب میں کون شخص حضرت مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت

إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۴﴾

موجود تھے جب کہ باہم اختلاف کر رہے تھے

تفسیر ابھی جو واقعات حضرت مریمؑ اور ان کی والدہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کے بیان ہوئے ہیں ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب ایسی غیبی خبریں ہیں جو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہ توکسی سے سنی، نہ اپنی آنکھ سے دیکھی اور نہ ہی کسی کتاب میں پڑھی بلکہ ہم نے وحی کے ذریعہ ان پر نازل فرمائی ہیں اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جب وہ حضرت مریمؑ کی پرورش کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے اور نہ ہی اس وقت تھے جب انھوں نے قرعہ ڈال کر اس کا فیصلہ کیا تھا

قرعہ بازی کا حکم ہماری شریعت میں احناف کے نزدیک قرعہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جو چیز شریعت کیطرف سے فیصلہ شدہ ہے اس میں قرعہ ڈالنا جائز نہیں مثلاً باپ ایک جائداد اور دو بیٹے چھوڑ کر مرتا ہے تو اس کا فیصلہ شریعت نے کر دیا ہے کہ دونوں کا آدھا آدھا ہے اب اس میں قرعہ بازی اگر دونوں بھائی کریں کہ جس کے نام کی پرچی نکلے گی تمام جائداد کا مالک وہی ہوگا تو یہ ناجائز ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو قمار اور جوا کا ہے یعنی حرام ہے اور جو چیزیں شریعت سے فیصلہ شدہ نہیں بلکہ ان کا انحصار رائے پر ہے جیسے دو بھائیوں کا ایک مکان جس کے دونوں حصوں کی حیثیت برابر ہے اور دونوں یہ چاہتے ہیں کہ ہم مغربی جانب کا حصہ لیں تو اس وقت قرعہ ڈال کر فیصلہ کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ

جب کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تمکو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَ

اسکا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا باآبرو ہوں گے دنیا میں اور آخرت میں اور منجملہ مقربین کے ہوں گے

الْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا

اور آدمیوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں بھی اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے

وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ

بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھکو کسی

يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰى

بشر نے ہاتھ نہیں لگایا اللہ نے فرمایا ویسے ہی ہوگا اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں جب کسی چیز کو

أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾

پورا کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ چیز ہو جاتی ہے

حضرت مریم کو بشارت اس سے پہلے حضرت مریمؑ کی فضیلت بیان کی گئی تھی اور اب اس آیت میں ان کو فرشتوں کے ذریعہ ایک بچہ کی بشارت و خوشخبری دی جارہی ہے جس کو کلمہ سے تعبیر فرمایا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلا باپ کے اللہ کے کلمۂ کن سے پیدا ہوا تھا۔ فرمایا کہ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا اور اس میں چند خصوصیات و صفات ہوں گی۔

۱ دنیا و آخرت میں عزت و آبرو والا ہوگا، دنیا میں نبوت ملنے کی وجہ سے اور آخرت میں اپنی امت کے حق میں شفاعت قبول ہونے کی وجہ سے ۲ مقربین میں سے ہوگا ۳ صاحب معجزہ بھی ہوگا کہ بچپن میں گہوارے میں بات کرے گا اور پھر بڑا ہو کر بھی اسی طرح بات کرے گا ۴ شائستہ اور صالح لوگوں میں سے ہونگے بچپن میں ان کا بات کرنا سورۂ مریم کی آیت اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ الآیۃ میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی اپنی والدہ کی گود ہی میں بول لیں گے اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب انجیل دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے

حضرت مریمؑ کو تعجب فرشتوں کی یہ تمام باتیں سن کر حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ آخر مجھے بچہ کس طرح ہوگا جبکہ میں بغیر شادی شدہ ہوں اور نہ ہی نکاح کرنے کا میرا ارادہ ہے اور نہ ہی میں فاحشہ اور بدکار ہوں، فرشتوں نے جواب دیا کہ بس یوں ہی ہو جائے گا، تمہارے پروردگار کی ایسی قدرت ہے کہ جب وہ کسی چیز کو وجود بخشنا چاہتے ہیں تو کُن (یعنی ہوجا) فرما دیتے ہیں پس وہ ہو جاتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا

اور اللہ تعالیٰ ان کو تعلیم فرمائیں گے کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور ان کو

إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي

بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے کہ میں تم لوگوں کے پاس کافی دلیل لے کر آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے

أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا

وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کیلئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے پھر اسکے اندر پھونک مار دیتا ہوں

بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ

جس سے وہ پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مُردوں

اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ

کو خدا کے حکم سے اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا آتے ہو اور جو رکھ آتے ہو بلاشبہ

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

ان میں کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی تورات کی اور اسلئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعض ایسی چیزیں حلال کر دوں

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس دلیل لے کر آیا ہوں تمہارے رب کے پاس سے تم لوگ اللہ تم سے ڈرو اور میرا کہنا مانو

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بیشک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں سو تم اسکی عبادت کرو. بس یہ ہے راہ راست

نبوت عیسیٰؑ اور اسکے دلائل

ان آیات میں حضرت مریمؑ کو مخاطب کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعض فضیلت دوبارہ بیان کی ہے اور اسی کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا تذکرہ مع دلائل بیان فرمایا ارشاد ہے کہ اے مریم ہم تیرے بیٹے کو آسمانی کتابوں اور بالخصوص توریت وانجیل کا علم سکھائیں گے اور کچھ حکمت اور سمجھ کی باتیں بھی ان کو تعلیم کریں گے اور ہم ان کو قوم بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے اور ان سے ایسے معجزات کا ظہور کرائیں گے جو ان کی نبوت کے لئے دلیل محکم ہوں گے۔ پہلا معجزہ[علہ] یہ ہے کہ وہ مٹی سے ایک جانور (چمگاڈر) بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے جس سے وہ اللہ کے حکم سے جاندار ہو جاتا اور

علہ اللہ پاک کا یہ دستور ہے کہ ہر نبی کو وہ ایسے معجزات عطا فرماتے ہیں جن میں اس کی قوم مہارت رکھتی ہو، چنانچہ حضرت موسیٰ کی قوم جادو کی ماہر تھی تو ان کو وہ معجزے دیئے جن سے جادوگر بھی عاجز رہ گئے کہ ان کی قوم کے جادوگروں نے اپنی رسیوں کے سانپ بنائے تو حضرت موسیٰ کی لاٹھی اژدہا بن کر ان سب سانپوں کو کھا گئی یہ ماجرا دیکھ کر تمام جادوگر ہکا بکا رہ گئے اور یقین کر لیا کہ یہ خدا کے پیغمبر ہیں اسی طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم فصاحت وبلاغت میں بہت ماہر تھی تو آپؐ کو ایسی کتاب یعنی قرآن شریف عطا فرمایا جس کی فصاحت وبلاغت کے سامنے تمام اہل عرب عاجز اور سرنگوں ہو گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کا دور ڈاکٹری اور حکمت کا تھا اسلئے ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جن سے ان کی قوم کے بڑے سے بڑے ماہر ڈاکٹر وطبیب عاجز رہ گئے اور انھیں مجبور ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنا پڑا ان کے معجزات چار ہیں جن کو اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

اڑنے لگتا لوگ تماشائی بن کر اس کو دیکھتے وہ برابر اڑتا جاتا یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا اور پھر مٹی بن کر نیچے گر جاتا[1]

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کر دیتے خدا نے ان دونوں بیماریوں کو خاص طور پر اسلئے ذکر فرمایا کہ ان کی قوم ان کو لاعلاج مرض سمجھتی تھی، حضرت عیسیٰ کے ذریعہ ان بیماریوں سے شفا بخشوا کر اللہ نے ان کی نبوت کو ثابت کر دیا، علامہ جلال الدین سیوطی رح نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے ایک دن میں اس طرح کے پچاس ہزار بیماروں کو دم کر کے صحت یاب کیا۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اس پچاس ہزار کے مجمع کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو میں خدا کے حکم سے تمکو شفا بخش سکتا ہوں، چنانچہ ان سب نے ایمان قبول کر لیا پھر حضرت عیسیٰ ان پر دم کرتے گئے اور حق تعالیٰ ان سب کو شفا عطا فرماتے گئے۔

تیسرا معجزہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دیا کرتے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے دوست عازرکو اور اسی طرح ایک بڑھیا کے لڑکے کو اور ایک عشر (ٹیکس) وصول کرنے والے کی لڑکی کو زندہ کر دیا تھا وہ کچھ مدت زندہ رہے اور ان کے اولاد پیدا ہوئی۔

چوتھا معجزہ یہ ہے کہ یہ بتلا دیا کرتے تھے کہ تم آج یہ کھانا کھا کے آئے ہو اور اپنے گھر میں فلاں چیز رکھ کر آئے ہو

اس کے بعد اللہ پاک حضرت عیسیٰ کی زبانی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ان معجزوں میں میرے نبی ہونے کی کھلی نشانی ہے اور تمکو ایمان لانے کے لئے بہت کافی ہے، اور میں تمہارے پاس اسلئے آیا ہوں تاکہ تصدیق کروں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور اسلئے آیا ہوں کہ حلال کر دوں بعض وہ چیزیں جو تمہارے لئے حرام کر دی گئی تھیں، چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ان کے لئے مچھلی اور وہ پرندے جن کے چونچ نہیں ہوتی حلال کر دیئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس اپنی نبوت پر دلائل لے کر آیا ہوں (جنکا ذکر اوپر ہوا) اسلئے تم میری نبوت کو تسلیم کرو اور خدا کو ایک مانو اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ پاک میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اس لئے ہم سب کا یہ فرض ہے کہ صرف اسی کی بندگی کریں، یہی سیدھا اور کامیابی کا راستہ ہے۔

---

[1] مسئلہ: پرندہ کی شکل بنانا تصویر ہے جو حضرت عیسیٰ کی شریعت میں جائز تھی، ہماری شریعت میں بالکل ناجائز ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

سو جب حضرت عیسیٰ نے ان سے انکار دیکھا تو آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو میرے

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ

مددگار بن جاویں اللہ کے واسطے حواریین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے آپ اسکے

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

گواہ رہیئے کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ان چیزوں پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ

اختیار کی ہم نے رسول کی سو ہمکو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے

الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب تدبیریں کرنیوالوں سے اچھے ہیں

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو خصوصیات اور فضائل بیان فرمائے گئے اسکے مطابق حق تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا اور پھر عیسیٰؑ نے اپنی قوم کو معجزات دکھائے مگر اسکے باوجود ان کی قوم بنی اسرائیل نے ان کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کیا اور ان کی ایک جماعت حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے درپے ہوگئی حضرت عیسیٰ نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ میری دعوت دین کو پھیلانے نہیں دے رہے ہیں تو اعلان فرمایا کہ کوئی ہے جو تبلیغ دین میں میرا ناصر و مددگار ہو چند حواری بولے ہم ہیں دینِ خدا کے پھیلانے میں آپ کے ساتھی اور

اقوال و تحقیق

حواری حور سے مشتق ہے یعنی خالص سفیدی، اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ حواریین سے کون لوگ مراد ہیں؟ سو اسکے بارہ میں علماء مفسرین کے مختلف اقوال ہیں ان میں سے چھ کو یہاں سپرد قرطاس کیا جارہا ہے ۱۔ دھوبی تھے وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ کپڑوں کو دھو کر سفید کیا کرتے تھے ۲۔ یہ شاہی خاندان کے بارہ افراد تھے جو صاف و شفاف اور سفید کپڑے پہننے کی وجہ سے حواری کہلائے ۳۔ یہ خدا کے نور سے روشن دل والی ایک جماعت تھی ۴۔ بعض نے فرمایا کہ یہ شکاری تھے ۵۔ بعض نے فرمایا کہ اس بارہ افراد کی جماعت میں مختلف لوگ شامل تھے کچھ شہزادے تھے، کچھ رنگریز تھے، کچھ دھوبی تھے اور کچھ مچھیرے ۶۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حواری کے معنی مددگار کے ہیں صحیحین کی ایک روایت سے اس پر استدلال کیا ہے تو اسی اعتبار سے حواری آپ کے مددگار ہوئے خواہ وہ کوئی بھی ہوں بلاشبہ یہ ایسا قول ہے جو سب پر حاوی ہے۔

مددگار، ہم اللہ کے اور آپ کے فرماں بردار ہیں اور جو کچھ اللہ پاک نے آپ پر نازل فرمایا ہے ہم اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں، ان حواریین کے متعلق منقول ہے کہ یہ بارہ آدمی تھے جو سب سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے تھے۔

تفسیر ومکروا ومکر اللہ اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کی اس خبیث جماعت کا ذکر ہے جو آپ کی جان کی دشمن تھی، اور طرح طرح کے الزامات وبہتان آپ پر لگاتی تھی اور نعوذ باللہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہتی تھی، ایک دن انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے گھر کو چاروں طرف سے گھیر کر ایک شخص کو اندر کمرے میں بھیجا کہ جا عیسیٰؑ کو قتل کر آ، اللہ پاک نے اپنے پیارے نبی کی اس طرح مدد فرمائی کہ آپ کو روشندان سے آسمان کی طرف اٹھوالیا اور جو شخص قتل کے ارادہ سے اندر گیا تھا اس پر حضرت عیسیٰ کی مشابہت ڈال دی کافی انتظار کے بعد باہر کے لوگ بھی اندر گھس آئے اور اس قاتل کو حضرت عیسیٰ کی شکل میں دیکھ کر سولی پر چڑھا دیا، یہ اللہ کے ساتھ مکروفریب کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہی کو ان کے مکروفریب کا مزہ چکھا دیا۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ

جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمکو وفات دینے والا ہوں اور میں تمکو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں اور تمکو ان لوگوں

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ

سے پاک کرنیوالا ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمھارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر

كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ

جو کہ منکر ہیں روز قیامت تک پھر میری طرف ہوگی سب کی واپسی سو میں تمھارے درمیان فیصلہ

بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

کردوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر یہود کی وہ خبیث جماعت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دشمن تھی اور ہر وقت اس تلاش میں رہتی تھی کہ کب موقع ملے اور ہم آپ کا کام تمام کریں جب ان خبیثوں کو حضرت عیسیٰ کے گھیر لینے کا موقع ملا اور سولی چڑھانے کے تمام اسباب انھوں نے مہیا کرلئے تو اس وقت اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں کس طرح تسلی دی وہ اس آیت پاک میں بیان کی گئی ہے، ارشاد ہے اے عیسیٰ آپ غمگین نہ ہوں یہ لوگ آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہیں پہونچا سکیں گے اور نہ ہی آپ کو وقت سے پہلے

موت آئے گی ہم آپ کو صحیح سالم فرشتوں کے ذریعہ آسمان پر اٹھوا لیں گے اور آپ کی مشابہت انہی میں سے ایک شخص پر ڈال کر اسے سولی پر چڑھوا دیں گے اور آپ کے مخالفوں کو ہم ہمیشہ دنیا میں مغلوب ہی رکھیں گے یعنی ان کو دنیوی سلطنت نہیں ملے گی اور تمہارے ماننے والے کو غالب رکھیں گے اور جو الزامات و بہتان یہ لوگ تمہارے ذمہ لگا رہے ہیں ہم اس سے بھی آپ کو پاک وصاف کرادیں گے اپنے پیغمبر آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ، چنانچہ قرآن کریم نے مختلف الفاظ سے حضرت عیسیٰؑ کی صفائی اور پاکدامنی کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور بالآخر یہ لوگ لوٹ کر ہماری ہی طرف آئیں گے تب ہم ان کے اور تمہارے درمیان عملی فیصلہ بھی کردیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ سولی پر چڑھائے گئے یا نہیں؟

اس بارے میں یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھایا گیا اور پھر ان کو دفن کیا گیا اور پھر دوبارہ زندہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آسمان پر اٹھائے گئے، عیسائیوں کا خیال ہے کہ سولی پر بھی چڑھائے گئے اور دفن بھی کئے گئے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر اٹھوا لئے گئے. قرآن کریم نے اپنا فیصلہ سورۂ مائدہ کی اس آیت میں سنا دیا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ یعنی حضرت عیسیٰؑ کو نہ قتل کیا گیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا گیا، بس آپ کی مشابہت دوسرے شخص پر ڈال دینے کی وجہ سے یہ غلط سمجھ بیٹھے

یہود کبھی برسر اقتدار نہیں ہونگے

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیشین گوئی یہ بھی فرمائی ہے کہ عیسائی اور مسلمان جو سچے ایمان والے ہیں یہ ہمیشہ یہودیوں پر غالب رہیں گے چنانچہ اس پیشین گوئی کے بعد ہی یہود کی سلطنت تباہ و برباد ہو گئی اور پھر آج تک جہاں کہیں بھی یہودی ہیں یا عیسائیوں کی رعایا ہیں یا مسلمانوں کی دست نگر۔ قیامت کے قرب تک یہی حال رہے گا صرف چالیس دن کے لئے دجال جو یہود کا سردار ہے کی سلطنت قائم ہوگی جو چالیس دن کے بعد فوراً مٹ جائے گی ان چالیس دنوں میں بھی کوئی باضابطہ امن واطمینان نصیب نہ ہوگا فساد اور شر ہی غالب رہے گا۔ ایسی حکومت کو کوئی بھی منصف مزاج آدمی سلطنت وحکومت کا نام نہیں دیگا بلکہ یہ صرف لیٹروں کا سا غلبہ کہلائیگا اور بعض مورخین نے جو زمانہ عباسین میں یہود کی چھوٹی چھوٹی سلطنت کا حوالہ دیا ہے اولاً تو وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی حکومت کے مقابلہ میں اس قابل نہیں کہ ان کے برابر قرار دیا جائے پھر اس حالت میں بھی انجام کار غلبہ یہود پر مسلمانوں اور عیسائیوں کا ہی رہا اس سے قرآن کریم کی پیشین گوئی پر کوئی حرف نہیں آتا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا

تفصیل یہ ہے کہ جو لوگ (اختلاف کرنے والوں میں) کافر تھے سو ان کو سخت سزا دوں گا دنیا میں بھی اور آخرت میں

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بھی اور ان لوگوں کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا اور جو لوگ مومن تھے اور انھوں نے نیک کام

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ

کئے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ثواب دینگے اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنے والوں سے

﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

یہ ہم تمکو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو منجملہ دلائل کے ہے اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے

تفسیر اس سے پہلی آیت میں ذکر تھا کہ میں ان اختلاف کرنے والوں میں قیامت کے دن عملی فیصلہ کروں گا، اب اس آیت میں اس فیصلہ کو بیان کردیا ہے کہ جو کفر پر جما رہے گا اور ہمارے پیغمبر کی نافرمانی کرے گا ہم اسے سخت عذاب وسزا دیں گے دنیا میں بصورت قتل وقید اور ٹیکس اور آخرت میں جہنم میں ڈال کر اور یہ سزا ان کو اس لئے دی جائے گی کہ ہم کفر وشرک کرنے والوں سے ذرا بھی پیار نہیں کرتے بلکہ سخت نفرت کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل جو ہم پر اور ہمارے نبی پر ایمان لائیں گے اور اعمال صالحہ کریں گے تو ہم ان کو جنت کے عیش وآرام دیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کا واقعہ کو پورا کر کے اللہ پاک یہ فرمارہے ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قصہ ہم نے تمکو بذریعہ وحی سنایا ہے اور اسی کے ساتھ بعض دیگر حکمت سے بھرپور باتیں تمکو سنائی ہیں یہ سب آپ کی نبوت پر روشن دلیل ہے ماننے والوں کے لئے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

بے شک حالت عجیبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی مشابہ حالت عجیبہ آدم کے ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

دیا کہ ہوجا بس وہ ہوگئے۔ یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوجئے

تفسیر شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک قافلہ جس میں ساٹھ آدمی تھے آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اس نے مختلف سوالات حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کئے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا پورا واقعہ نازل فرمایا جو پچھلی آیات میں مفصل ذکر ہوا۔ اور اس طور پر ان کے سوالات اور شبہات کا جواب دیا گیا

شانِ نزول

آیت "اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی" کے نازل ہونے کا سبب بھی یہی وفد نجران بنا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بندہ تسلیم کرتے ہیں جو ان کی شان میں گستاخی ہے حالانکہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں کیا آپ کے پاس بغیر باپ کے پیدا ہونے کی کوئی مثال ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اللہ پاک نے انھیں جواب دیا کہ تم عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر تعجب کر رہے ہو میں نے تو حضرت آدم ع کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا بلکہ ان کی تو ماں بھی نہیں تھی صرف مٹی کا پتلا بنا کر اس سے کہدیا کہ ہو جا بس آدم ہو گئے

دلیلِ عقلی

درحقیقت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقلی دلیل کے ذریعہ عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا رد فرمایا ہے کہ اگر عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا کے بیٹا ہونے کا ثبوت ہے تو اس اصول کے تحت آدم زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو میرا بیٹا کہا جائے کیونکہ وہ بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے ہیں حالانکہ تم ان کو میرا بیٹا تسلیم نہیں کرتے، بس اس دلیل کے پیش نظر تمکو عیسیٰ ع کو کو بھی میرا بیٹا نہیں سمجھنا چاہیئے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام کو مخاطب کرکے پوری امت کو تنبیہ فرمادی کہ حق اور سچ بات یہی ہے کہ عیسیٰ ہمارے بندے اور رسول ہیں بیٹے نہیں ان عیسائیوں کی من گھڑت باتوں میں آکر آپ شک وشبہ میں نہ پڑ جائیے۔

انسان کی پیدائش کے چار طریقے

اللہ پاک بہت زبردست قدرت والے ہیں اس پر ہر مسلمان کا عقیدہ ہے خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت انسانوں کو مختلف طریقہ سے پیدا فرما کر پیش کر دیا ہے ۱ بغیر باپ اور ماں کے پیدا کر دینا جس کی مثال حضرت آدم علیہ السلام ہیں ۲ بغیر ماں کے پیدا کر دینا جس کی مثال حضرت حوا علیہا السلام ہیں ۳ بغیر باپ کے پیدا کر دینا جس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ۴ ماں اور باپ دونوں کے ذریعہ پیدا کرنا جس کی مثال بقیہ تمام انسان ہیں

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا

پس جو شخص آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں حجت کرے آپ کے پاس علم آئے پیچھے تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم بلالیں

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا

اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو

وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

پھر ہم سب خوب دل سے دعا کریں اس طور سے کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو ناحق ہوں

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ

بے شک یہ وہی ہے سچی بات اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ کے اور بلاشک اللہ

لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع

تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں پھر اگر سرتابی کریں تو بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد والوں کو

تفسیر

پچھلی آیتوں میں حضرت عیسیٰ کا قصہ بیان ہوا اور جو سوالات وشبہات عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کے متعلق تھے، مثلاً یہ خدا کے بیٹے ہیں، معبود ہیں اور سولی چڑھائے گئے وغیرہ ان سب کا تسلی بخش جواب اللہ تعالیٰ دے چکے، اب اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ اگر یہ اب بھی نہ مانے اور بلاوجہ کی حجت اور مباحثہ کرتے رہیں تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے فرما دیجئے کہ آؤ مباہلہ کریں، اور مباہلہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنے بیٹوں عورتوں اور خود اپنے آپ کو جمع کرکے خدا کے سامنے عاجزی وانکساری کریں، خوب گڑگڑائیں اور یہ بددعا کریں کہ اے خدا ہم میں سے جو جھوٹے ہیں اس پر تیری لعنت وپھٹکار ہو۔

بہرحال رسول خدا نے نجران کے قافلہ کو مباہلہ کی دعوت دی انہوں نے غور کرنے کے لئے مہلت مانگی اور پھر تنہائی میں ان کے پوپ اعظم شرجیل نے ان سے کہا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد عربی اللہ کے منتخب رسول ہیں اور یہ بھی تمکو معلوم ہے کہ جس قوم سے اللہ کے رسول نے مباہلہ کیا وہ ضرور ہلاک وتباہ ہوجائے گی اس لئے میری رائے ہے کہ تم محمد عربی سے صلح کرلو اور اپنے وطن واپس چلو یہ قافلہ اس ارادے کے ساتھ حضور کی خدمت میں پہونچا تو آپ مباہلہ کے لئے بالکل تیار بیٹھے تھے اور اپنے ساتھ اپنی پیاری بیٹی فاطمہ حضرت حسنؓ وحسینؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کو لئے بیٹھے تھے اور ان کو تاکید فرمادی تھی کہ جب میں دعا

اقوال وتحقیق

قرآن وحدیث نے اس بات کی تشریح نہیں کی کہ حضور علیہ السلام کے بعد مباہلہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور مباہلہ کا اثر اب بھی وہی ظاہر ہوگا یا نہیں، البتہ فقہاء حنفیہ اور بعض سلف کے طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب بھی بوقت ضرورت مباہلہ کرنا جائز ہے اور اس کی کھلی دلیل لعان کا مشروع ہونا ہے مگر مباہلہ کی اجازت صرف ان امور میں ہے جن کا ثبوت یقینی ہو اور صدق قطعی ہو ظنی نہ ہو، بس مسائل اختلافیہ ظنیہ میں جائز نہیں رہا مباہلہ کا انجام تو اس میں اس طرح کی ہلاکت وبربادی اور عذاب خداوندی آنا ضروری نہیں جیسا کہ حضور کیساتھ مباہلہ کرنے پر آتا۔ البتہ تحقق ضرر میں توقف کرنا یا ظہور نہ ہونا موجب اشتباہ نہ ہونا چاہئے، کیونکہ تعیین حق کے لئے دلائل شرعیہ کافی ہیں، مباہلہ پر موقوف نہیں، مباہلہ کا منشار تو صرف باہمی مباحثہ کو ختم کرنا تھا

مانگوں تو تم سب آمین کہنا، بہر حال عیسائیوں کا یہ قافلہ مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوا اور ٹیکس دینے پر صلح کرلی۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مباہلہ کرکے جب یہ قافلہ اپنے گھر واپس جاتا تو وہاں نہ مال پاتا نہ اولاد۔

عیسائیوں کے ان قصص و مباحثہ کے بعد ارشاد خداوندی ہے کہ اب تک ہم پیچھے جو کچھ بیان کرآئے ہیں وہ حق اور سچ ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ہم بڑی قدرت والے ہیں اور بندگی کے لائق صرف ہماری ذات ہے اور ان سب حقائق کے بعد بھی اگر لوگ صحیح راہ پر نہ آویں اور آپ سے بحث و مباحثہ اور ہماری نافرمانی کرتے رہیں تو یاد رکھو ہم ان سب فسادیوں کو سخت قسم کی سزا دینگے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا

کوئی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم لوگ کہدو کہ تم

مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴

اسکے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

تفسیر اب تک اہل کتاب کو مخاطب کرکے جو بیان ہوا وہ دلائل کی روشنی میں تھا اور بحث و مباحثہ سے نوبت مباہلہ تک پہونچ گئی تھی، اب اس آیت پاک میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو نرمی کے ساتھ اسلام کی دعوت دی گئی کہ اے اہل کتاب آؤ ہم سب ایسے کلمہ پر جمع ہوجائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے اور وہ یہ کہ خدا کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور کوئی خدا کے ساتھ شریک الوہیت نہیں، یہود و نصاریٰ سب کے یہاں توحید کا عقیدہ فرض تھا لیکن اس کے باوجود یہ لوگ شرک میں اسلئے مبتلا تھے کہ وہ اس کو شرک نہیں سمجھتے تھے، بس اس آیت میں ان کو اسی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ معبود صرف خدا کی ذات کو مانو اس کی الوہیت میں غیر کو شریک مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اور یہود نے حضرت عزیرؑ کو خدا کی الوہیت میں شریک بنا رکھا تھا، اے مسلمانو اگر یہ اہل کتاب صحیح راہ پر آجائیں تو بڑا اچھا ہے نہیں تو ان سے کہہ دینا کہ ہم۔ تو صرف خدا کے ماننے والے ہیں

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تم ہمارے اس عقیدہ پر گواہ رہنا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ

اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارہ میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل

التَّوْرَاةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَا أَنتُمْ

مگر ان کے بعد کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں تو حجت کر ہی چکے

هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ

تھے جس سے تمکو کسی قدر تو واقفیت تھی سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تمکو اصلاً

لَكُم بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ

واقفیت نہیں، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور

إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا

نہ نصرانی تھے ولیکن طریق مستقیم والے صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ

سے بھی نہ تھے بلا شبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے

لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ

والے حضرت ابراہیم کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور یہ

الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

ایمان والے۔ اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ نجرانی نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور ان میں حضور علیہ السلام کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بارے میں جھگڑنے لگے ان میں سے ہر فریق اس بات کا دعوی کرتا کہ حضرت ابراہیم ؑ ہم میں سے ہیں یعنی یہودی یہ کہتے کہ وہ یہودی تھے اور نصاری کہتے کہ وہ نصرانی ہیں اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرما کر فیصلہ کر دیا۔

ارشاد ہے کہ اے اہل کتاب تمکو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ یہودیت کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اور نصرانیت کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اور یہ دونوں نبی حضرت ابراہیمؑ کے بہت مدت بعد دنیا میں تشریف لائے پھر بھلا کیسے حضرت ابراہیم یہودی یا نصرانی ہوسکتے ہیں جبکہ اس وقت تک یہودیت و نصرانیت کا وجود ہی نہیں تھا۔

اب تم حقیقت ہم سے سنو حضرت ابراہیم صحیح اور کامل ایمان والے تھے، وہ دین مستقیم والے صاحب اسلام تھے اور وہ شرک سے بیزار اور نفرت کرنے والے تھے، حضرت ابراہیمؑ کو اپنا کہنے اور ان کی پیروی کا دعوی کرنے کا حق سب سے زیادہ ان کو حاصل ہے جو ان کے عہد نبوت میں تھے اور ان کے دین پر عمل پیرا تھے اور اب یہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور آپ کی پوری امت کیونکہ حضرت ابراہیم کی اور ان کی شریعت کافی ملی جلی ہے اس لئے ان کو حق ہے کہ یہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہہ سکیں اور ان کو اپنے میں گنوا سکیں بس اتنا یاد رکھو کہ جو تم میں ایمان والے ہیں یعنی شرک سے پاک صاف ہیں تو ہم ان کے حامی و مددگار ہیں ان کو ہر طرح کے عذابات سے بچا کر جنت کے عیش و آرام عطا فرمائیں گے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّوْنَ

دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس امر کو کہ تمکو گمراہ کردیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں

إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ

کرسکتے مگر خود اپنے آپ کو اور اس کی اطلاع نہیں رکھتے۔ اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ

ساتھ حالانکہ تم اقرار کرتے ہو اے اہل کتاب کیوں مخلوط کرتے ہو

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۱۵

واقعی کو غیر واقعی سے اور چھپاتے ہو واقعی بات کو حالانکہ تم جانتے ہو

مسلمانوں سے اہل کتاب کی عداوت ان آیات میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ ان اہل کتاب کو مسلمانوں سے ایسی عداوت و دشمنی ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ کسی طرح ان مسلمانوں کو ان کے مذہب اسلام سے گمراہ کردیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جنت کے راستے سے ہٹا کر جہنم کے راستے پر ڈال دیں، مگر اے مسلمانو یاد رکھو یہ تم میں سے کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تم خود ہی ڈانواڈول ہوجاؤ اور یہ بے وقوف تو

خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں کہ تمہاری گمراہی کا عذاب اپنے سر لے رہے ہیں اس کا ان کو پتہ تک نہیں، اللہ تعالیٰ اسی سے فرماتا ہے کہ تم ہماری ان آیتوں کو جو توریت و انجیل میں محمد عربی کے سچے نبی ہونے کے متعلق پڑھ چکے ہو کیوں ان کا انکار کر کے کفر کرتے ہو ذرا افسوس ہے تم پر کہ حق کو ناحق کے ساتھ ملاتے ہو اور حق باتوں کو چھپاتے ہو جبکہ اپنی کتاب میں پڑھ کر ان کو یقین ہو چکا ہے کہ محمد عربی خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی

اور بعضے لوگوں نے اہل کتاب میں سے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو نازل کیا گیا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

مسلمانوں پر شروع دن میں اور انکار کر بیٹھو آخر دن میں عجب کیا وہ پھر جاویں

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى

اور کسی کے روبرو اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے

اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ

کہ یقیناً ہدایت اللہ کی ہدایت ہے ایسی باتیں اسلئے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی یا اور لوگ تم پر غالب آ جاویں

رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

تمہارے رب کے نزدیک آپ کہہ دیجئے کہ بیشک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس کو جسے چاہیں عطا کریں اور اللہ بڑی وسعت

عَلِيْمٌ ۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

والے ہیں خوب جاننے والے ہیں خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے

الْعَظِيْمِ

فضل والے ہیں

اہل کتاب کی گمراہ کن تدبیریں

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان گذرا کہ اہل کتاب اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے ہٹا دیا جائے، اب اس آیت پاک میں اس کی تدبیر کا ذکر ہے ارشاد ہے کہ ان اہل کتاب میں سے بعض لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ایک تدبیر ہے کہ ہم لوگ ظاہری طور پر صبح کو مسلمان ہو جائیں اور شام کو ایمان سے پھر جائیں، ہمارے اس طریقہ کو دیکھ کر مسلمان یہ خیال کریں گے کہ یہ لوگ اہل کتاب ہیں خدا کی تعلیمات سے خوب واقف

ہیں اور پھر ان کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب سے کوئی دشمنی اور تعصب بھی نہیں ہے تب ہی تو یہ مسلمان ہوگئے تھے اور پھر ایمان سے پھر گئے اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام کو اچھی طرح اپنے علم کی روشنی میں پرکھا ہوگا مگر وہ صحیح نہ نکلا اس لئے یہ پھر اپنے پرانے مذہب پر قائم ہوگئے۔

بس اس طرح ہماری اس تدبیر سے مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے اور بہت ممکن ہے کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں، انھوں نے اپنے ساتھیوں کو تنبیہ فرمائی کہ صدق دل سے کسی کے سامنے ایمان کا اقرار مت کرنا بس دکھاوے کے لئے اور جو تمھارے اپنے ہیں ان کے سامنے اپنے دین کا اقرار خلوص کے ساتھ کرنا

حق تعالیٰ ان کی تدبیر کا لچر ہونا ظاہر فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ تمھاری ان تدبیروں اور چالاکیوں سے کچھ نہیں ہونے والا ہے، ہدایت تو خداوند قدوس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جس کو چاہتے ہیں ایمان و اسلام کی دولت سے نواز دیتے ہیں، تمھاری تدبیریں اس کے ارادہ اور فیصلہ کے سامنے بالکل بے جان ہیں

وجہ عداوت اہل کتاب

اہل کتاب مسلمانوں سے اسقدر عداوت و دشمنی کیوں کرتے تھے اس کی وجہ اللہ پاک نے خود بیان فرمائی ہے کہ ان کی طرح مسلمانوں کو بھی آسمانی کتاب قرآن شریف مل گئی ہے اور مسلمان مناظرہ اور مباحثہ میں ان پر غالب آجاتے ہیں اس جلن اور حسد کی وجہ سے وہ اس طرح کی ناز یبا گندی حرکتیں اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں، اسکے بعد حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اور آپ کی امت کو تسلی دی ہے کہ فضل و کرم اور احسان ہر طرح کا ہمارے قبضہ میں ہے ہم جس کو چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں، بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ بڑی وسعت اور فضل والے ہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ اگر تم اسکے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھدو تو وہ اسکو تمھارے

مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ

پاس لا رکھے اور انہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اسکے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدو تو وہ بھی تمکو ادا نہ کرے مگر جب تک

بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

تم اسکے سر پر کھڑے رہو یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں ہم پر غیر اہل کتاب کے بارہ میں کسی طرح کا الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ

وہ لوگ جھوٹ لگاتے ہیں اور وہ بھی (دلمیں) جانتے ہیں الزام کیوں نہ ہوگا جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں متقیوں کو۔

تفسیر اس سے پہلی آیتوں میں اہل کتاب کا دین میں خیانت کرنا مذکور ہوا۔ اب اس آیت پاک میں مال میں خیانت کرنے کا بیان فرمایا گیا ہے۔

ارشاد ہے کہ ان اہل کتاب میں سے بعضے تو ایسے امانت دار ہیں کہ اگر ان کے پاس ڈھیر کا ڈھیر مال بھی رکھدو تو وہ طلب کرتے ہی فوراً واپس کر دیتے ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جو مذہب اسلام قبول کر چکے تھے جیسے عبداللہ ابن سلام انکے پاس ایک شخص نے بارہ اوقیہ سونا امانت رکھا انھوں نے مانگنے پر پورا واپس کر دیا ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے کہ جو ہم سے ڈر کر اپنے عہد جس میں امانت وغیرہ بھی شامل ہیں کو پورا کرتے ہیں تو ہم ان سے محبت کرتے ہیں اور جس سے خدا نے محبت کرلی تو اس کا بیڑا پار ہے۔ اور بعضے ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر تم انکے پاس ایک روپیہ (دینار) بھی امانت رکھدو تو وہ واپس تو کیا کریں گے بلکہ صاف انکار کر دیں گے کہ میرے پاس کوئی امانت نہیں رکھی جیسا کہ اہل کتاب میں سے فنحاص بن عازدار یہودی کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھا تھا جو اس نے واپس نہ دیا اور خیانت کرلی۔

اہل کتاب کی خیانت کی وجہ اہل کتاب اس قدر خیانت کیوں کیا کرتے تھے اس کی وجہ خود حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ انھوں نے یہ مسئلہ پھیلا رکھا تھا کہ غیر کتاب جیسے قریش وغیرہ ان کا مال ہڑپ کرلینے کی ہمارا مذہب اجازت دیتا ہے اسلئے خوب ڈٹ کر ان کا مال ہضم کرو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب یہ بات ہماری طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں ہم نے ان کو بالکل اجازت نہیں دی کہ تم اہل کتاب کے علاوہ کا مال لوٹ لو اس بات کو وہ خود بھی جانتے ہیں کہ واقعتاً خدا نے ہمیں اجازت نہیں دی پھر بھی اپنے دنیوی منافع کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کی لعن طعن سے بچنے کیلئے وہ مذہب کی آڑ لیتے ہیں۔

تنبیہ اس آیت سے ان مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے جو کسی ناجائز بات کو مذہب کی آڑ لے کر جائز کرلیتے ہیں یہ درحقیقت خدا پر جھوٹ باندھنا ہے جس کی صراحت خود حق تعالیٰ نے فرما دی ہے۔ اب یہ سوچ لینا چاہیئے کہ جو شخص خدا ہی کے ذمہ جھوٹ لگا دے اس کا کیا حشر ہوگا۔ یقیناً اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ

یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اپنی قسموں کے ان لوگوں کو کچھ

اقوال و تحقیق اگر امین اور خائن دونوں ہی اہل کتاب میں تسلیم کئے جائیں تو پھر امین کی جو مدح ہے وہ عنداللہ نہ ہوگی بلکہ باعتبار دنیا ہوگی کہ نیک نامی ہوگی بلکہ بلا ایمان کے عنداللہ کوئی بھی عمل خیر مقبول نہیں البتہ آخرت میں اس عذاب کی کمی ہوجائے گی جو اسکی ضد کے ارتکاب سے ہوتا۔ اس تفسیر کی صورت میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ مذہب اسلام تعصب سے قطعاً الگ ہو کر غیروں کے ہنر و کمال کی بھی بقدر واقعی داد دیتا ہے۔

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ

حصہ آخرت میں نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے کلام فرماویں گے اور نہ ان کی طرف دیکھیں گے قیامت کے

الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾

روز اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

شانِ نزول یہود سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات صحیح صحیح ظاہر کرنا مگر انھوں نے ان کو بدل بدل کر بیان کرکے اپنے عہد کو توڑ دیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اسی طرح اشعث بن قیس اور ایک دوسرے شخص میں ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا ہوا تو مقدمہ آنحضورؐ کی خدمت میں پہونچا آپ نے گواہ اور قسم کا مطالبہ کیا تو اس موقع پر اشعث کا ساتھی جھوٹی قسم کھانے کیلئے تیار ہوگیا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ان دونوں قسم کے لوگوں کے متعلق بیان ہے کہ جو دنیا کے معمولی مال کے حاصل کرنے کے لئے ہم سے کئے ہوئے عہد کو توڑے گا یا ایسی معاملہ میں جھوٹی قسم کھائے گا تو ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں یعنی وہاں کی کوئی نعمت اس کو نہ ملے گی اور اگر مسلمان ہوتے ہوئے یہ گناہ کے کام کرتا ہے تو اپنے گناہوں کی سزا پاکر اس کو نعمتیں بھی مل جائیں گی قیامت کے دن ایسے شخص سے اللہ پاک نہ تو مہربانی کا کوئی کلام فرمائیں گے اور نہ ہی اس پر نظر رحمت و کرم فرمائیں گے اور نہ ہی اس کو گناہوں سے پاک کریں گے بلکہ ان کے لئے تو سخت قسم کا دردناک عذاب ہی عذاب ہوگا۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتٰبِ

اور بے شک ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں تاکہ تم لوگ اسکو (بھی) کتاب کا جزو

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ

سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں

عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾

ہے　اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں　اور وہ جانتے ہیں

تفسیر اہل کتاب کی یہ عادت بن چکی تھی کہ وہ خیانت کریں چنانچہ یہاں بھی اسی کا ذکر ہے کہ جب یہ آسمانی کتاب پڑھتے ہیں تو اپنی زبان کو مروڑ کر پڑھتے ہیں یعنی اسکے الفاظ میں ردوبدل کردیتے ہیں اور اسی طرح معنی میں ردوبدل کرکے تفسیر بھی بدل دیتے ہیں اور پھر عوام کو گمراہ کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ جو ہم بیان کررہے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے اللہ پاک نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ لوگ ہماری

طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں اور ہم پر جھوٹ بولتے ہیں جان بوجھ کر صرف دنیوی منافع کی خاطر۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرما دیں، پھر وہ لوگوں سے کہنے

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ

لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر ولیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ. بوجہ اس کے کہ

تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا

تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو اور نہ یہ بات بتلا دے گا کہ تم فرشتوں کو

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور نبیوں کو رب قرار دے لو کیا وہ تمکو کفر کی بات بتلا دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو

شان نزول حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہود اور نجران کے نصرانی جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی یہودی نے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جس طرح نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے حضور م نے فرمایا معاذ اللہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ارشاد خداوندی ہے کہ کسی انسان سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو اپنی کتاب اور نبوت عطا فرما دیں اور یہ لوگوں سے یوں کہنے لگے کہ میری بندگی کرو. خدا کی توحید کرنا چھوڑ دو. مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جس کو اپنا برگزیدہ نبی بنا لے اور اس پر آسمانی کتاب اور نبوت کی روشنی میں یہ بات خوب ظاہر ہو جائے کہ بندگی کے لائق صرف خدا کی ذات ہے اسکے علاوہ دونوں جہاں میں کسی کو بھی سجدہ روا اور جائز نہیں بھلا ایسا شخص کیا کسی کو اپنی بندگی کی طرف دعوت دے سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ تو لوگوں کو صرف ایک ہی دعوت دے گا کہ اللہ والے بن جاؤ تمام در کو چھوڑ کر صرف خدا کا ڈر رکھو لو بس ایسا شخص (یعنی جو نبی ہو) وہ کبھی بھی کفر و شرک کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ اور اے کمبخت یہود تم اس مقدس ذات کی طرف جو تمام انبیاء کا سردار ہے خدا کا سب سے زیادہ چہیتا اور محبوب ہے ایسی باتیں منسوب کرتے ہو تمکو خدا کے غضب سے ڈرنا چاہیئے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ

اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تمکو کتاب اور علم دوں پھر

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۗ قَالَ

تمہارے پاس کوئی پیغمبر آوے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس رسول پر اعتقاد بھی لانا اور اسکی طرفداری

ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا

بھی کرنا۔ فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا

وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۸۲﴾

اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں سو جو شخص روگردانی کریگا تو ایسے ہی لوگ بے حکمی کرنے والے ہیں

تفسیر اس آیت پاک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب بھی ان کے دور نبوت میں کوئی دوسرا رسول مبعوث ہو اس کی تصدیق کرنا اور ہر ممکن نصرت و مدد اور حمایت کرنا، یہ عہد حق تعالیٰ شانہ نے امتوں سے بھی لیا تھا یا تو عالم ارواح ہی میں لے لیا ہوگا یا پھر انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے بذریعہ وحی لیا ہوگا۔ بہرحال اب اصل مقصد اس سے اہل کتاب یہودی اور عیسائیوں کو تنبیہ کرنا ہے اور ان کو وہ بھولا ہوا عہد یاد دلا کر اسلام کی دعوت دینا ہے کہ اس عہد کے مطابق تمہارا فرض ہے کہ محمد عربی علیہ السلام کے دین اسلام کو قبول کرلو اسی میں تمہاری نجات اور فلاح و کامیابی ہے۔ اسکے بعد ارشاد خداوندی ہے کہ جو عہد کرنے کے بعد اس سے منہ موڑے گا اس کو توڑے گا تو یاد رکھو وہ فاسق و فاجر ہے جس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا

کیا پھر دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ کے سامنے سب سرافگندہ ہیں جتنے آسمانوں

وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا

اور زمین میں ہیں خوشی سے اور بے اختیاری سے اور سب خدا ہی کی طرف لوٹائے جاوینگے، آپ فرمادیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر

أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا

اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر جو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف بھیجا گیا اور اس

أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ

پر بھی جو موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان میں سے کسی ایک میں

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ

بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے

مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۸۵﴾

مقبول نہیں ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا

تفسیر خدائے پاک کا سچا دین جو اس نے اپنے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ لوگوں تک پہونچایا ہے کہ صرف ایک خدا کی بندگی کرو اس دین کو چھوڑ کر اگر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے تو سمجھو اس کے لئے نجات کا راستہ بند ہوگیا ہے اسکے بعد ارشاد ہے کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں خدا کی اطاعت میں لگی ہوئی ہیں خوشی کے ساتھ اپنے اختیار سے، جیسے مسلمانوں کا نماز، روزہ، زکوٰۃ ادا کرنا اور کافر بھی خدا کی قدرو مشیت کے ماتحت ہیں اگرچہ وہ جبراً ہوں کہ اگر خدا ان پر بیماری وغیرہ کوئی وبا مسلط کردے تو ان کو مجبوراً اس میں رہنا پڑتا ہے اور پھر آخرکار سب کو حق تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے یعنی روز محشر میں سب اس کے سامنے جمع ہونگے اس کے بعد حضور علیہ السلام کو مخاطب کرکے پوری امت کو تعلیم دی گئی ہے کہ کہو ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن پر اور حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق یعقوب علیہم السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان انبیاء علیہم السلام کی اولاد پر جو کچھ نازل ہوا اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ پر توریت اور عیسیٰ پر انجیل نازل ہوئی غرضیکہ جتنے بھی انبیاء، خدا کی طرف سے جو کچھ لے کر آئے ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم اس میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی نبی پر ایمان رکھیں اور کسی پر نہ رکھیں، بس ہم تو خدائے تعالیٰ کے پورے طور پر مطیع و فرمانبردار ہیں۔ یہ سب کچھ سمجھانے کے بعد اللہ پاک نے انسانوں کو تنبیہ فرمادی ہے کہ تم میں سے اگر کوئی دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ قبول نہیں ہوگا یعنی اس پر تمھیں کچھ اجر نہیں ملیگا کہ اس پر عمل کرکے جہنم کی آگ سے بچ جاؤ اور جنت کے عیش و آرام لوٹو۔ یاد رکھو دین اسلام سے روگردانی کرنیوالا آخرت میں بڑے نقصان اور خسارہ میں ہوگا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہوگئے بعد اپنے ایمان لانے کے اور بعد اپنے اس اقرار کے کہ رسول سچے ہیں۔

وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ

اور بعد اسکے کہ ان کو واضح دلائل پہونچ چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان

اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ

پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور آدمیوں کی بھی، سب کی وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے، ان پر سے

فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پاوے گا اور ان کو مہلت ہی دی جائے گی — ہاں مگر جو لوگ

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

توبہ کرلیں اسکے بعد — اور اپنے کو سنوار لیں — سو بے شک خدا تعالیٰ بخشدینے والے رحمت کرنے والے ہیں

شان نزول حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ایک انصاری اسلام کو چھوڑ کر مشرکوں میں جا ملے مگر کچھ دن انمیں رہنے کے بعد انھیں احساس ہوا کہ میں غلط راہ پر آگیا ہوں لہذا اپنی اس غلطی پر پچھتائے اور حضور علیہ السلام کی

خدمت میں اپنی یہ درخواست بھیجی کہ میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں یعنی میں پھر سے دائرہ اسلام میں آسکتا ہوں یا نہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جنمیں ارشاد ہے کہ اگر تم پکی اور سچی توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلو تو اللہ تمکو ضرور معاف کردیں گے بہرحال اسکے بعد وہ انصاری مسلمان ہوگئے اور پھر بہت پختگی سے آخر عمر تک ایمان پر قائم رہے —— اسکے برخلاف کچھ حضرات ایسے ہیں کہ وہ اسلام چھوڑکر کافر ہوگئے اور پھر انکو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نہ ہوسکی۔ ان کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت اور وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے اور اس لعنت کا انجام ہے جہنم مطلب یہ ہوا کہ وہ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی ان کو کسی طرح کی مہلت ملے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں ان کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن

اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالت کفر ہی میں

يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ

سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جاوے گا اگرچہ وہ معاوضہ میں اس کو دینا بھی چاہے ان لوگوں کو

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

سزائے دردناک ہوگی اور ان کے کوئی حامی بھی نہ ہوں گے

٩ ع ١١ ١٧

بغیر ایمان کے توبہ قبول نہیں ہوتی

ان دو آیات میں ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان کی نورانی دولت چھوڑکر کفر کی اندھیری گھاٹی میں جاگرے اور اسی میں پڑے رہے یہ لوگ پکے گمراہ ہیں ان کی توبہ قبول نہیں کی جائیگی مطلب اسکا یہ ہے کہ ایک کافر شخص اپنے نزدیک جو کام برا سمجھتا ہے مثلاً چوری کرنا زنا وغیرہ اگر وہ ان کاموں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی یہ توبہ بھی قبول نہیں فرمائینگے کیونکہ بغیر ایمان کے حق تعالیٰ توبہ بھی قبول نہیں فرماتے، اسکے بعد ارشاد خداوندی ہے کہ جو لوگ حالت کفر ہی پر مرگئے ہیں انکو یقیناً جہنم کا سخت عذاب دیا جائیگا اگر یہ اس عذاب سے بچنے کیلئے حق تعالیٰ کو معاوضہ میں زمین بھر سونا بھی دیگا وہ بھی اس سے قبول نہیں کیا جائیگا اور وہاں اس حالت میں اس کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ ہوگا —— ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ جہنمی سے فرمائیں گے کہ جو کچھ زمین پر ہے اگر وہ تیرا ہوجائے توکیا تو ہمیں اس عذاب سے بچنے کیلئے ساری زمین کا سونا دیدیگا وہ عرض کریگا بالکل دیدونگا اللہ پاک فرمائیں گے تو جھوٹ بولتا ہے اس عذاب سے بچنے کیلئے ہمنے تجھ سے بہت معمولی سی چیز طلب کی تھی تو وہ نہ دے سکا یہ تو کہاں دیگا اور وہ چیز یہ تھی کہ صرف ہماری بندگی کرنا ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا مگر تو اس سے باز نہ رہا اور ہمارے ساتھ شرک کرتا رہا لہٰذا اب تو ہمیشہ کیلئے جہنم کے انگاروں میں پڑا رہ

اللہ پاک تمام انسانوں کو اس دنیا کی چندروزہ زندگی ہی میں سمجھ لینے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ کل قیامت کے دن عذاب خداوندی سے محفوظ رہ سکیں، اللّٰہم آمین۔ طالب دعا۔ محمد یعقوب قاسمی ۔ الحمدللہ پارہ تلک الرسل کی تفسیر مکمل ہوئی

قسط وار شائع ہونے والی تین عظیم الشان کتابیں

رحمت کے خزانے

یہ کتاب اعمالِ حسنہ کی ترغیب سے متعلق حدیث پاک کا عظیم مجموعہ ہے۔ جس کو علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ کے اُستادِ محترم محدثِ جلیل امام شرف الدین دمیاطی علیہ الرحمہ نے ''المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح'' کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب اہل عرب کثرت سے اپنے مطالعہ میں رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی امداداللہ انور صاحب مدظلہ نے اس کا اُردو ترجمہ ''رحمت کے خزانے'' کے نام سے کیا ہے۔ موصوف نے ترجمہ کے ساتھ حسبِ ضرورت احادیثِ پاک کی مختصر و عام فہم تشریح بھی فرمائی ہے اور احادیث کی تخریج بھی کی ہے۔

الحمدللہ یہ مکمل کتاب قسطوں میں چھپ کر تیار ہو چکی ہے۔

آسان تفسیر

قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد اس کو سمجھ کر عمل کرنا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آسان تفسیر کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اکابر اُمت کی قدیم و جدید مستند و معتبر تفاسیر کا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ جس کو نہایت آسان و عام فہم زبان اور مختصر و جامع انداز میں مولانا محمد یعقوب قاسمی نے قلمبند کیا ہے۔ ترجمہ کلام پاک حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ الحمدللہ یہ تفسیر ۳۲ قسطوں میں مکمل ہو چکی ہے۔

تذکرۃ الانبیاء

اس کتاب میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک مشہور پیغمبروں کے واقعات و حالات اور ان کے ماننے والوں کی فلاح و نجات اور جھٹلانے والوں کا انجام تفصیل کے ساتھ مستند طور پر سلیس و عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ الحمدللہ یہ کتاب سولہ قسطوں میں تیار ہو چکی ہے۔

وی، پی رجسٹری کے ذریعہ روانہ کی جاتی ہیں۔

نوٹ:- خواہش مند حضرات کے مکمل پتے روانہ فرما کر اشاعتِ دین میں تعاون فرمائیں۔ فجزاکم اللہ

IDARA DAWAT-O-TABLEEGH
Gali No. 2, Aali ki Chungi, Mandi Samiti Road, Saharanpur-247001 (U.P.) Mob.: 9837375773

اس دور کی سب سے آسان، عام فہم اور مستند تفسیر قرآن کریم

باسمہ تعالیٰ

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر

اور ہمنے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے

قرآن شریف کی آسان تفسیر اردو

قدیم وجدید مستند و معتبر کتب تفاسیر کے ماخذ کی روشنی میں

ترجمہ قرآن شریف
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
رحمۃ اللہ علیہ

مرتب
مولانا محمد یعقوب قاسمی
فاضل دار العلوم دیوبند

ادارہ دعوت و تبلیغ گلی ۲ آلی کی چونگی سہارنپور یوپی ۲۴۷۰۰۱

ظہیر انور قاسمی

ہدیہ :-

فہرست مضامین

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ

تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کرسکوگے

حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ

یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کروگے — اور جو کچھ بھی خرچ کروگے — اللہ تعالیٰ اس کو بھی

اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

خوب جانتے ہیں۔

تفسیر اس آیت پاک میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اے مسلمانوں تم پورا پورا ثواب اسی وقت حاصل کرسکتے ہو جب راہ خدا میں اپنی سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ چیز خیرات کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی صدقہ وخیرات کروگے حق تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں مطلب اس کا یہ ہے کہ تم اپنی پسندیدہ چیز خرچ کررہے ہو یا غیر پسندیدہ اور بیکار اس کو اللہ پاک خوب جانتے ہیں اور پھر اسی کے مطابق تمکو ثواب دیں گے جس کا حاصل یہ نکلا کہ غیر پسندیدہ اور فالتو چیز بھی اگر راہ خدا میں خیرات کردی جائے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے اگرچہ کم ملے۔

حضرات صحابہؓ کا جذبۂ عمل حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے یہ آیت آئی تو انھوں نے اس پر پورا پورا عمل کرکے دکھایا، یہاں چند صحابۂ کرام کا عمل لکھا جاتا ہے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی وہ ایک باندی جوان کو سب سے زیادہ محبوب اور پسند تھی راہ خدا میں خیرات کردی، اسی طرح حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے بھی اپنی اس کنیز کو خیرات کردیا جوان کو سب سے زیادہ پیاری تھی، بخاری ومسلم میں حضرت ابوطلحہؓ کا واقعہ مذکور ہے جب ان کے سامنے یہ آیت آئی تو فوراً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس سب سے زیادہ قیمتی اور پسندیدہ چیز میرا باغ بیرحاء ہے میں اس کو راہ خدا میں خیرات کرنا چاہتا ہوں آپ جہاں مناسب سمجھیں خرچ فرمالیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ باغ تو نہایت قیمتی اور زرخیز ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے آپ کے مشورہ کے مطابق اپنے چند رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں اس باغ کو تقسیم کردیا۔

اقوال وتحقیق لفظ برّ کے متعلق تین قول علماء مفسرین کے منقول ہیں ۱۔ برّ سے مراد زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ ہیں ۲۔ برّ سے مراد صدقات نافلہ ہیں ۳۔ برّ سے صدقات واجبہ ونافلہ دونوں مراد ہیں۔ یہ تیسرا قول جمہور محققین کا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ابوطلحہ رض کے باغ میں "بیرحا" نام سے ایک کنواں تھا اس پر باغ کا نام بھی بیرحا پڑ گیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے تھے اور اس کنویں کا پانی نوش فرماتے تھے

اب اس باغ کی جگہ تو باب مجیدی کے سامنے اصطفا منزل کے نام سے ایک عمارت بنی ہوئی ہے جس میں زائرین مدینہ قیام کرتے ہیں مگر اس کے شمال مشرق کے گوشے میں یہ بیرحا کنواں اس نام سے اب تک موجود ہے۔

تنبیہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم کراچی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہی نہیں جو محتاجوں اور مسکینوں کو دی جائے بلکہ اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو دینا بھی خیرات اور ثواب کا کام ہے اسی سے متعلق ایک واقعہ لکھا جاتا ہے، حضرت زید بن حارثہ رض اپنا ایک گھوڑا لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ گھوڑا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس کو راہ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں آپ نے اس کو قبول فرمالیا اور ان سے لے کر ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ رض کو دیدیا اس پر حضرت حارثہ رض کچھ دلگیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر میں واپس آگیا مگر آنحضور ﷺ نے ان کو تسلی دی کر تمہارا صدقہ خدا نے قبول کرلیا اس کا تمہیں ثواب مل گیا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ

سب کھانے کی چیزیں نزول تورات کے قبل باستثنا اس کے جس کو یعقوب نے اپنے

إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَىٰةُ ۗ قُلْ

نفس پر حرام کرلیا تھا بنی اسرائیل پر حلال تھیں فرمادیجئے کہ

فَأْتُوا بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٩٣﴾

پھر تورات لاؤ پھر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو

فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰٓئِكَ

سو جو شخص اسکے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کی تہمت لگائے ایسے لوگ

هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٩٤﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۗ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ

بڑے بے انصاف ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہدیا سو تم ملت ابراہیم کا

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

اتباع کرو جس میں ذرا کجی نہیں۔ اور وہ مشرک نہ تھے

واقعہ شان نزول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ ارشاد فرمایا کہ ہم دین ابراہیمؑ پر قائم ہیں تو یہودیوں نے یہ اعتراض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ غلط کہتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت حرام تھا اور آپ اس کو استعمال کرتے ہیں پھر آپ ان کے دین پر کہاں قائم ہیں، اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں جن میں ارشاد ہے کہ جتنی کھانے پینے کی چیزیں (شریعت نے جائز کی ہیں) قوم بنی اسرائیل کے لئے جائز تھیں ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرنا حرام کر لیا تھا جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضرت یعقوبؑ کو عرق النسا کا مرض ہوگیا اس سے شفا حاصل کرنے کے لئے انھوں نے نذر مانی کہ اے میرے پروردگار اگر تو مجھے اس مرض سے چھٹکارہ دیدے تو میں اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیز یعنی اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دوں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی جس میں پوری قوم بنی اسرائیل پر اس کو حرام کردیا گیا

مسئلہ کسی جائز چیز کو نذر کے ذریعہ اپنے اوپر حرام کر لینا حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود سے فرمایا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنی کتاب (توریت) سے اس کو ثابت کرو، دکھاؤ اس میں کیا لکھا ہوا ہے مگر وہ نہ دکھا سکے۔ قرآن عظیم کہتا ہے کہ یہود اسطرح کی باتیں کرکے اللہ پر بہتان لگاتے ہیں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمادیا ہے کہ دین ابراہیم یعنی مذہب اسلام ہی صحیح مذہب ہے اسی کا اتباع کرو

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ

یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو مکہ میں ہے جس کی حالت

هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ

یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہاں بھر کے لوگوں کا رہنما ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے

ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ

اور جو شخص اس میں داخل ہوجاوے وہ امن والا ہوجاتا ہے، اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ

یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی، اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

تمام جہان والوں سے غنی ہیں

افضلیت خانہ کعبہ

ان آیاتِ پاک میں خداوند قدوس نے خانہ کعبہ کی افضلیت کو بہت مختصر اور جامع انداز میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے کہ اس کو ایک افضلیت یہ حاصل ہے کہ دنیا کی تمام عبادت گاہوں میں یہ سب سے پہلی عبادت گاہ ہے، دوسری فضیلت یہ ہے کہ برکت والا ہے دنیوی اور ظاہری اعتبار سے اس میں یہ برکت ہے کہ مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس بنجر زمین اور ریگستان ہونے کے باوجود ہمیشہ اور ہر موسم کے پھل سبزیاں اور تمام ضروریات کی چیزیں ہر وقت آسانی سے مہیا ہوجاتی ہیں، روحانی اور باطنی برکتیں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے ان میں سے بعض کو یہاں لکھا جاتا ہے، عام مسجدوں کے مقابلہ میں خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے چنانچہ ابن ماجہ شریف کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی اپنے گھر میں نماز پڑھے گا تو اس کو ایک نماز کا ثواب ملے گا اور اگر محلہ کی مسجد میں باجماعت ادا کرے گا تو پچیس نمازوں کا ثواب ملیگا اور اگر جامع مسجد میں ادا کرے گا تو پانچسو نمازوں کا ثواب ملے گا اور اگر مسجد اقصیٰ میں ادا کرے گا تو ایک ہزار نمازوں کا ثواب ملیگا اور اگر میری مسجد یعنی مسجد نبوی میں ادا کرے گا تو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملیگا، اور اگر مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ میں ادا کرے گا تو پورے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملیگا۔

حج وعمرہ خانہ کعبہ ہی میں ادا کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ برکت وفضیلت نصیب ہوئی ہے کہ پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ جو مومن حج کو صحیح طریقہ سے ادا کرتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاک وصاف اور معصوم پیدا ہوتا ہے، اسی طرح کعبہ شریف تمام دنیا کے لوگوں کے لئے ہدایت ورہنمائی کا کام کرتا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت میں کعبہ شریف کی طرف رخ کیا جائے تو نماز صحیح ہوجائے گی ورنہ نہیں فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ الآیہ یعنی خود خانہ کعبہ میں اس کی افضلیت کی کھلی نشانیاں موجود ہیں۔

مقام ابراہیم

ایک بہت بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی، حدیث پاک

میں اس پتھر کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ اونچا ہوتا گیا اور جب حضرت ابراہیمؑ نیچے اترنا چاہتے تو یہ نیچا ہو جاتا، اس پتھر میں حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان آج تک موجود ہیں، اور اب یہ پتھر خانہ کعبہ کے قریب ایک کمرہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔

دوسری کھلی نشانی اس کی افضلیت کی یہ ہے کہ جو بھی یہاں داخل ہوتا ہے وہ محفوظ اور امن والا ہو جاتا ہے یہانتک کہ اگر کوئی مجرم یا قاتل بھی اس میں آکر پناہ لے تو اس کو بھی یہاں سزا نہیں دی جائے گی البتہ ایسے طریقے اختیار کئے جائیں گے جس سے خود ہی یہ باہر نکل آئے پھر اس کو سزا دی جائے گی،

تیسری افضلیت یہ بیان کی گئی کہ ان مومنوں پر حج کرنا فرض کر دیا گیا جو خانہ کعبہ تک پہونچنے کی طاقت و وسعت رکھتے ہیں، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور تنبیہ کے فرمایا کہ جو شخص ہمارے احکامات وارشادات کا انکار کرے گا تو ہم اس سے بے نیاز ہیں، اور ظاہر ہے جس سے حق تعالیٰ بے نیاز ہو جائیں تو پھر اس کو کہیں بھی پناہ ملنا ناممکن ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ کی راہ سے ایسے

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَ

شخص کو جو ایمان لا چکا اس طور پر کہ کجی ڈھونڈتے ہو اس راہ کے لئے حالانکہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو،

مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں اے ایمان والو اگر تم کہنا مانوگے کسی فرقہ

تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ

کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تمکو تمہارے ایمان لائے پیچھے

اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

کافر بنا دیں گے اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو حالانکہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام

ایٰتُ اللّٰہِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ هُدِیَ

پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

تو ضرور راہِ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے

تفسیر

ان آیات پاک میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب یعنی یہودیوں سے فرمایا کہ تم ہمارے احکامات کیوں نہیں مانتے کیا تمھیں اسکا علم نہیں کہ ہم تمہارے سب کاموں سے بخوبی واقف ہیں اور کیا تمھیں اس پر یقین نہیں کہ ہم نافرمانوں کو سخت سزا دیں گے اسکے بعد ان کی نافرمانی کا ذکر ہے کہ تم ان لوگوں کو جو ایمان کی دولت سے سرفراز ہو چکے ہیں ان کو کفر و شرک کے اندھیرے میں واپس گھسیٹ کر لانے کی کوشش کرتے ہو، چنانچہ اوس و خزرج کے ساتھ تم نے ایسا ہی کیا۔

یہود کی شرارت کا ایک واقعہ

ان آیات میں یہود کے جن شرارت آمیز واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شمّاس بن قیس یہودی مسلمانوں سے بے پناہ تعصب اور حسد و کینہ رکھتا تھا ایک مرتبہ اس نے کسی مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس و خزرج کو باہمی پیار و محبت اور بھائی چارگی کے عالم میں دیکھا، دیکھتے ہی اسکے حسد کی آگ بھڑک اٹھی کیونکہ یہ دونوں قبیلے پچھلے ایک سو بیس سال سے برابر ایکدوسرے کے خون کے پیاسے تھے بلکہ ان میں برابر قتل و غارت گری رہتی تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوشش کرنے پر ان دونوں قبیلوں کی دشمنی ختم ہوئی اور ایمان کی دولت سے مالامال ہو کر ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھنے لگے۔ بہرحال دونوں قبیلوں کا یہ پیار دیکھ کر اس یہودی سے نہ رہا گیا اور اس نے ان میں پھر سے پرانی آگ بھڑکانے کے لئے ایک تجویز سوچی وہ یہ کہ ان کی باہمی دشمنی کے جو اشعار و واقعات ہیں ان کے سامنے دہرائے جائیں چنانچہ اس کی یہ تجویز کارگر ہوئی اور دونوں قبیلوں میں پھر سے نئی دشمنی کا جوش پیدا ہو گیا قریب تھا کہ یہ اپنی اپنی تلواروں سے ایک دوسرے کی گردن صاف کردیں کہ عین موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی آپ فوراً تشریف لائے اور ان کو سمجھایا کہ یہ دشمنی کی چال ہے جو تم کو پھر سے ہلاکت و بربادی کی طرف پہونچانا چاہتی ہے تم ایمان کی دولت پا کر روشنی میں آگئے ہو کیا پھر سے کفر و شرک کے اندھیرے میں جانا چاہتے ہو میرے ہوتے ہوئے یہ کیا جہالت تم پر سوار ہے، آپ کے یہ کلمات سنکر ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ شیطان کا مکر ہے اور دونوں ایک دوسرے سے پیار و محبت سے گلے ملے۔

ان آیات میں اللہ پاک نے ان کو خوشخبری بھی سنائی کہ جو مضبوطی سے ایمان کو اپنائے رکھے گا تو وہ ضرور ہدایت پائیگا اور جس کو ہدایت مل گئی تو سمجھ لو کہ اس کو ہر طرح کی فلاح و کامیابی اور دولت نصیب ہوگی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا

حالت پر جان مت دینا اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اور باہم

تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً

نااتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى

پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈالدی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم

شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ

لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو

لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو

تفسیر

اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کو اس پر تنبیہ کی گئی تھی کہ یہود اور دوسرے وہ فرقے جو تم کو گمراہی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں ان کی چالاکیوں سے ہوشیار رہو اور اپنے آپ کو گمراہی سے بچائے رکھو۔ اب ان آیات میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو مضبوط بنانے کے لئے دو اصول بیان کئے گئے ہیں ۱۔ تقویٰ ۲۔ آپسی اتحاد و اتفاق۔

تقویٰ کیا ہے

تقویٰ کے معنی بچنے اور ڈرنے کے ہیں اور ان آیات میں ارشاد ہے کہ تقویٰ ایسا کرو جیسا کہ حق تعالیٰ سے تقویٰ کرنے کا حق ہے یعنی ایسے ڈرو جیسے کہ حق تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے، اور حق تعالیٰ سے ڈرنے کا حق کس طرح ادا ہو سکتا ہے اس کی تشریح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے کہ ہر کام میں اللہ کی فرمانبرداری کی جائے کوئی بھی کام اس کے حکم کے خلاف نہ کیا جائے اور خدا کو ہر وقت یاد رکھا جائے اور ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے کسی

بھی وقت ناشکری نہ کی جائے، اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان پورے طور پر مذہب اسلام پر قائم ہو جائے تو تقویٰ کا حق خود بخود ادا ہو جائے گا اور جو یہ فرمایا گیا ہے کہ بجز اسلام کے کسی اور حالت پر جان نہ دینا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ کامل تقویٰ اختیار کرنا یعنی مذہب اسلام پر تا دمِ آخر قائم رہنا۔

آپسی اتحاد و اتفاق

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ باہمی اتحاد و اتفاق اپنے اندر پیدا کریں اب یہ اتفاق کس چیز پر ہونا چاہیئے اس کی وضاحت بھی خود قرآن کریم نے فرما دی وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، خدا کی رسی سے مراد خدا کا وہ مقبول دین اسلام ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا حاصل یہ کہ تمام لوگوں کو چاہیئے کہ مذہب اسلام پر قائم ہو جائیں اور اسکے اندر کسی طرح کی کوئی فرقہ بازی نہ کریں اور آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں تو پھر ہر طرح کی فلاح و بہبودی ان کے قدم چومے گی۔

اسکے بعد اللہ پاک نے اوس و خزرج اور زمانۂ جاہلیت کے عرب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمارا یہ احسان ہے کہ ہم نے تمہاری دشمنی کو دوستی اور الفت و محبت میں بدل دیا، تم جہنم کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے ہم نے وہاں سے ہٹا کر تمہاری جان بچائی مطلب یہ کہ تم کفر پر قائم ہونے کی وجہ سے جہنم کے کنارہ پر کھڑے تھے بس موت آتے ہی تم جہنم میں گر جاتے مگر اللہ پاک نے تم پر احسان فرمایا کہ ایمان کی دولت سے سرفراز فرما کر جہنم کے عذابات سے بچا لیا بس اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے احکامات بیان فرما کر لوگوں کو ہدایت پر لا کر احسان فرماتے رہتے ہیں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا ان کے پاس احکام

الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

واضحہ پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی

تفسیر:- اس سے پہلی آیات میں یہ بیان ہوا کہ مسلمان تقویٰ اور اتحاد کے دامن کو تھام کر اپنی اصلاح

کرے اور اب اس آیت میں ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ دوسروں کی اصلاح کرے حاصل یہ کہ مسلمان پہلے اپنی اصلاح کرے اور پھر دوسرے بھائیوں کی اصلاح کرے کہ ان کو نیکی اور اچھائی کی طرف بلائے برائی اور گناہ کے راستے سے روکے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے خوب واضح ہے، آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ خدائے پاک گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیجے اس وقت تم خدا سے دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کام کے لئے تم میں مستقل ایک جماعت ہونی چاہیئے اور اس جماعت کو بشارت وخوشخبری بھی سنادی کہ یہ کامیاب ہے یعنی عذابات خداوندی سے محفوظ ہو کر جنت کے عیش وآرام لوٹے گی بھلے سے دنیوی چند روزہ زندگانی میں کچھ مشکلات سے دوچار ہونا پڑے بڑے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو اس ذمہ داری کو اپنے اوپر لئے ہوئے ہیں۔

تاکیداً اس بات کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انداز سے سمجھایا کہ اے امت محمدیہ تم ان لوگوں (یعنی یہود ونصاریٰ) کی طرح مت ہوجانا جنھوں نے ہوس اور نفس پرستی کی وجہ سے دین میں اختلاف پیدا کرلیا اور مختلف فرقے بن گئے حالانکہ ان کے پاس پیغمبر کے ذریعہ خدا کے احکامات آچکے تھے، یاد رکھو ایسے لوگوں کو قیامت کے دن دردناک عذاب دیا جائیگا۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ

اس روز کہ بعضے چہرے سفید ہوجاویں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوں گے سو جن کے چہرے سیاہ ہوگئے

وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

ہوں گے ان سے کہا جاوے گا کیا تم لوگ کافر ہوگئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد سو سزا چکھو بسبب اپنے کفر

تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ

کے اور جن کے چہرے سفید ہوگئے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اس

اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا

تم کو پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے اور اللہ ہی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾

کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب مقدمات رجوع کئے جائیں گے

تفسیر قیامت کے دن کچھ لوگوں کے چہرے روشن اور چمکدار ہوں گے یعنی ایمانی نور سے تابناک اور منور ہوں گے یہ وہ حضرات ہوں گے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور اعمال صالحہ کئے ان سے فرمایا جائیگا اب تم اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوجاؤ، اور اس دن کچھ لوگوں کے چہرے تاریک اور سیاہ ہوں گے یعنی کفر کی ظلمت سے کالے اور بھیانک ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے ایمان کو چھوڑکر کفر کو اپنایا ان سے کہا جائیگا اب تم اپنی اس حرکت کا مزہ چکھو اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں پڑے رہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کی ملکیت ہے اسلئے ان پر خدا کی اطاعت وفرمانبرداری لازم ہے ان میں سے جو بھی اس کی نافرمانی کرے گا وہ مستحق عذاب وسزا ہوگا بس خدا کا ان کا فروں، بدکاروں کو جہنم میں پھینک دینا ظلم نہیں بلکہ مناسب سزا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے رہو

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ أَهْلُ

اور بری باتوں سے روکتے رہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے

الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَكْثَرُهُمُ

آتے تو ان کے لئے زیادہ اچھا ہوتا ان میں سے بعضے تو مسلمان ہیں اور زیادہ حصہ ان

الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

میں سے کافر ہیں

افضلیت امت محمدیہ اس سے چند آیت پہلے اللہ پاک نے اس امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم فرمایا تھا اور اب اس آیت میں امت محمدیہ کی افضلیت اور اس کی وجہ بیان فرمائی اور وجہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ اس امت نے دوسروں کی فکر اپنے ذمہ لی ان کی اخلاقی ایمانی روحانی اصلاح اپنا فرض سمجھا، سابقہ تمام امتوں سے زیادہ اس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر

کیا دوسری امتوں نے اس فریضہ میں غفلت برتی مگر یہ امت ہمیشہ اس امر خیر میں لگی رہی اور قیامت تک لگی رہے گی چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت میں قیامت تک ایک ایسی جماعت رہے گی جو برابر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی رہے گی اسکے بعد اللہ پاک نے اہل کتاب کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ بھی دین محمدی اختیار کر لیتے تو اس بہترین امت میں داخل ہو جاتے مگر ان میں سے اکثر بدنصیب نکلے کہ انھوں نے پیغمبر آخرالزماں کے دین کو قبول نہیں کیا، اور بعض ان میں سے خوش نصیب بھی رہے کہ انھوں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر لیا جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ حضرات۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ

وہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا خفیف سی اذیت اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں تو تمکو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائینگے

لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ

پھر کسی طرف سے ان کی حمایت بھی نہ کیجاوے گی۔ جمادی گئی ان پر بے قدری جہاں کہیں بھی پائے جاویں گے مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے

اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

سبب سے جو اللہ کیطرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے اور مستحق ہوگئے غضب الہی کے اور جمادی گئی ان

الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

پر پستی یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق

الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ سے نکل نکل جاتے تھے

تفسیر اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ یہ اہل کتاب یہود وغیرہ جو مذہب اسلام اور اس کے ماننے والوں کے دشمن ہیں یہ ان کو سوائے ہلکی پھلکی تکلیف کے اور کچھ نقصان نہیں پہونچا سکیں گے اور وہ ہلکی پھلکی تکلیف یہ ہے کہ زبان سے بھلا برا کہہ کر مسلمانوں کے دل کو ٹھیس پہونچائیں اور اگر کبھی وہ اس سے زیادہ کی ہمت کریں تو یہ کہ جنگ کے لئے تم سے تیار ہو جائیں گے تو ہم تم کو پہلے ہی بتلا چکے کہ وہ میدان جنگ میں جم نہ پائیں گے بلکہ پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے چنانچہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں کبھی بھی اہل کتاب مسلمانوں پر غالب نہ آسکے بلکہ خود ہی ذلیل وخوار ہوئے ان میں سے

بہت سے قتل کردیئے گئے بہت سے جلاوطن کردیئے گئے اور بہت سے ٹیکس ادا کرتے رہے چنانچہ اسی بات کو اللہ پاک نے اس آیت ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ الآیۃ میں بیان فرمایا ہے کہ ان پر پستی اور ذلت وخواری مسلط کردی گئی جہاں بھی ہوں گے وہ اس سے بچ نہیں سکتے مگر دو ذریعوں سے ایک ذریعہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ یہودی وغیرہ اپنے مسلک کے مطابق عبادت میں مشغول ومصروف رہے کسی مسلمان سے لڑائی جھگڑا نہ کرے تو یہ مامون ومحفوظ ہے اسکے لئے خدائی حکم ہے کہ اسکو جہاد میں قتل نہ کرو اور دوسرا ذریعہ لوگوں کی طرف سے ہے وہ یہ کہ مسلمانوں سے ان کی صلح اور معاہدہ ہوجائے تو اس کی وجہ سے بھی یہ مامون ومحفوظ ہوجائیں گے اگر دوسرے اہل کتاب سے جنگ ہوگی تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اہل کتاب کو ہمیشہ کے لئے ذلیل ورسوا کیوں کیا گیا اس کی وجہ خود حق تعالیٰ نے انہی آیات میں بیان فرمادی ہے کہ انھوں نے ہمارے احکامات کی نافرمانی کی، پیغمبروں کو قتل کیا۔

حقیقتِ ذلتِ یہود قرآن کریم اعلان کررہا ہے کہ یہود ہمیشہ ذلیل وخوار رہیں گے مگر موجودہ دور میں جب ہم اسرائیل کی حکومت دیکھتے ہیں تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ذلیل نہیں بلکہ باعزت وباوقار ہیں اس پیچیدگی کی حقیقت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی حقیقت سمجھی جائے، حکومت وہ کہلاتی ہے جو اپنے بل بوتہ پر قائم ہو اور اسرائیل کی حکومت کی حقیقت اہل یورپ کی مشترکہ چھاؤنی سے زائد کچھ نہیں آج اگر امریکہ وروس اور برطانیہ وغیرہ اس کے اوپر سے اپنا ہاتھ اٹھالیں تو پھر یہ اپنی حکومت کو باقی نہیں رکھ سکیں گے۔

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ

یہ سب برابر نہیں ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں — اللہ کی آیتیں اوقات

اٰنَاءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں — اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں

وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي

اور نیک کام بتلاتے ہیں — اور بری باتوں سے روکتے ہیں — اور نیک کاموں میں

الْخَيْرٰتِ ۗ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

دوڑتے ہیں — اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں سے ہیں — اور یہ لوگ جو نیک کام

فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿١١٥﴾

کریں گے اس سے محروم نہ کئے جاوینگے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتے ہیں

تفسیر اس سے پہلے یہود کی برائی بیان کی گئی تھی اب ان آیات میں ارشاد ہے کہ اس برائی میں تمام یہود شریک نہیں بلکہ ان ہی میں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ دین حق یعنی مذہب اسلام کو اختیار کر چکی تھی اور راتوں کو بیدار ہو کر قرآن مقدس کی تلاوت میں مشغول ہو جاتی تھی، قیامت کو برحق جانتی ہے فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اختیار کئے ہوئے ہے یہی لوگ ہیں کہ اللہ پاک کے نزدیک ان کا شمار پاکباز لوگوں میں ہے۔

شان نزول حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے علماء مثلاً عبداللہ ابن سلامؓ حضرت اسد بن عبیدؓ، حضرت ابن شعبہؓ وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم
جو لوگ کافر رہے ہرگز ان کے کام نہ آدیں گے　ان کے مال　اور نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾
اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ذرا بھی،　اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں　وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے

مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا
وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگانی میں اس کی حالت اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہو اس میں تیز سردی

صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ
ہو وہ لگ جاوے ایسے　لوگوں کی کھیتی کو جنھوں نے اپنا نقصان کر رکھا ہو پس وہ اسکو برباد کر ڈالے اور اللہ تعالیٰ

اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾
نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے ہیں

تفسیر اب ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کفر پر ہی جمے رہے یعنی انھوں نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا اس میں اہل کتاب بھی شامل ہیں کیونکہ اسلام کے آجانے کے بعد کوئی بھی مذہب قابل عمل نہ رہا۔ اسلئے مذہب اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کو اختیار کرنا کفر میں داخل ہے، بہرحال ان تمام کو مخاطب کرکے حق تعالیٰ فرما رہے ہیں ان کا مال و اولاد ہمارے عذاب سے ان کو نہیں بچا سکیں گے وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، کفار کے ثواب کی نیت سے مال خرچ کرنے کو ایک مثال سے واضح فرمایا جسکا حاصل یہ کہ وہ ان کے کسی کام نہ آئے گا کیونکہ کسی بھی عمل کا اللہ کے نزدیک

مقبول ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط ایمان ہے اور کفار اس سے خالی ہیں لہذا ان کا کوئی بھی عمل عند اللہ مقبول نہیں۔

مثال جس طرح کھیتی پر پالا پڑجانے کی وجہ سے جل کر خاک ہوجائے جس سے مالک کا نفع تو رہا ایک طرف اصل بھی غارت ہوجاتی ہے اور اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے بس اسی طرح ان کفار کا حال ہے کہ آج جس مال کو یہ نفع کی خاطر خرچ کر رہے ہیں کل یعنی قیامت کے دن ان کو کوئی نفع نہیں ملیگا اور جو امیدیں اس سے رکھتے ہیں ان سب پر پانی پھر جائیگا، کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہے بلکہ یہ تو ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے جو ان کو ملنی ہی چاہیے تھی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ

اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیت مت بناؤ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی

خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ

دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور

وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ

جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل

تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۸﴾ هَٰٓأَنتُمْ أُو۟لَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَ

رکھتے ہو، ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے

تُؤْمِنُونَ بِٱلْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا۟

حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں کہدیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب الگ

عَضُّوا۟ عَلَيْكُمُ ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا۟ بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ

ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ کے آپ کہدیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ

ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ

میں بے شک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو اگر تمکو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے

تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا۟ بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا۟

لئے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تمکو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم استقلال

وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

اور تقوی کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہونچا سکے گی بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے

مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں

تفسیر ان آیات میں مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تم اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو اپنا بھیدی، راز داں اور مشیر نہ بنائیں کیونکہ یہودی ہوں یا نصرانی، منافقین ہوں یا مشرکین کوئی بھی جماعت ایسی نہیں جو مومنین کی حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد ہو بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر تکلیف اور نقصان پہونچائیں اور دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کر دیں جو حسد اور دشمنی ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے کبھی کبھی تو مارے جلن اور حسد کے کھلم کھلا ایسی ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جس سے ان کی گہری عداوت و دشمنی کا صاف پتہ چلتا ہے بس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے دشمنوں کو اپنا بھیدی بنائے۔

اسکے بعد خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے بالکل محبت نہیں رکھتے تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی امت کی ہوں اور وہ تمہاری کتاب قرآن عظیم کو بھی نہیں مانتے۔ وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں کہدیجئے کہ تم غصہ میں مر رہو بلاشبہ اللہ پاک دلوں کا حال خوب جانتے ہیں۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ایک بات اور بیان فرمائی کہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر تمکو کوئی بھلائی یا اچھائی پہونچ جائے تو ان کو اسکا دکھ ہوتا ہے اور اگر کوئی برائی آگھیرے تو اس سے خوشی ہوتی ہے حاصل یہ کہ یہ لوگ ہر طرح سے مومنوں کے مخالف ہیں اور ان کو ہر طرح کی تکلیف پہونچانے کے ہر وقت درپے رہتے ہیں ایسی حالت میں ان سے دوستی و ہمدردی رکھنا کہاں کی عقلمندی ہے، قرآن کریم کی ان آیات کا منشا یہی ہے کہ ان سے حتی المقدور اپنے کو بچایا جائے، ان ظالموں کے مکر و فریب سے بچنے کا طریقہ بھی انہی آیات میں ارشاد ہے کہ تم صبر اور پرہیزگاری کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھو پھر تم کو ان کی کوئی چال نقصان نہ پہونچا سکے گی اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو ہر طرح کے مصائب و آفات سے محفوظ رکھے اور اس کو صحیح فہم اور عقل سلیم سے نوازے۔ آمین

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ

اور جب کہ آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے مسلمانوں کو مقاتلہ کرنے کے لئے مقامات پر جا رہے تھے

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے تھے سب جان رہے تھے جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ ہمت

وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ

ہار دیں اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہیئے اور یہ بات

بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾

محقق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تم کو منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکرگذار رہو

تفسیر اس سے پہلی آیات میں ذکر ہوا کہ تم اپنے مخالفین اور دشمنوں سے صبر اور تقویٰ اختیار کرکے محفوظ رہ سکتے ہو اب ان آیات میں جنگ احد کا واقعہ بیان فرما کر بتلایا جا رہا ہے کہ دیکھو اس جنگ میں تم نے صبر اور تقویٰ کا دامن چھوڑ دیا تھا جس کی وجہ سے تم کو شکست فاش اٹھانا پڑی اور اس کے مقابل جنگ بدر کا حال بھی تمہارے سامنے ہے کہ تم نے صبر و تقویٰ کا دامن تھامے رکھا تو فلاح و کامیابی نے تمہارے قدم چومے جبکہ تمہاری تعداد ان کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔

واقعۂ جنگ اُحد جنگ اُحد سے پہلے جنگ بدر ہو چکی تھی جس میں کفار مکہ اور قریش کو اللہ پاک نے عبرت آموز شکستِ فاش دی تھی اس میں ان کے ستر آدمی قتل ہوئے اور تقریباً ستر کے قریب گرفتار کیئے گئے اس میں جو سردار قتل ہوئے تھے ان کے رشتہ داروں نے پورے عرب کو غیرت دلائی کہ تمہارے سردار مارے گئے تھے تم کو اس کا بدلہ ضرور لینا چاہیئے چنانچہ یہ معاہدہ طے ہوا کہ جب تک مسلمانوں سے ان کی موت کا بدلہ نہیں لے لیا جائیگا تب تک ہم لوگ چین سے نہیں بیٹھیں گے اور پھر اسکے بعد انھوں نے ایک بڑی جنگ کے لئے تیاری شروع کر دی اور ۳ھ میں انھوں نے تین ہزار آدمیوں کا لشکر گھوڑوں اور ہتھیاروں اور دیگر جنگی ساز و سامان کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر احد پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور آپ کی رائے یہ تھی کہ ہمیں مدینہ پاک ہی کے اندر رہ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے عبداللہ ابن ابی ابن سلول منافق جو مسلمانوں میں شریک تھا اس سے بھی رائے لی گئی اس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق اپنی رائے دی اور کہا کہ مدینہ میں آنا گویا دشمنوں کا جیل خانہ میں آنا ہے اسلئے ہمیں باہر نہیں نکلنا چاہیئے اور یہیں رہ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے جب وہ یہاں آئیں گے تو ہمارے بہادروں کی تلواریں ان پر حملہ آور ہوں گی اور دوسری طرف سے ہمارے تیر اندازی کے ماہرین اپنے تیروں کی ان پر بارش برسادینگے اور اوپر سے عورتیں اور بچے پتھروں کی بارش کریں گے، مگر اس مجمع میں سے کچھ وہ صحابہ کرام

بھی تھے جن کو جنگ بدر میں شرکت کا موقع نہ ملا تھا اور وہ اس ثواب کی محرومی سے بے چین تھے اس لئے ان سب نے مشورہ دیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر وہیں جاکر لڑنا چاہیئے کثرت رائے اس پر ہوئی، بہرحال حضور علیہ السلام اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور کچھ ہی دیر بعد زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اب ان صحابۂ کرام کو جنھوں نے جوش میں آکر مدینہ سے باہر نکلنے کی رائے دی تھی احساس ہوا کہ شاید حضورؐ اپنی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر نکل رہے ہیں لہٰذا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کی رائے کے خلاف آپ کو جنگ کرنے پر مجبور کیا یہ ہم سے غلطی ہوئی اسلئے ہماری درخواست ہے اگر آپ کی رائے نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے، آپ نے فرمایا ایک نبی کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ جنگی ہتھیار لگاکر بلا جنگ کئے ہوئے انھیں اتار دے۔

بہرحال ایک ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر آپ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے مگر کچھ دور پہونچ کر عبداللہ ابن ابی نے کہا کہ جب ہماری رائے مانی نہیں گئی تو ہم آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے اور اپنے ہمراہ تین سو آدمیوں کو لے کر واپس ہوگیا واپس ہونے والوں میں زیادہ تر منافق ہی تھے اور کچھ مسلمان بھی اسکے فریب میں آکر ساتھ ہولئے تھے، اور مسلمانوں میں سے دو جماعتوں بنی سلیمہ اور بنی حارثہ کے دل میں بھی یہ خیال آرہا تھا کہ ہمت ہار دیں مگر اللہ پاک نے ان کا حوصلہ بڑھایا تو یہ شریک رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوئی پرواہ نہ کی اور سات سو کے لشکر ہی کو لے کر میدان جنگ میں پہونچ گئے اور وہاں جاکر صفیں ترتیب دی، اور احد پہاڑ کو پیٹھ کی طرف رکھا اور اس پہاڑ پر پچاس صحابیوں کو چڑھادیا کہ تم ادھر سے دشمنوں کو مت آنے دینا ان پر تیروں کی بارش کردینا، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا افسر بنایا اور ان کو سخت تاکید فرمائی کہ تم یہاں سے مت ہٹنا

اسکے بعد لڑائی شروع ہوئی اور مسلمان دشمنوں پر غالب آگئے دشمنوں میں پھوٹ پڑگئی وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے مسلمانوں نے سمجھا کہ ہمیں فتح مل گئی اور وہ مال غنیمت جمع کرنے لگے ان کو دیکھ کر وہ صحابہ کرام جن کو پہاڑ پر مقرر کیا گیا تھا انھوں نے بھی مورچہ چھوڑنا شروع کردیا ان کے افسر عبداللہ بن جبیرؓ نے حضورؐ کا حکم یاد دلایا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ جنگ جاری رہنے تک تھا اب جنگ بند ہے اور فتح ہوچکی ہے ہمارے ساتھی مال غنیمت جمع کر رہے ہیں ہم بھی چل کر ان کا ہاتھ بٹائیں گے یہ کہہ کر سوا چند آدمیوں کے سب نے مورچے چھوڑ دیئے، کفار کا لشکر جو ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا اس نے دیکھا کہ پیچھے کا راستہ صاف ہے تو وہ پہاڑ کی دراڑ میں سے گھس گیا حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے چند ساتھیوں نے اپنے تیروں کے ذریعہ ان کو روکنا چاہا مگر وہ ریلا کا ریلا ان سے نہ رک سکا اور اندر گھس آیا اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا جو کفار میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ بھی واپس آکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوگئے اس طرح لڑائی کا رخ بدل گیا مگر اب بھی بہت سے صحابہؓ میدان میں ڈٹے ہوئے تھے کہ اچانک کہیں سے یہ خبر اڑی کہ حضورؐ شہید ہوگئے

ہیں اس خبر نے صحابہؓ کے رہے سہے ہوش و حواس بھی ختم کر دیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دس بارہ صحابۂ کرام موجود تھے، کچھ دیر بعد جب صحابۂ کرام مطلع ہوئے کہ حضورؐ باحیات ہیں البتہ کچھ زخمی ہیں اور آپ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا ہے تو تمام صحابہ آپ کے پاس حاضر ہو گئے۔

الغرض مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست فاش اٹھانا پڑی صرف چند مسلمانوں کی بے پروائی، اور صبر و تقویٰ کے دامن کو چھوڑ دینے کی وجہ سے، اسی پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تنبیہ فرمائی ہے جس سے تمام مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے، اخیر میں اللہ پاک نے ہدایت فرمائی کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھو فوج کی کمی و زیادتی پر یقین ہرگز مت رکھو، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی کام کے لئے تدبیر بھی اختیار کرے اور جو کچھ تیاری اور جد و جہد کر سکتا ہو وہ بھی کرے اسکے بعد معاملہ کو خدا کے حوالے کر دے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ

جب کہ آپ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین

آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم

ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اتارے جائیں گے ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور

مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

وہ لوگ تم پر ایکدم آ پہونچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا۔ پانچ ہزار فرشتوں سے جو کہ ایک خاص وضع

مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم

بنائے ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے امداد محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دلوں

بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا

کو قرار ہو جائے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں حکیم ہیں۔ تا کہ کفار میں سے ایک

اقوال و تحقیق

نصرکم اللہ ببدر: میدان بدر مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں تقریباً بیس میل کی دوری پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے زمانہ جاہلیت میں میدان بدر کو اس لئے اہمیت حاصل تھی کہ عرب کے ریگستانی علاقہ میں یہاں پانی فراوانی سے دستیاب ہو جاتا تھا اسی جگہ کے نام سے اس غزدہ کا نام غزوۂ بدر مشہور ہو گیا۔

مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

گروہ کو ہلاک کردے یا ان کو ذلیل و خوار کردے پھر وہ ناکام لوٹ جاویں

تفسیر اس سے پہلی آیات میں مذکور تھا کہ تم ہر اعتبار سے نہایت کمزور تھے مگر خدا نے جنگ بدر میں غیب سے تمہاری نصرت و مدد فرمائی اب ان آیات میں اس مدد غیبی کو یاد دلایا جا رہا ہے

واقعہ جنگ بدر ایمان اور کفر کے درمیان یہ پہلی جنگ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء کو میدان بدر میں لڑی گئی جس کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ ابو سفیان کو مع اسکے قافلہ کے گرفتار کرنے کے ارادہ سے تین سو صحابۂ کرام کو ساتھ لے کر نکلے تھے اس کی ابو سفیان کو خبر مل گئی تو اس نے مکہ میں کہلا بھیجا وہاں کے لوگوں میں جوش بھڑک اٹھا اور وہ تقریباً ایک ہزار آدمیوں کا لشکر بنا کر حضور علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے نکل پڑے، میدان بدر میں کفار اور مسلمانوں کا مقابلہ ہو گیا اور ابو سفیان چالاکی سے اپنے قافلہ کو بچا کر نکل بھاگا اس وقت صحابۂ کرام رض کچھ کم حوصلہ ہوئے کہ ہم تو ابو سفیان کے قافلہ کو گرفتار کرنے کے لئے آئے تھے یہاں اتنی زبردست فوج کا مقابلہ کرنا پڑ گیا نہ ہمارے پاس جنگی ساز و سامان ہے اور ہماری تعداد بھی ان کے مقابلے میں بہت کم ہے ہم صرف ۳۱۳ ہیں اور وہ ہزار سے بھی زائد ہیں اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ خدا تمہاری تین ہزار فرشتے بھیجکر مدد کرے، کیوں نہیں۔ اگر تم صبر کرو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو گے اور کفار جوش میں آکر یکبارگی جوش میں حملہ کریں گے تو خدا پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد فرمائیں گے

اقوال و تحقیق جنگ بدر میں کتنے فرشتے بھیجے گئے اس کی تعداد خود قرآن کریم میں مختلف ہے ۱ ایک ہزار ۲ تین ہزار ۳ پانچ ہزار۔ سورۂ انفال کی اس آیت اِنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار مذکور ہے اور آل عمران کی مذکورہ آیات میں باقی دونوں تعدادیں مذکور ہیں ان میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے مگر حقیقتاً کوئی تعارض نہیں صورت تطبیق یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے دشمنوں کی تعداد ایک ہزار دیکھی تو خدا سے دعا کی خدا نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا اسکے بعد مسلمانوں کو خبر ملی کہ کرز بن جابر اپنے قبیلہ کا لشکر لے کر دشمنوں کی مدد کے لئے آرہا ہے اس سے مسلمان پھر گھبرائے تو خدا نے تین ہزار فرشتے بھیجنے کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم صبر اور تقویٰ کا دامن تھامے ہوگے اور دشمن یکبارگی حملہ آور ہوں گے تو میں تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا، اب رہ جاتا ہے یہ مسئلہ کہ پانچ ہزار فرشتے بھیجے گئے یا نہیں تو اس میں علماء مفسرینؒ کے اقوال دونوں طرح کے ہیں قول اول۔ چونکہ دونوں شرطوں میں سے ایک یعنی یکبارگی حملہ ہونا نہیں پائی گئی اسلئے پانچ ہزار فرشتے بھی نہیں بھیجے گئے۔ قول ثانی اگرچہ وعدہ کی یہ شرط ثانی متحقق نہیں ہوئی مگر پھر بھی حق تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں سے حضرات صحابہ کی نصرت فرمائی۔

ایک شبہ کا ازالہ یہاں پر ذہنوں میں ایک شبہ یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کو تو اللہ پاک نے وہ قوت دی ہے کہ ایک پورے ملک کو تباہ کر سکتا ہے پھر ہزاروں فرشتوں کے بھیجنے کی کیا ضرورت ہوئی اور جب اتنے فرشتے بھیج دیئے گئے تو تمام کافر موت کے گھاٹ کیوں نہ اترے وہ بچ کر کیسے گئے، اس کا جواب ان آیات میں دے دیا گیا، ارشاد خداوندی ہے وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ الآیۃ۔ یعنی فرشتوں کا بھیجنا صرف تمہاری خوشی اور تمہارے دل کے اطمینان کے لئے ہے ورنہ فتح و کامیابی تو خدائے بالا و برتر کے قبضہ و قدرت میں ہے اور پھر ان فرشتوں کو بھیجکر مقصد کافروں سے جنگ کرانا نہیں بلکہ صرف مسلمانوں کو اطمینان اور یقین دلانا تھا کہ فرشتے تمہاری نصرت کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کی دل جمعی بندھی رہے اس لئے مسلمانوں کو بعض چیزیں اس طرح کی دکھائی گئی جس سے ان کا حوصلہ بلند رہا چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ جنگ بدر میں ایک انصاری صحابی رضؓ نے ایک کافر پر حملہ کیا اور اسکے پیچھے دوڑا یہ ابھی اسکے پاس بھی نہ پہونچے تھے کہ اس پر ایک کوڑا غیب سے پڑا اور یہ آواز آئی " اقدم حیزدم " کہ گھوڑے حیزدم آگے بڑھ میں نے اس کافر کو جاکر دیکھا تو وہ مرچکا تھا اس پر کوڑے کا نشان تھا اور اسکا منھ پھٹ چکا تھا، بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابن عباس سے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل ہیں جو گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے مسلح ہیں۔

اس طرح کے اور بہت سے واقعات احادیث پاک میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتوں نے کچھ کام اس طرح کے ضرور کئے جن سے حضرات صحابہ کا حوصلہ بڑھتا رہا پورے طور سے باقاعدہ کفار سے جنگ نہیں کی، اگر مشیت خدا فرشتوں سے جنگ کرانا ہوتی تو کفر اور کافر کا دنیا سے صفایا ہی ہو جاتا

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ

آپ کو کوئی دخل نہیں — یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو متوجہ ہو جائیں اور یا ان کو کوئی سزا دیدیں

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں — اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۳

میں ہے وہ جس کو چاہیں بخش دیں اور جسکو چاہیں عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ تو بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت کرنے والے ہیں

شان نزول جنگ احد میں جب آپ کا دندان مبارک شہید ہو گیا چہرہ زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا تو آپ کی

زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ بھلا وہ قوم کیسے فلاح و کامیابی پا سکے گی جو اپنے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ حالانکہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف بلا رہا ہے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں

دوسرا شان نزول بخاری شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول خدا نے صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہہ لیتے ہیں تو کفار پر بددعا کرتے ہیں کہ خدا فلاں فلاں پر لعنت فرما، اس پر یہ آیات نازل فرمائی گئیں جن میں آنحضرت صلعم سے فرمایا گیا کہ آپ کو کسی کے مسلمان یا کافر رہنے میں کوئی دخل نہیں آپ کو اسکا علم ہے کہ جو آج کافر ہے وہ کل کافر رہے گا یا مسلمان ہو جائیگا اور نہ ہی آپ کے قبضہ میں یہ بات ہے کہ کسی کافر کو مسلمان بنا لیں، پس ایسی صورت میں آپ کو صبر کرنا چاہیئے یہاں تک کہ تیرا رب ان پر اپنی رحمت فرما دے یعنی ایمان کی دولت سے نواز دے یا ان کو دنیا ہی میں سزا دے، بہرحال وہ ظلم بھی بہت بڑا کر رہے ہیں یعنی شرک جیسے عظیم گناہ میں مبتلا ہیں پس یہ تو خدائے اعلیٰ و برتر ہی کی شان ہے کہ وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کی چاہے گرفت کرے وہ بڑی رحمت و مغفرت والا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا

اے ایمان والو سود مت کھاؤ کئی حصے زائد کر کے اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ

اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ اور دوڑو طرف مغفرت کی

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

جو تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اور طرف جنت کی جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین اور وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کیلئے

تفسیر اس سے پہلے آیات میں خدا نے اپنی رحمت و مغفرت کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ سب ہمارا ہے، اور اس آیت میں سود لینے سے منع فرمایا کہ جب خدا تمہیں بخشتا اور تم پر رحم کرتا ہے تو تم بھی اپنے سے کمزوروں پر رحم کھاؤ، قرض کی اصل رقم سے زائد مت لو اور جب سب کچھ خدا کا ہے تو تمہیں مال مل جانے پر اسکا شکر یہ ادا کرنا چاہیئے نہ کہ کسی پر ناحق ظلم و زیادتی کرنے لگے کہ تنو روپے دے کر سوا سو لینے لگو۔ اللہ سے خوف کھاؤ اور اس طرح کی کوئی حرکت مت کرو جس سے خدا ناراض ہوتا ہو شاید

تم کامیاب ہو جاؤ یعنی جنت تمکو نصیب ہو جائے اور دوزخ کی آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے یعنی سود وغیرہ مت لو یہ کام دوزخ میں پہونچانے والا ہے ان تمام خرافات سے علیحدہ ہو کر اللہ اور اسکے رسول کی فرماں برداری کرنا چاہیئے اور مغفرت و جنت کی تلاش و جستجو میں لگے رہنا چاہیئے، یعنی وہ اعمال کرنے چاہئیں جن سے مغفرت ہو جائے اور جنت میں داخلہ کی اجازت ہو جائے۔

جنت کی وسعت

عرضها السموٰت والارض، اس آیت میں جنت کی چوڑائی کا ذکر ہے کہ اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے انسان کے دماغ میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت آہی نہیں سکتی اسلئے سمجھانے کے لیے جنت کی چوڑائی کو اس سے تشبیہ دی کہ تمام آسمان و زمین اس میں سما سکتے ہیں اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب اس کی چوڑائی اس قدر ہے تو اس کی لمبائی کا کیا حال ہوگا خدا ہی بہتر جانتا ہے

ہرقل بادشاہ نے حضور ؐ کی خدمت میں ایک سوال بطور اعتراض لکھ کر بھیجا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے یہ تو فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور صلعم نے جواب دیا کہ سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے

جنت میں کن لوگوں کو داخلہ ملے گا اسکے متعلق قرآن کہتا ہے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ جنت پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اپنے مولیٰ کی مرضی پر جان تک نثار کر دیتے ہیں اور اسکی مرضی کے خلاف کوئی کام ہرگز نہیں کرتے۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ

ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور غصے کے ضبط کرنے والے

الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ

اور لوگوں سے درگذر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے اور ایسے لوگ جب

اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے

لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا

گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ

اور وہ جانتے ہیں ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں کہ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾

ان کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی یہ ہمیشہ ہمیشہ ان ہی میں رہینگے اور یہ اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا

تفسیر اس سے پہلے ذکر ہوا کہ جنت متقی کیلئے تیار کی گئی ہے اب ان آیات میں متقی کی خاص صفات اور علامات بتلائی گئی ہے متقی کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے کا ایسا عادی ہو چکا ہوتا ہے کہ اسے فراخی ہو یا تنگی ہر حال میں اپنی ہمت کے مطابق خرچ کرتا رہتا ہے زیادہ میں سے زیادہ اور کم میں سے کم۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انگور کا ایک دانہ راہ خدا میں خیرات کیا کیونکہ اس وقت ان کے پاس اسکے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ تنگی کی حالت میں بھی راہ خدا میں خرچ کرنے کی عادت ختم نہیں ہوتی اور بہت ممکن ہے کہ اس کی برکت سے اللہ پاک تنگی دور کرکے فراخی نصیب فرما دے اور اس طرح راہ مولی میں خرچ کرنے کی جس کو عادت پڑ جاتی ہے وہ ہمیشہ اپنی ذات سے دوسروں کو نفع ہی پہونچائیگا کبھی کسی کے نقصان اور تکلیف کے درپے نہیں ہوگا اور نہ ہی کبھی کسی کا کوئی حق اور مال وغیرہ ناحق دبائے گا۔

متقی کی اس پہلی صفت کا حاصل یہ نکلا کہ وہ دوسروں کو نفع پہونچانے کی فکر میں رہتا ہے چاہے ان پر فراخی ہو یا تنگی۔

دوسری صفت اور علامت یہ ہے کہ اگر ان کو کوئی ستائے اور تکلیف پہونچائے تو وہ غصہ میں نہیں بھر جاتے اور نہ ہی اس سے بدلہ وانتقام کا جذبہ ان میں پیدا ہوتا ہے۔ اور خوبی کی بات یہ ہے کہ اس کو دل سے معاف بھی کر دیتے ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس تکلیف پہونچانے والے کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ بھی فرماتے ہیں، اس ایک صفت میں تین صفتیں آگئی ہیں ۱۔ غصہ پی جاتے ہیں ۲۔ معاف کر دیتے ہیں ۳۔ مہربانی اور احسان کا معاملہ کرتے ہیں۔

ایک عبرت آموز واقعہ امام بیہقی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علی بن حسینؓ کا ایک بڑا ہی عجیب وغریب اور عبرت انگیز قصہ لکھا ہے، فرمایا حضرت علیؓ کی ایک باندی آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علیؓ کے اوپر گرا جس سے آپ کے تمام کپڑے تر ہو گئے، غصہ آنا انسانی فطرت تھی باندی کو اندیشہ ہوا تو اس نے فوراً یہی آیت وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (غصہ کو ضبط کرنے والے) پڑھ دی یہ سنتے ہی آپ کا غصہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا

اسکے بعد باندی نے آیت کا دوسرا ٹکڑا پڑھ دیا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (اور لوگوں کو معاف کرنے والے) آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو دل سے معاف بھی کیا، باندی بہت ہی ہوشیار اور سمجھدار تھی اس نے اسکے بعد اس آیت کا تیسرا ٹکڑا بھی پڑھ دیا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے) آپ نے فرمایا، جا میں نے تجھے آزاد کیا۔

لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دینا انسانی اخلاق میں بہت بڑا درجہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے ایک حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی ہوگی کہ جس شخص کا اللہ پر کوئی حق ہو وہ کھڑا ہوجائے تو اس وقت وہ شخص کھڑے ہوں گے جنھوں نے لوگوں کی خطاؤں اور ظلم و زیادتی کو دنیا میں معاف کیا ہوگا ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسکے محل جنت میں اونچے ہوں اور اسکے درجے بلند ہوں تو اسکو چاہیئے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اسکو معاف کر دے اور جس نے اس کو کچھ نہ دیا ہو اسکو تحفہ ہدیہ دیا کرے اور جس نے اس سے تعلقات ختم کر دیئے ہوں یہ ان سے ملنے میں پرہیز نہ کرے، قرآن حدیث کی ان پاکیزہ تعلیمات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور آپ کی امت کی پاکباز شخصیتوں نے پورا پورا عمل کر کے دکھا دیا یہاں امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا ایک واقعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو ایک شخص نے بھرے بازار میں گالیاں دیں اور آپ کی شان میں گستاخی کی امام صاحبؒ نے غصہ کو ضبط کیا اور اس کو کچھ نہ کہا اور گھر آکر ایک تھال میں اشرفیاں بھر کر اس شخص کے مکان پر تشریف لے گئے اور اس تھال کو اسکے سامنے پیش کر کے فرمایا بھائی آج تم نے میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اپنی نیکیاں مجھے دیدیں اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے میں یہ اشرفیاں تمکو دے رہا ہوں، امام صاحبؒ کے اس سلوک سے اس کے دل پر گہرا اثر پڑا بے حد شرمندہ ہوا امام صاحبؒ سے معافی مانگی اور ہمیشہ کے لئے اپنی اس گندی خصلت کو چھوڑ دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر علم حاصل کرنے لگا یہاں تکہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کر لی۔

یہاں تک ان اوصاف کا ذکر تھا جو انسانی حقوق سے متعلق ہیں اسکے بعد ان اوصاف کا ذکر ہے جو خدائی حقوق سے متعلق ہیں ارشاد ہے کہ یہ متقی اول تو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ ہو بھی جاتا ہے تو وہ خود ہی تین کام کرتے ہیں اوّل خدا کا ذکر کرتے ہیں کہ اس کی تجلی سے وہ گندگی دور ہوجاتی ہے جو روح پر آگئی ہے، دوم اپنے گناہ سے توبہ واستغفار کرتے ہیں اپنے خدا سے گڑگڑا کر معافی مانگتے ہیں۔ سوم جو گناہ ہوگیا اس پر اڑتے نہیں بلکہ نادم و شرمندہ ہوتے ہیں اور آئندہ اس سے بچے رہنے کا پختہ ارادہ کرتے ہیں۔

اخیر آیت میں ان متقی حضرات کا انجام بیان فرمایا گیا کہ ان کو یہ جزا ملے گی کہ خدا کی طرف سے بخشش کا پروانہ ملیگا اور پھر یہ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے وہاں ایسے باغ ہوں گے کہ ان کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ حضرات ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہیں گے اور ہر طرح کا عیش و آرام لوٹتے رہیں گے اللہ پاک ہم گنہگاروں کو بھی نصیب فرمائے اللّٰھم آمین۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ

بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق گزر چکے ہیں تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ آخر انجام

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (۱۳۷) هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ

تکذیب کرنے والوں کا کیسا ہوا یہ بیان کافی ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے

لِلْمُتَّقِينَ (۱۳۸) وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ

خاص خدا سے ڈرنے والوں کیلئے اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے

مُؤْمِنِينَ (۱۳۹) إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ

مومن رہے اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ

اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں

آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ (۱۴۰)

اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے

وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ (۱۴۱) أَمْ حَسِبْتُمْ

اور تاکہ میل کچیل سے صاف کردے ایمان والوں کو اور مٹادیوے کافروں کو ہاں کیا تم یہ خیال

أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہوگے، حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے

وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (۱۴۲) وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ

جہاد کیا ہو اور نہ انکو دیکھا جو ثابت قدم رہے اور تم تو مرنے کی تمنا کر رہے تھے موت کے سامنے آنے سے پہلے

قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ص فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۱۴۳)

سو اس کو تو کھلی آنکھوں دیکھ لیا تھا

تفسیر جنگ احد میں مسلمانوں کو جو شکست ہوگئی تھی اس سے یہ بہت غمگین اور رنجیدہ تھے۔ ان کی ہمتیں ٹوٹ چکی تھیں اور آئندہ کے لئے یہ اندیشہ تھا کہ یہ حضرات ہمت نہ ہار جائیں اس لئے اللہ پاک نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے اور ان کا حوصلہ بڑھایا ہے ارشاد ہے کہ تم سے پہلے بھی مختلف قوموں کے لوگ رہے ہیں، تم اس دنیا میں گھومو اور دیکھو کہ خدا کو جھٹلانے والوں یعنی کافروں کا انجام کیا ہوا تم دیکھو گے کہ وہی ہلاک و تباہ ہوئے ان کی بستیاں ہم نے الٹ دیں اور اجاڑ دیں اور خدا کے ماننے والوں کو آخر فتح ہوئی ایک زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے حواریوں کو قتل کیا جاتا تھا اور پھر وہ وقت آیا کہ چاروں طرف حضرت عیسیٰ ؑ ہی کی بادشاہت و سلطنت پھیل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون نے کیا ظلم نہیں کیا لیکن آخرکار فلاح و کامیابی حضرت موسیٰ اور ان کے ماننے والوں ہی کو نصیب ہوئی فرعون اور اسکے ماننے والے غرق ہوئے۔ پس اے مسلمانو! اگر تم کو جنگ احد میں ناکامی ہوگئی ہے تو اس پر غمگین ہو کر مت بیٹھو ذرا سوچو تو صحیح، ایک سال پہلے تم بھی تو کفار کو جنگ بدر میں ناکام کر چکے ہو، دنیا کے دن ہمیشہ برابر نہیں رہا کرتے کبھی راحت ہے تو کبھی مصیبت بھی ضرور آتی ہے، بہرحال انجام کار تم ہی غالب رہو گے اور پھر اس شکست و ناکامی میں تمہارے رب کی کچھ مصلحتیں اور حکمتیں بھی پوشیدہ تھیں۔ اول یہ کہ ایماندار دلوں کا امتحان لینا مقصود تھا۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں سے گناہوں کا میل کچیل صاف ہو جائے، تیسرے یہ کہ تم میں کچھ حضرات جام شہادت پینے کیلئے شوق مند تھے ان کو شہیدی کا درجہ نصیب ہو جائے، چوتھے یہ کہ کفار مٹ جائیں، وہ اس طرح کہ آج انھیں جو فتح ہوئی ہے اس سے پھر مقابلہ میں آئینگے اور ہم تمہارے ذریعہ ان کو ہلاک کرا دیں گے اور پھر اسلئے بھی کہ ہمیشہ سے حق کی یہ تاثیر رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی جماعت حقہ کا خون بہا ہے وہیں وہ ایک نیا رنگ لایا ہے چنانچہ خدا کی اس پیشین گوئی کے مطابق کہ "انجام کار تم ہی غالب رہو گے" ایک ایسا وقت آیا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں پورے عرب اور دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کی باگ ڈور آ گئی۔

اسکے بعد ارشاد خداوندی ہے کیا تم یہ خیال دل میں جمائے بیٹھے ہو کہ یوں ہی بلا کسی آزمائش کے جنت میں داخل ہو جاؤ گے، نہیں نہیں بلکہ اس کے لئے تمھیں ہر وہ قربانی دینی پڑے گی جس کا حکم خدا فرمائے گا، جہاد کا حکم ہوگا تو جنگ میں جا کر شہید ہونا پڑے گا اور اگر کسی وقت یہ حکم نہیں ہے تو شریعت مطہرہ کی بھی پابندی کرکے جنت میں جانے کے مستحق بن سکو گے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ

اور محمد نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپ کا

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى

انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہی ہوجائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جاویگا

عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾

تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور خدا تعالیٰ جلد ہی عوض دیگا حق شناس لوگوں کو

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ

اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدون حکم خدا کے اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ

اور جو شخص دنیاوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اسکو دنیا کا حصہ دیدیتے ہیں اور جو شخص اخروی نتیجہ چاہتا ہے تو اس کو

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٥﴾

آخرت کا حصہ دینگے اور ہم بہت جلد عوض دینگے حق شناسوں کو

شانِ نزول

جنگ احد میں ابن قمئہ حارثی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا تو حضرت مصعب بن عمیر نے اس کو ہٹانا چاہا تو اس نے مصعبؓ کو قتل کر دیا اس کمبخت نے اپنے ساتھیوں میں جاکر کہا کہ میں (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آیا ہوں، یہ خبر بجلی کی طرح تمام مسلمانوں میں پھیل گئی اس سے صحابہؓ کو بہت بڑا جھٹکا پہونچا اور وہ ہمت چھوڑ بیٹھے اور میدان جہاد سے واپس لوٹنے لگے اور دوسری طرف منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ محمد نبی نہیں تھے اگر وہ نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے، دیکھو مسلمانوں تم کفار و مشرکین میں مل جاؤ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں، خدا تو نہیں، جس پر قتل یا موت ممکن نہ ہو، آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں اسی طرح آپ بھی ایک روز گذر ہی جائیں گے، سو اگر آپ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہوجائیں تو کیا تم لوگ جہاد یا اسلام سے پھر جاؤ گے اور یاد رکھو جو شخص جہاد یا اسلام سے الٹا پھر جائیگا تو وہ خدا کا کوئی نقصان نہ کرے گا بلکہ اپنا ہی کچھ کھو دیگا اور پھر اللہ کے یہاں ہر ایک کی موت کا وقت لکھا ہوا ہے نہ اس سے پہلے کسی کی موت آسکتی ہے نہ اسکے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے پھر کسی کی موت سے اس قدر پریشان نہ ہونا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ

یہ موت خدا کے حکم سے ہوئی ہے اور ہمیں خدا کے حکم پر راضی رہنا چاہیئے۔
اس میں تنبیہ فرما دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہ ایک دن تو اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں آپ کے بعد بھی مسلمانوں کو دین پر قائم رہنا ہے آپ کی وفات کی افواہ پھیل جانے میں ایک قدرتی راز یہ بھی تھا کہ آپ کے جو حالات حضرات صحابہ پر پیش آسکتے تھے وہ آپ کو دنیوی حیات ہی میں ظاہر کر دیئے گئے تاکہ ان میں جو لغزش ہو اسکی اصلاح خود حضور کی زبان مبارک سے ہو جائے اور آئندہ جب یہ واقعۂ وفات حقیقت میں پیش آئے تو اس قسم کی قرآنی آیات کو پڑھ کر ہوش وحواس پر قابو میں لائے چنانچہ ایسا ہی ہوا، بخاری شریف میں ہے کہ جس وقت حضور علیہ السلام اس دنیا سے کوچ فرما چکے اور آپ کی وفات کی خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہونچی تو آپ مسجد میں پہونچے وہاں لوگوں کی حالت زار دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آئے اور حضور پُر نور کے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر بیساختہ بوسہ لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا آپ پر دوبارہ موت نہ لائے گا جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آچکی ہے اسکے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ تقریر فرما رہے ہیں ان سے فرمایا خاموش ہو جاؤ اور پھر آپ نے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الآیہ تلاوت فرمائی، حضرات صحابہ کا بیان ہے کہ ہمیں ایسا لگا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ واقعتاً آپ ہم سے رخصت ہو کر اپنے خدا سے جا ملے۔
وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا الآیۃ اس آیت میں ان صحابۂ کرام کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جن کو پہاڑی پر تیراندازی کے لئے مقرر فرمایا تھا مگر انھوں نے پہلی فتح کے وقت جب صحابۂ کرام کو مال غنیمت جمع کرتے دیکھا تو اپنا مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے لگے ان کے متعلق ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا بدلہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا میں کچھ حصہ دیدیتے ہیں اور جو آخرت کا ثواب چاہتا ہے تو اس کو آخرت کا ثواب دے دیتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ ان سے یہ غلطی ہوئی کہ انھوں نے وہ کام چھوڑ کر جس پر رسول خدا نے ان کو مقرر کیا تھا مال غنیمت جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے، اگرچہ حقیقتاً مال غنیمت اکٹھا کرنا خالص دنیا طلبی نہیں بلکہ مال غنیمت جمع کرنا اور پھر اسکو اس کے مصرف میں خرچ کرنا جہاد ہی کا ایک حصہ ہے اور عبادت وثواب کا کام ہے اور پھر ان حضرات کا مال غنیمت جمع کرنا دنیوی لالچ سے نہ تھا کیونکہ ان کو جو حصہ اب ملتا وہی جب ملتا۔
بس خدا نے ان کے متعلق یہ بات صرف اسلئے فرمائی کہ ان کو پوری امت محمدیہ کا مقتدیٰ بنانا تھا اس لئے ان کی معمولی سی لغزش پر بھی گرفت فرما کر ان کے اعمال واخلاق کو اس درجہ بلند کر دیا کہ اس پر طمع دنیا کا کسی بھی طرح کا کوئی گرد وغبار نہ رہ سکے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے لڑے ہیں سو نہ تو ہمت ہاری انھوں نے ان مصائب

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ

کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئے اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے

يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

مستقل مزاجوں سے محبت ہے　اور ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انھوں نے عرض کیا

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے اور ہمکو ثابت قدم

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ

رکھیے اور ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجیے　سو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ

ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکوکاروں سے محبت ہے

تفسیر ان آیات میں بھی مجاہدین جنگ احد سے خطاب ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کے امتیوں نے شریک ہو کر کفار سے جہاد کیا، تمھاری طرح ان کو بھی طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری برابر راہ خدا میں لڑتے رہے یاد رکھو اس طرح کے لوگ حق تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اور پھر وہ اتنیں اپنے پروردگار سے برابر دعائیں بھی کرتی رہیں کہ ہمارے پچھلے گناہوں کو بخش دے اور اس جہاد میں ہم سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں اس کو معاف فرما دے اور ہمیں استقلال و ثابت قدمی سے نواز دے ہمیں دشمنان اسلام پر غلبہ و فتح نصیب فرما۔

میدان جہاد میں مستقل مزاجی سے جمے رہنے اور اس عاجزانہ دعا کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو دنیوی کامیابی بھی عطا فرمائی کہ دشمنوں پر غالب بھی عنایت فرمائی کہ جنت اور رضا مولیٰ نصیب ہوئی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ

اے ایمان والو　اگر تم　کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو　الٹا پھیر دینگے

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ

پھر تم ناکام ہو جاؤ گے — بلکہ اللہ تعالیٰ تمھارا دوست ہے

وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے

منافقین کی سازش جنگ احد میں جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر اڑی تو صحابہ کرام اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے، صحابہ رض کی اس عالم بے خودی سے منافقین نے فائدہ اٹھانا چاہا اور مجاہدین صحابہ رض کے دلوں میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کی کہ محمد عربی اگر خدا کے نبی ہوتے تو ان کا انتقال نہ ہوتا۔ بس تم کو چاہئے کہ اپنا پہلا دین اختیار کرلو اور اپنے کفار ومشرکین بھائیوں سے جا ملو اس سے جنگ کا سلسلہ بھی بند ہو جائیگا۔ منافقین کی اس سازش سے مسلمانوں کو اللہ پاک نے ان آیات میں ہوشیار کیا ہے کہ یہ تمھارے دشمن ہیں تم ان کی باتوں کی طرف دھیان نہ دو ان کے کسی مشورہ پر عمل مت کرو اگر تم ان کے کہنے پر چلو گے تو یہ تمکو ایمان سے نکال کر کفر کی گھاٹی میں لے جائیں گے اور پھر تم ہر اعتبار سے ناکام ہو جاؤ گے دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہو گے اور آخرت میں بربادی تو ہے ہی، بس تم کو تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد وبھروسا کرنا چاہیئے۔ وہی سب سے بہترین معاون ومددگار اور ناصر وولی ہے۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا

ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں ہول کافروں کے دلوں میں بسبب اسکے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ایسی چیز کو

لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ٹھیرایا جس پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی، ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے بے انصافوں کے لئے

تفسیر پچھلی آیت میں خدا کے مددگار ہونے کا ذکر تھا اس آیت میں مدد خدا کا ذکر ہے کہ ہم نے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے ڈر، دہشت اور رعب ڈال دیا ہے، اور یہ رعب ہم نے اس وجہ سے ڈالا کہ انھوں نے ہمارا شریک بنا رکھا ہے جس کی ان کے پاس کوئی قابل قبول دلیل بھی نہیں ہے، ہم اسکو جہنم کا سخت عذاب دیں گے

شان نزول اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہو رہی تھی یہ دشمن بلا کسی ظاہری وجہ سے کہ شہر کی طرف لوٹ گئے اور پھر راستہ میں جا کر

اپنی بے وقوفی پر شرمندگی اور افسوس ہوا تو پھر مدینہ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو ان کے دلوں پر اللہ پاک نے ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھنے کی ہمت ہوئی اور ایک راہ چلتے گاؤں والے سے کہا کہ تجھے ہم اتنا مال دیں گے تو مدینہ جا کر مسلمانوں کو ڈرا دینا کہ کفار لوٹ کر مدینہ کی طرف آرہے ہیں مگر یہاں پہلے ہی حضور علیہ السلام کو پورا واقعہ حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بتلا دیا تھا، لہٰذا حضورؐ ان کا پیچھا کرنے کے لئے مقام حمراء الاسد تک پہونچے مگر وہ بھاگ چکے تھے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جس وقت تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے یہاں

فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ

تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اسکے کہ تمکو تمھاری دلخواہ بات

مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

دکھلا دی گئی، تم میں سے بعض تو وہ شخص تھے جو دنیا کو چاہتے تھے اور بعض تم میں وہ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ

اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کیلئے اپنی نصرت کو بند کر لیا اور پھر تمکو ان کفار سے ہٹا دیا تاکہ خدا تمھاری آزمائش فرمادے

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تم کو اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر۔

شانِ نزول | جنگ احد سے جب مسلمان مدینہ میں واپس لوٹے تو منافقوں نے طعنہ کشی شروع کی اور کہنے لگے کہ جنگ میں خدا نے مدد کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ کہاں گیا جو تم شکست کھا کر واپس لوٹے ہو، ان آیات میں حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہے کہ تمھارے پروردگار نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، خدا کی نصرت ہی کے بدولت اے مسلمانو تم کفار کو قتل کئے جا رہے تھے اور ان پر غالب ہی آتے جا رہے تھے اور اپنی محبوب پسندیدہ چیز فتح کو بھی تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا مگر تم خود ہی کمزور پڑ گئے اور حضور کے حکم کے خلاف الگ الگ رائے قائم کرلی تم میں سے جن پچاس کو پہاڑ پر مقرر کیا تھا ان میں سے کچھ نے غلط فہمی کی وجہ سے اپنے مورچے چھوڑ دیئے، بس اپنے پیغمبر کے حکم کے مطابق نہ چلنے کی وجہ سے تمکو شکست کا منھ دیکھنا پڑا، اور بعض تم میں سے وہ بھی تھے جو دنیا

چاہتے تھے یعنی مال غنیمت جمع کرنے لگے، مال غنیمت جمع کرنا حقیقت میں دنیا طلبی نہیں جیسا کہ اس کی پوری وضاحت سابقہ آیت میں بیان ہوئی مگر چونکہ بڑوں کی تھوڑی لغزش بھی بڑی سمجھی جاتی ہے ان کے معمولی جرم کو بھی بڑا سخت جرم قرار دے کر عتاب و خطاب کیا جاتا ہے ایسا ہی ان حضرات صحابہ رضؓ کے معاملہ میں ہوا کہ مال غنیمت جمع کرنے میں بہرحال کچھ نہ کچھ مال کی طمع اور دنیوی منفعت کا تعلق ضرور تھا اسلئے ان کے حق میں اس کو دنیا طلبی تصور فرماکر ان سے اسی لہجہ میں خطاب فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یقین جانو تمھارے رب نے تمکو معاف فرمادیا ہے تمھاری اس لغزش پر اب تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور ہم تو اسی طرح مسلمانوں کے حالات پر اپنا فضل و کرم فرماتے رہتے ہیں۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي

وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمھارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار

أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا

رہے تھے سو خدا تعالیٰ نے تمکو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمھارے ہاتھ سے نکل

مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾

جائے اور نہ اس چیز پر جو تم پر مصیبت پڑے اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمھارے کاموں کی

تفسیر جنگ احد میں جب یہ خبر پھیل گئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے تو صحابہ کرام کے دلوں میں یہ بات آئی کہ اب لڑکر کیا کریں گے اسلئے وہ میدان جنگ سے لوٹ گئے یہ حضرات کچھ ہی دور پہنچے تھے کہ رسول خدا نے ان کو پیچھے سے پکارنا شروع کیا مگر یہ ایسے بدحواس و غمگین ہوچکے تھے کہ آپ کی آواز نہ پہچان سکے، یا نہ سن سکے اس لئے رکے نہیں اس کے بعد حضرت کعب بن مالک رضؓ نے ان کو آواز دی اور یہ کہا کہ حضور باحیات ہیں یہ سن کر سب کو اطمینان و تسلی ہوئی اور فوراً ہی واپس ہوکر آپ کے پاس حاضر ہوگئے، اس کو اللہ پاک نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ تم نے ہمارے پیغمبر کو غم دیا کہ ان کی آواز نہیں سنی اگر مستقل مزاج رہتے تو سن سکتے تھے اسلئے ہم نے تمکو غم دیا اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے تاکہ مصیبت برداشت کرنے میں یہ حضرات پختہ ہوجائیں اسکے بعد ہدایت فرمائی کہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اس پہ غمگین مت ہوا کرو اور نہ ہی مصیبت پڑنے پر کسی طرح کا غم کیا کرو کیونکہ اسکا انجام بدحواسی ہوتا ہے جس سے اپنا ہی نقصان ہے اور پھر مومن کا یقین ہے کہ اسکے حق میں جو کچھ ہورہا ہے وہ سب منجانب اللہ ہے لہٰذا اس پر خوش رہنا چاہیئے اللہ پاک ہر شخص کے کام سے خوب واقف ہے اس لئے جو مناسب جزا و سزا

اسکے کام کی سمجھتا ہے دے دیتا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى

پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین بھیجا یعنی اونگھ کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہوا اور ایک جماعت

طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

وہ تھی کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑی ہوئی تھی وہ لوگ اللہ کے ساتھ خلاف واقع خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ

کا خیال تھا وہ یوں کہہ رہے تھے کہ کیا ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے وہ

مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا

لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اگر ہمارا

يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا

کچھ اختیار چلتا۔ تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے، آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں

هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ

بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف نکل پڑتے

الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

جہاں وہ گرے ہیں اور یہ جو کچھ ہوا اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

اور تاکہ تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔ یقیناً

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ

تم میں سے جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اسکے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی

الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

کہ ان کو شیطان نے لغزش دیدی ان کے بعض اعمال کے سبب سے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا

غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے حلم والے ہیں ۔

مجاہدین جنگ احد پر خدا کا انعام مشرکین عرب اور کفار جب میدان جنگ سے واپس ہوگئے تو مجاہدین صحابہ رض پر حق تعالیٰ نے اونگھ طاری فرمادی جس سے ان کا تمام غم وفکر جاتا رہا اور ایک نیا چین اور سکون نصیب ہوا ۔ حضرت ابوطلحہ رض فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں سے تلواریں گر گر جاتی تھیں ۔ ایسے وقت میں نیند اور اونگھ کا آجانا جبکہ چاروں طرف سے پریشانی وغم گھیرے ہوئے ہو بس یہ خدائے تعالیٰ کا ان مجاہدین صحابہ رض پر خاص قسم کا احسان وانعام تھا ورنہ اسی جنگ میں جو منافقین شریک تھے اس احسان سے محروم رہے اونگھ ان کے قریب بھی نہ آئی وہ ہائے ہائے ہی کرتے رہے اور کہہ رہے تھے کہ اگر ہماری رائے پر عمل کیا جاتا تو یہ نوبت نہ آتی ، ہم لوگ یہاں قتل نہ کئے جاتے اس کا جواب حق تعالیٰ نے ان آیات میں دیا ہے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کیلئے قتل ہونا لکھا جاچکا تھا وہ ان مقامات پر جہاں وہ اب قتل ہوئے ہیں اپنے گھروں سے خود نکل نکل کر آتے اور قتل ہوتے اور پھر اللہ تعالیٰ کو تمہاری آزمائش بھی کرنا تھی چنانچہ مصیبت کے وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مومنین کا ایمان اور بڑھ گیا ۔

جنگ احد میں شکست کی وجہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا الآیۃ : اس آیت میں حق تعالیٰ نے جنگ احد میں شکست وناکامی کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس دن تمہاری بعض خطاؤں یعنی حضور ﷺ کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے شیطان نے تمہیں لغزش میں مبتلا کردیا تھا جس کے نتیجہ میں تمکو کامیابی سے ناکامی کی طرف جانا پڑا ، اسی کے ساتھ صحابۂ کرام کی تسلی اور ان کا مقام بلند کرنے کے لئے یہ بھی فرمادیا کہ ہم نے تمہاری اس لغزش کو درگذر کیا واقعی اللہ تعالیٰ بہت ہی معاف کرنے والے ہیں ۔

صحابہ کی شان حضرات صحابۂ کرام کے متعلق اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اگرچہ یہ حضرات گناہوں سے معصوم نہیں ان سے بڑے گناہ بھی ہوسکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں لیکن اس کے باوجود امت کیلئے یہ جائز نہیں کہ ان کی طرف کسی برائی اور عیب کو منسوب کیا جائے ، جب اللہ اور اس کے رسول نے ان کی اتنی بڑی خطا ولغزش کو معاف فرماکر ان کے ساتھ لطف وکرم اور انعام واکرام کا معاملہ فرمایا اور ان کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہوگیا وہ اللہ سے) کا مقام عطا فرمایا تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رض کے سامنے کسی نے جنگ احد کے واقعہ کا ذکر کرکے بعض صحابہ پر طعن کیا کہ میدان

چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جس بات کو حق تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے اس پر طعن کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا

اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو کہ کافر ہیں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت

لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا

جب کہ وہ لوگ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں کہ اگر یہ

عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ

لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب میں موجب

قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

حسرت کر دیں، اور مارتا اور جلاتا تو اللہ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو بالضرور اللہ تعالیٰ کے پاس مغفرت اور رحمت ان چیزوں سے

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ

بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں اور اگر تم لوگ مر گئے یا مارے گئے تو بالضرور اللہ ہی کے پاس

تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جمع کئے جاؤ گے

تفسیر

پچھلی آیت میں گزرا کہ منافقین نے یہ کہا تھا کہ اگر ہماری رائے مانی جاتی تو ہم قتل نہ ہوتے ایسی باتیں سننے میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں کچھ شکوک و شبہات نہ پیدا ہو جائیں اس لئے ان آیات میں اس طرح کی باتوں پر عقیدہ نہ رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے

منافقین اپنی برادری کے ان لوگوں کے متعلق جو سفر میں مر گئے یا جنگ میں قتل ہو گئے کہا کرتے تھے کہ اگر یہ ہمارے پاس اپنے گھروں میں رہتے تو یہ نوبت نہ آتی کہ ان کو موت کا منھ دیکھنا پڑتا، اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ اس طرح کی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ حسرت اور افسوس ہی ہوتا ہے. جو ایک روحانی عذاب ہے اور پھر فرمایا کہ مارنا اور زندہ رکھنا یہ تو ہمارے ہاتھ میں ہے ہاں اگر تم ہماری راہ میں شہید ہوجاؤ تو تم رحمت و مغفرت کے مستحق ہوجاؤ گے جو اس دنیا اور اسکے راحت و آرام سے ہزار گنا افضل و بہتر ہے، مرنے کے بعد بہرحال ہر ایک کو ہمارے ہی پاس آنا ہے خواہ ہماری راہ میں شہید ہوئے ہوں خواہ یوں ہی گھر پر مارے گئے ہوں پھر ان کے اعمال کے مطابق ہم ان کو جزا و سزا دینگے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

بعد اسکے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہوجاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کیلئے استغفار کر دیجئے اور ان سے

فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے پھر جب آپ رائے پختہ کریں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے

يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں

تفسیر جنگ احد میں بعض مسلمانوں کی لغزش اور میدان چھوڑنے سے جو صدمہ و غم حضور علیہ السلام کو پہونچا تھا اگرچہ حضور نے اپنے طبعی اخلاق کریمانہ اور فطرت عفو و درگذر کی بنا پر ان پر نہ کوئی سختی فرمائی اور نہ ہی کوئی ملامت فرمائی، مگر چونکہ اللہ پاک کو حضور علیہ السلام کے ان ساتھیوں کی دلجوئی کرنا اور ان کے دلوں میں اپنی غلطی پر جو رنج و ملال اور ندامت و شرمندگی تھی اس کو ختم کرنا چاہتے تھے لہٰذا ان آیات میں حضور کو ہدایت فرمائی کہ ان حضرات کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمائیں، نیز ان سے مشورہ کرتے رہا کریں

ارشاد ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فضل الٰہی سے آپ رحم دل اور نرم مزاج ہیں اگر آپ بدمزاج ہوتے تو لوگ آپ کے پاس جمع نہ ہوتے ادھر ادھر منتشر ہوجاتے بس جب آپ نے ان کے ساتھ نرمی و خوش اخلاقی کا معاملہ فرمایا ہے تو جو غلطی ان سے آپ کے حکم نہ ماننے میں ہوگئی ہے اس کو بھی دل سے معاف فرما دیجئے اور خدا کے حکم میں ان سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کے لئے آپ ان کے لئے استغفار کیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ بھی لیتے رہا کیجئے اور جب آپ کسی ایک جانب رائے پختہ کریں تو پھر خدا پر بھروسہ

کرکے اس کام کو کر ڈالو بلاشبہ حق تعالیٰ شانہ اعتماد و بھروسہ کرنے والوں کو بہت عزیز رکھتا ہے۔

ایک سوال کا جواب اس آیت میں حضور علیہ السلام کو حکم ہے کہ معاملات میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کریں اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور کو تمام باتیں بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی ہیں تو پھر مشورہ کی کیا ضرورت؟ اس کا جواب امام ابوبکر جصاص رح نے یہ دیا ہے کہ اکثر معاملات تو حضور کو بذریعہ وحی ہی بتلا دیئے جاتے تھے اور بعض معاملات آپ کی رائے پر چھوڑ دیئے جاتے تھے انہی کے متعلق مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ امت میں مشورہ کی سنت زندہ ہو جائے کیونکہ جب حضور علیہ السلام بھی مشورہ سے بے نیاز نہ تھے امت کی تو حیثیت ہی کیا ہے اس کو تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اپنے معاملات میں مشورہ کیا کرے۔

مشورہ کی برکت مشورہ کرنے کے بے شمار فضائل و برکات احادیث پاک میں مذکور ہیں بعض کو یہاں لکھا جاتا ہے (۱) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا ارادہ کرے تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید بات اختیار کرنے کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں، اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدترین ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو ایسے وقت میں تمہارے لئے زمین میں دفن ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔

عورتوں سے مشورہ کرنا یا معاملات کو ان کے سپرد کر دینا بذات خود کچھ برا نہیں اور نہ ہی اس حدیث میں اس سے منع فرمایا گیا ہے بلکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ تم پر خواہشات اس قدر غالب آجائیں کہ اپنے اچھے برے کو چھوڑ کر اور مشورہ کو بالائے طاق رکھ کر تم اپنے معاملات آنکھ بند کرکے عورتوں کے سپرد کر دو چاہے سیاہ کریں یا سفید۔

مشورہ کن باتوں میں کیا جائے مشورہ کرنا انھی باتوں میں مسنون ہے جن کے متعلق شریعت میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو اور جن باتوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ کن حکم موجود ہے ان میں مشورہ کرنا ناجائز ہے مثلاً یہ مشورہ کرے کہ میں زکوٰۃ دوں یا نہ دوں حج کروں یا نہ کروں، ہاں یہ مشورہ کر سکتا ہے کہ میں حج کو اس سال جاؤں یا اگلے سال، یا زکوٰۃ کس کو دوں۔ حافظ ابن کثیر رح نے لکھا ہے کہ قرآن و حدیث کے ارشادات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن معاملات میں رائے مختلف ہونے کا امکان ہو خواہ وہ معاملہ حکومت سے متعلق ہو خواہ کسی دوسرے معاملہ سے اس میں مشورہ کرنا حضور علیہ السلام اور حضرات صحابہ کرام رض کی سنت اور دنیا و آخرت کیلئے باعث برکت ہے، اور

جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے جیسے معاملاتِ حکومت ان میں مشورہ کرنا واجب ہے۔

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن

اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں

ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

تو اسکے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں

الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

کو اعتماد رکھنا چاہیئے

تفسیر جنگ احد میں جو شکست و ناکامی ہوئی اس سے حضرات صحابہ پریشان تھے اللہ پاک نے حضور کو چند ہدایتیں فرما کر صحابہ کی تسلی کرادی۔ جو پچھلی آیات میں گذری مگر ان حضرات کو اپنی شکست و مغلوبیت میں حسرت افسوس تھا اس آیت کے ذریعہ حق تعالیٰ نے ان کے حسرت و افسوس کو ان کے دلوں سے صاف فرادیا ہے ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانہ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اسکے بعد کون ایسا ہے جو تمہارا ساتھ دے اور تم کو فتح و غلبہ دے سکے حاصل یہ کہ فتح و شکست صرف خدائے بالا و برتر کے قبضۂ قدرت میں ہے، مسلمانوں کو اسی پر یقین رکھ کر اس سے مدد مانگنی چاہیئے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ

اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے حالانکہ جو شخص خیانت کریگا وہ شخص اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز

الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

کو قیامت کے دن حاضر کرے گا پھر ہر شخص کو اسکے کئے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ

سو ایسا شخص جو رضائے حق کا تابع ہو کیا وہ اس شخص کے مثل ہو جائے گا جو کہ غضب الٰہی کا مستحق ہو اور

جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ

اسکا ٹھکانا دوزخ ہو اور وہ جانے کی بری جگہ ہے یہ مذکورین درجات میں مختلف ہونگے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور

بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾

اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں ان کے اعمال کو

شان نزول ترمذی شریف میں ہے کہ جنگ بدر میں جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا اس میں سے ایک چادر گم ہو گئی، بعض لوگوں نے کہا کہ شاید حضور علیہ السلام نے لے لی ہو، یہ کہنے والے اگر منافق تھے تب تو کوئی بات ہی نہیں کیونکہ اس کا منشاء ہی بدگمانیاں پھیلانا تھا اور اگر کوئی ناسمجھ مسلمان ہی ہو تو اس نے یہ سمجھا ہوگا کہ مال غنیمت میں سے کچھ لینے کا اختیار حضورؐ کو ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ خیانت کرے پھر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خیانت کریں اور وہ بھی مال غنیمت میں جس کا جرم خیانتوں میں سب سے زائد ہے اور قیامت کے دن اس کی سزا بہت سخت ہے اور ساتھ ہی میدان حشر میں تمام لوگوں کے سامنے رسوائی و ذلت بھی، اور پھر رسول خدا کی رضا و خوشنودی کے تابع ہوتا ہے وہ ہر گناہ سے پاک ہوتا ہے ناممکن ہے کہ ان سے اس طرح کی کوئی بات سرزد ہو سکے لہٰذا اس طرح کی کوئی بات۔ نبی کے متعلق سوچنا بھی بہت بے ہودہ بات ہے۔

ایک شخص نے مال غنیمت میں سے اون کا کچھ حصہ چھپا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا مال غنیمت تقسیم ہونے کے بعد اس کو خیال آیا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا میں اس کو پورے لشکر میں کس طرح تقسیم کروں گا، اب تو تم ہی اس کو لے کر قیامت کے روز حاضر ہونا چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو دیکھو ایسا نہ ہو کہ میں قیامت میں کسی کو اس طرح دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہوا ہو (اور یہ اعلان ہوتا ہو کہ اس نے مال غنیمت میں سے اونٹ چرایا تھا) ایسا شخص اگر مجھ سے شفاعت بھی چاہے گا تو میں اس کو صاف انکار کر دوں گا اور کہہ دوں گا کہ میں نے تم کو دنیا میں خدا کا حکم واضح طور پر پہونچا دیا تھا۔

میدان محشر کی رسوائی اس قدر ذلیل کن ہوگی کہ اس سے بہتر آدمی جہنم میں جانے کو پسند کریگا چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جس کو میدان حشر میں رسوا کیا جائے گا وہ یہ تمنا کرے گا کہ مجھے اس رسوائی سے بچا کر جہنم میں بھیج دیا جائے۔

مال اوقاف میں خیانت کی سزا اوقاف کا مال جیسے مساجد، مدارس، خانقاہ، بیت المال وغیرہ جن میں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ جمع ہوتا ہے ان میں خیانت کرنے کے بعد اگر کسی کو توبہ کی توفیق بھی ہو جائے تو اب وہ کس کس سے معاف کرائے گا ان میں خیانت وچوری کرنا ان سبکی چوری کرنا ہے جن جن لوگوں نے ان میں چندہ دے رکھا ہے مگر چونکہ یہی مال عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس کا کوئی مالک

نہیں ہوتا اور خود نگرانی کرنے والے بے پروا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے چوری کرنے والوں کو سہولت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کل دنیابھر کے بیت المال اور اوقاف میں سب سے زیادہ چوریاں ہو رہی ہیں اور چوری کرنے والے اسکے انجام بد سے اور وبال عظیم سے بالکل غافل ہیں کہ اس جرم کی سزا علاوہ عذاب جہنم کے میدان حشر کی رسوائی بھی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی اللہ ہماری حفاظت فرمائے اور صحیح سمجھ سے نوازے۔ آمین

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

فہم کی باتیں تبلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے

تفسیر

اللہ پاک نے پورے عالم پر یہ بہت بڑا احسان فرمایا کہ ان میں محمد عربی جیسا عظیم پیغمبر بھیجا جو لوگوں کو آسمانی کتاب کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور سمجھاتے ہیں اور ان پر خود عمل کر کے لوگوں کو عمل کی ترغیب دیتے ہیں اور ان کے نفوس کو عقائد وغیرہ کی گندگی سے پاک وصاف کرتے ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے پورا عالم کفر وشرک میں ملوث تھا آپ نے ان کو اس تاریکی سے نکال کر ایمانی نور عطا فرمایا اور پھر ان کو مفید وکارآمد باتیں سکھائی جو انسان کے لئے دین و دنیا کی ترقی کیلئے مشعل راہ ہیں خدا ہم سب کو اس پر عمل کرنا آسان فرمادے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دو حصے تم جیت چکے تھے تو کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو کہ یہ کدھر

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

سے ہوئی آپ فرما دیجئے کہ یہ ہار خاص تمہاری طرف سے ہوئی بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ وہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو خدا تعالیٰ کی مشیت سے ہوئی اور تاکہ

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ

اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنھوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے یوں کہا گیا کہ آؤ

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ

اللہ کی راہ میں لڑنا یا دشمنوں کا دفعیہ بن جانا وہ لوگ بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمھارے ساتھ

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ

ہو لیتے یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک تر ہوگئے بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ ایمان سے نزدیک تھے یہ لوگ اپنے

بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اپنے بھائیوں کی نسبت بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹاؤ اگر تم سچے ہو

تفسیر جنگ احد میں جو شکست مسلمانوں کو ہوگئی تھی اس سے یہ بہت پریشان تھے اور منافقین ان کے زخم پر نمک چھڑکتے رہتے تھے کہ اگر محمد خدا کے رسول ہوتے تو تم پر دشمن غالب نہ آتے، بہت سے مسلمانوں کی زبان پر یہ لفظ آگیا تھا۔ اَنّٰى هٰذَا " کہ ہم پر یہ مصیبت کہاں سے آپڑی، ان سب باتوں کے پیش نظر اللہ پاک بہت سی آیتوں میں جنگ احد کی شکست پر بحث فرما رہے ہیں اور چونکہ آگے چل کر حضرات صحابہ سے مزید جنگوں میں کام لینا تھا اسلئے ان کو بھی بار بار تسلی دی جارہی ہے کہ ان آیات میں ارشاد ہے کہ اگر جنگ احد میں تم پر مصیبت آہی پڑی تو اس سے پہلے جنگ بدر میں تم اس سے دوگنی مصیبت ڈال چکے ہو کیونکہ تمھارے تو ستر آدمی شہید ہوئے ہیں اور تم ان کے ستر سرداروں کو قتل کرچکے ہو اور ستر ہی کو قید کرلیا تھا تو اس میں بھی تمھاری ہی جیت ہے پھر ارشاد ہے کہ یہ ناکامی تمھاری بعض کوتاہیوں کی وجہ سے آئی کہ تم نے اپنے رسول کی نافرمانی کی اور پھر اس میں بعض حکمتیں اور مصلحتیں بھی

تھیں مثلاً کھل کر یہ معلوم ہو جائے کہ کون سچا مسلمان ہے اور کون ظاہری مسلمان بنا ہوا ہے اور حقیقت میں کون مسلمان ہے چنانچہ جنگ احد میں دونوں طرح کے آدمی کھل کر دودھ اور پانی کی طرح الگ الگ سامنے آگئے آخری آیت میں منافقین کے قول کی تردید کی گئی ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم گھر میں بیٹھے رہتے میدان جنگ میں نہ جاتے تو قتل وموت سے بچ جاتے حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا اگر یہ سچ ہے تو تم اپنے اوپر سے موت کو ٹال کر دکھاؤ تم کبھی مت مرنا ہمیشہ اسی دنیا میں زندہ رہنا مگر موت سے بچنے کے طریقے بتلانے والے اپنے آپ کو بھی موت کے چنگل سے نہ بچا سکے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ

اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ

زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ

نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہونچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی

مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ

اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا کوئی خوف واقع ہونے والا نہیں ہے اور نہ وہ مغموم

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

ہوں گے وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اسکے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ضائع نہیں فرماتے

ع ۱۷ / ۸

شہداء کی فضیلت

اس آیت پاک میں شہداء کے خاص فضائل کا بیان ہے ارشاد ہے کہ شہداء مرتے نہیں بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ بظاہر ان کا مرنا اور قبر میں دفن ہو جانا اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں بلکہ اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے ہیں پھر قرآن شریف کی بہت سی آیتوں میں ان کو مردہ نہ کہنے اور نہ سمجھنے کی جو ہدایت آئی ہے اس کا کیا مطلب ہے! اگر کہا جائے کہ حیات برزخی مراد ہے تو وہ ہر شخص مومن و کافر کو حاصل ہے، مرنے کے بعد اس

کی روح زندہ رہتی ہے اور قبر کے سوال وجواب کے بعد نیک مومنوں کے لئے راحت وآرام کے سامان مہیا ہوجاتے ہیں اور گنہ گار اور کفار کو قبر ہی میں عذاب ملنا شروع ہوجاتا ہے لہذا اس میں شہدا کی کوئی خصوصیت نہ رہی، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف کی اسی آیت نے یہ بتلا دیا ہے کہ شہدار کو اللہ پاک کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور رزق زندہ آدمی کو ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شہید کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی اس کو جنتی رزق ملنا شروع ہوجاتا ہے اور ایک خاص قسم کی زندگی شہید کو اسی وقت سے مل جاتی ہے جو عام مردوں سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے، اب رہا یہ مسئلہ کہ وہ امتیاز کیا ہے اور وہ کیا زندگی ہے؟ اس کی حقیقت سوائے خالق کائنات کے نہ کوئی جان سکتا ہے اور نہ جاننے کی ضرورت ہے ہاں بسا اوقات ان کی حیات وزندگی کا خاص اثر اس دنیا میں بھی ان کے بدن سے معلوم ہوجاتا ہے، مثلاً زمین ان کے بدن کو نہیں کھاتی یا جس زخم کے ساتھ وہ دفن ہوئے وہ ایک مدت بعد بھی اسی طرح تازہ ملے اور ان سے خون جاری رہے وغیرہ۔

ان آیات میں شہدار کی ایک فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے ان نعمتوں میں جو ان کو اللہ نے عنایت فرمائی ہیں، شہدار اپنے جن متعلقین کو دنیا میں چھوڑ گئے تھے ان کے متعلق بھی ان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر اعمال صالحہ اور جہاد میں مصروف ہیں تو ان کو بھی یہاں آکر یہی نعمتیں اور درجے نصیب ہوں گے

امام سدیؒ نے لکھا ہے کہ شہید کا جو بھی عزیز مرنے والا ہوتا ہے تو اس کو پہلے ہی سے اسکی اطلاع کردی جاتی ہے کہ وہ اب تمھارے پاس آرہا ہے جس سے اسکو بے حد وحساب خوشی ومسرت ہوتی ہے

شانِ نزول | فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ الآیہ کا شان نزول ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے کہ حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جنگ احد میں جو تمھارے بھائی شہید ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کردیا ہے وہ جنت کی نہروں اور وہاں کے باغوں کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کے لئے عرش رحمٰن کے نیچے ٹنگے ہوئے ہیں، جب ان شہدا نے اپنی اس قدر راحت وآرام کی زندگی دیکھی تو کہنے لگے کہ وہ ہمارے رشتہ دار جو ہماری موت پر غمگین ہیں ان تک ہماری اس حالت کی خبر کون پہونچا سکتا ہے تاکہ ان کا غم ختم ہو اور انھیں خوشی ہو اور پھر وہ جہاد میں کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمھاری یہ خبر ان تک پہونچا دیں گے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ

جن لوگوں نے اللہ ورسول کے کہنے کو قبول کرلیا بعد اسکے کہ ان کو زخم لگا تھا ۔ ان لوگوں میں

أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۲﴾ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ

جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا

إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا

کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیئے تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ

کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کیلئے اچھا ہے۔ بس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے بھرے

لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ ۙ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ

ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل

﴿۱۷۴﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۖ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَ

والا ہے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے مت ڈرنا

خَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۵﴾

اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو

واقعۂ شان نزول ان آیات پاک کو نازل فرما کر حق تعالیٰ شانہ نے کس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اسکے متعلق جو تفصیل روایات میں موجود ہے اسکے مدنظر علماء مفسرین رحمہم اللہ نے تین واقعات بیان فرمائے ہیں

(۱) جنگ احد میں مسلمانوں کی جو لاشیں پڑی ہوئی تھیں دشمنوں نے ان کی بے حرمتی کرنا شروع کر دی، اور ان پر چڑھے پھر رہے تھے اور حضرت حمزہ رض کی لاش کے ساتھ یہ حرکت کی کہ اس کا ناک کان کاٹ کر شکل بگاڑ دی یہ کیفیت دیکھ کر رسول خدا سے نہ رہا گیا اور پھر سے صحابۂ کرام کو پکارا یہ حضرات اگرچہ سخت زخمی ہو چکے تھے مگر حضور ؐ کی آواز کے ساتھ دوڑے چلے آئے اور ان کافرین پر حملہ کر کے اپنے مسلمان بھائیوں کی لاشوں کو بے حرمتی سے محفوظ کر لیا اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے اور ان کو اجر عظیم کا مستحق قرار دیا ہے

(۲) امام واقدی رح نے فرمایا ہے کہ جنگ احد سے جب ابوسفیان اپنا لشکر لے کر واپس چلدیا تو مقام روحا پر پہونچ کر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں کیوں نہ پھر سے حملہ کر کے ان کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے اسکے خبیث ارادہ کی خبر حضور کو بھی پہونچ گئی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ابوسفیان

کے مقابلہ کے لئے چلو اس پر منافقین بول اٹھے کہ اے محمدؐ آپ خوب سمجھ کی بات کرتے ہیں ہم زخمی ہیں ان سے کیونکر لڑیں گے مگر حضرات صحابہ نے آپ کی اس آواز پر لبیک کہا حضور ان ستر صحابہ کو لے کر ابوسفیان کا مقابلہ کرنے حمراء الاسد تک پہونچے (حمراء الاسد مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے) مگر بزدل ابوسفیان ڈر کر بھاگ گیا تھا انہی حضرات کی ان آیات میں تعریف فرمائی گئی ہے۔

(۳) جنگ احد کے روز جب ابوسفیان مکہ کو واپس ہونے لگا تو اس نے پکار کر کہا اے محمد ہمارا تمہارا مقابلہ اب بدر صغریٰ کے موسم پر ہوگا حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ کہدو ہمیں منظور ہے اور پھر جب وہ دن آئے اور ابوسفیان لوگوں کو مکہ سے اکٹھا کر کے مر الظہران تک آیا تو اس پر مسلمانوں کا ایسا رعب چھایا کہ یہیں سے واپس ہولیا اور ایک راہ چلتے شخص کو کچھ دے کر کہا کہ حضورؐ سے جا کر کہدینا کہ ابوسفیان نے بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے، لہٰذا تم اس کے مقابلہ کے لئے مت جانا جب اس نے یہاں آ کر تم کو قتل کیا تو وہاں تو وہ تمہیں بالکل ہی نیست و نابود کر دے گا، یہ سنکر منافقین تو کانپ گئے مگر جو سچے مسلمان تھے وہ بالکل نہ گھبرائے اور ان کی زبان پر یہ کلمات تھے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ یعنی ہم کو اللہ کافی ہے اور حضورؐ ستر صحابہ کے ساتھ اپنے وعدے کے مطابق وہاں پہونچے مگر ابوسفیان اور اس کے لشکر میں سے کوئی بھی وہاں نظر نہ آیا۔

اس جگہ زمانہ جاہلیت میں ہر سال ایک بازار لگتا تھا صحابہ نے وہاں جا کر اپنا وہ سامان جو ساتھ لے کر جہاد کیلئے نکلے تھے فروخت کیا جس میں حق تعالیٰ نے ان کو بے پناہ منافع دیا۔

اس طرح ان حضرات کو اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کی بات ماننے پر تین طرح کے انعامات سے نوازا، ۱۔ دشمنوں پر رعب ڈالدیا جس کی وجہ سے یہ حضرات قتل و قتال سے محفوظ رہے ۲۔ حمراء الاسد کے بازار میں تجارت کرنے کا موقع ملا جس سے ان کو خوب منافع ملا ۳۔ خدا کی رضا و خوشنودی جو اس جہاد میں ان حضرات کو خصوصی طور پر نصیب ہوئی۔

ایک مجرب وظیفہ

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ کے جو فوائد و برکات قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں وہ حضرات صحابۂ کرام رضؓ کے ہی ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جو شخص بھی ایمان و یقین کے ساتھ اس وظیفہ کا ورد کرے گا اس کو یہ برکت حاصل ہوگی۔ حضرات مشائخ و علماء نے اس آیت کے فوائد میں لکھا ہے کہ جو شخص اس کو جذبۂ ایمان و یقین کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر حق تعالیٰ سے دعا کرے گا تو ضرور قبول ہوگی مصیبت و پریشانی میں گھرے ہوئے کے لئے اس آیت کا پڑھنا مصیبتوں سے چھٹکارہ دینے کے لئے مجرب ہے۔

اخیر کی آیت اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ الآیہ میں بیان ہے کہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے مشرکین کے دوبارہ واپس لوٹنے کی خبر دینے والا اصل میں شیطان ہے جو تم کو اپنی برادری یعنی کفار سے ڈرانا چاہتا ہے

خدا فرماتا ہے کہ تم کو ایسی خبروں سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیئے بلکہ مجھ سے ڈرتے رہنا ضروری ہے اور ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے حساب و کتاب سے ڈر کر کوئی بھی کام میری مرضی کے خلاف مت کرو بلکہ میری فرمانبرداری میں زندگی گذارو پھر تمہارا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا

اور آپ کے لئے وہ لوگ موجب غم نہ ہونا چاہیئے جو جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو اصلا بہرہ نہ دے اور ان لوگوں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ

کو سزائے عظیم ہوگی یقیناً جن لوگوں نے ایمان کی جگہ کفر اختیار کر رکھا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور ان کو دردناک سزا ہوگی اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ

كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

خیال ہرگز نہ کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا ان کے لئے بہتر ہے ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

جرم میں ان کو اور ترقی ہو جائے اور ان کو توہین آمیز سزا ہوگی

تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر بے حد مشفق و مہربان تھے لہٰذا کفار و منافقین کا اپنے لئے جہنم کا سامان مہیا کرنا حضور پر گراں گزرتا تھا اس سے آپ سخت غمگین ہوتے تھے ان آیات میں حق تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے کہ ہماری حکمت یہی ہے آپ فکرمند اور غمگین نہ ہوجئے یہ اپنے کفر و نفاق سے آپ کو اور خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکیں گے بلکہ یہ اپنی ہی آخرت برباد کر رہے ہیں جو لوگ ایمان چھوڑ کر کفر کو عزیز رکھتے ہیں خدا کا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں بلکہ اپنا نقصان کر رہے ہیں کہ اپنے لئے جہنم کے عذابات کو دعوت دے رہے ہیں۔

جنگ احد کے بعد مشرکین اپنی فتحیابی اور کامیابی پر نازاں ہو کر یہ کہتے پھرتے تھے کہ جس دین پر ہم ہیں وہ حق ہے یہی وجہ ہے کہ ہم کامیاب ہوئے جنگ میں اور دنیا کا مال و متاع ہمیں نصیب ہوا،

اور اسکے برخلاف مسلمان جنگ میں ناکام ہوئے، دنیوی مال و دولت سے محروم رہے۔
اس کا جواب خدائے پاک نے اس آیت وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الآیۃ میں دیا ہے کہ ہم نے جو کافروں کو ڈھیل دے رکھی ہے اور جو ساز و سامان تمکو دے رکھا ہے تم اس کو اپنے حق میں بہتر مت سمجھو بلکہ تمھیں لمبی عمر اور یہ عیش و عشرت کے سامان اسلئے ملے ہیں تاکہ تم نافرمانی کی آخری منزل کو پہونچ جاؤ اور پھر تمکو اس کی پوری پوری سزا ملے۔
حاصل یہ کہ کفار کی اس چند روزہ مہلت اور عیش و عشرت سے مسلمان پریشان نہ ہوں کیونکہ ان کو دنیوی طاقت و قوت اور ساز و سامان کا ملنا درحقیقت یہ بھی ان کے حق میں عذاب ہی کی ایک صورت ہے کہ اسکے نشہ میں یہ خوب بڑھ چڑھ کر خدا کی نافرمانی کریں گے اور پھر خدا ان کو سخت قسم کا ذلت والا عذاب دے گا۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتے، جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک سے پاک

مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ
کو تمیز نہ کر دیں اور اللہ تعالیٰ ایسے امور غیبیہ پر تم کو مطلع نہیں کرتے لیکن ہاں جس کو خود چاہیں اور

مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا
وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو منتخب فرما لیتے ہیں پس اب اللہ پر اور اسکے سب رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر

فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾
تم ایمان لے آؤ اور پرہیز رکھو تو پھر تمکو اجر عظیم ہے

تفسیر پچھلی آیت میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ جب کفار اللہ کے نزدیک مردود ہیں تو پھر ان کو دنیوی مال و دولت کیوں حاصل ہیں، اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ جب مسلمان جو اللہ کے مقبول ہیں ان پر مصیبتیں اور تکلیفیں کیوں آتی ہیں؟ اسکا جواب دیا گیا تاکہ مومن اور منافق دونوں صحیح طور پر سامنے آجائیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ کام تو وحی کے ذریعہ بھی ہو سکتا تھا کہ وحی بھیجکر بتلا دیا جاتا کہ فلاں شخص مومن ہے اور فلاں منافق؟ اسکا جواب بھی حق تعالیٰ نے اسی آیت میں دے دیا ہے کہ بعض حکمتوں کے پیش نظر ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا، وہ حکمتیں کیا ہیں ان کا پورا علم خدا ہی کو ہے۔ مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر مسلمانوں کو بذریعہ وحی بتلا دیا جائے کہ

فلاں منافق ہے تو مسلمانوں کو مطلع ہونا اور معاملات میں احتیاط کے لئے کوئی ایسی واضح حجت نہ ہوتی جس کو منافق بھی تسلیم کرلیں بلکہ وہ کہتے کہ تم غلط کہتے ہو ہم تو سچے پکے مسلمان ہیں بخلاف اس پر عملی امتیاز کے جو حوادثات ومشکلات کے ذریعہ ہوا کہ منافق بھاگنے لگے اس سے ان کا نفاق کھل گیا اب ان کا منھ یہ کہنے کو نہ رہا کہ ہم مومن ومخلص ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات

هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ

کچھ اچھی ہوگی ان کے لئے۔ بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیئے جائینگے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اس کا جس میں انھوں نے بخل کیا تھا۔ اور اخیر میں آسمان وزمین اللہ ہی کا رہ جاوے گا　اور اللہ تعالیٰ

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾

تمھارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں

ع ۱۸ / ۹

بخل کی برائی

اس آیت پاک میں بخل کی برائی اور اس کی سزا ذکر کی گئی ہے ارشاد ہے کہ جو چیزیں اللہ پاک نے تم کو اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں اگر کسی موقع پر ان کو راہ مولیٰ میں خرچ کرنے کی ضرورت آن پڑے تو خرچ کر دینا چاہیئے ان کو اپنے پاس جمع رکھنا بہت برا ہے اور یاد رکھو یہ چیزیں کل قیامت کے دن طوق بنا کر تمھارے گلے میں پہنائے جائیں گے حدیث پاک میں اس کی وضاحت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ نے مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اسکے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا وہ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں اسکے بعد حضور علیہ السلام نے یہی آیت ولا یحسبن الذین الآیہ۔ تلاوت فرمائی۔

بخل کے شرعی معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہے اس کو خرچ نہ کرے، اسی لئے بخل حرام ہے اور اس پر جہنم کے عذابات کی وعید آئی ہے اور جن جگہوں میں خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے وہ اس بخل حرام میں داخل نہیں البتہ اس کو بھی معنی عام کے لحاظ سے بخل کہدیا کرتے ہیں اس قسم کا بخل حرام نہیں البتہ خلاف اولیٰ ہے۔

پھر آیت کے اخیر میں ارشاد ہے کہ اے لوگوں تم بخل کیوں کرتے ہو آخر ایک روز تم سب کو مرجانا ہے، اور اس دنیا سے کوچ کرجانا ہے اس وقت آسمان و زمین اور اس کی تمام چیزوں کے مالک اللہ ہی ہوں گے مگر اس وقت اللہ کی ملک میں آجانے سے ان تمام چیزوں کا تمکو کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ وہ تم نے اپنے اختیار سے نہیں دی بلکہ مجبوراً تم سے چھوٹ گئیں۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے ان لوگوں کا قول جنھوں نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا

ہم ان کے کہے ہوئے کو لکھ رہے ہیں　اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی　اور ہم کہیں گے کہ

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

چکھو آگ کا عذاب　یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾

ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں

یہود کی گستاخی

حضور علیہ السلام نے جس وقت لوگوں کو زکوٰۃ و صدقات کا حکم سنایا تو گستاخ یہود کہنے لگے کہ اللہ فقیر اور محتاج ہے اور ہم غنی و مالدار ہیں تب ہی تو وہ ہم سے زکوٰۃ و صدقات مانگتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی کون ہے جو اللہ پاک کو قرض حسنہ دے تو یہودیوں نے یہ گستاخی کی کہ کہنا شروع کردیا کہ ہم مالدار ہیں اور اللہ غریب ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں حق تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور سزا کا ذکر فرمایا کہ یاد رکھو تمھاری اس گستاخی کو ہم نے تمھارے نامۂ اعمال میں لکھوا دیا ہے اور تمھارے بزرگوں نے جو انبیاء کا ناحق قتل کیا ہے جس پر تم بہت راضی ہوتے ہو وہ بھی ہمارے نامہ اعمال میں لکھا ہوا ہے اسکی سزا تمھیں ضرور ملے گی اس وقت ہم تم سے کہیں گے کہ اب چکھو نار جہنم کا مزہ، اسکے بعد ارشاد ہے کہ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ یہ ان کے ان گناہوں کی سزا ہے جو یہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا

وہ ایسے لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر اعتقاد نہ لاویں جب تک کہ ہمارے سامنے

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ

معجزہ نذر و نیاز خداوندی کا ظاہر نہ کرے کہ اسکو آگ کھا جاوے آپ فرما دیجئے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے

وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ

بہت سے دلائل لے کر آئے اور خود یہ معجزہ بھی جس کو تم کہہ رہے ہو سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا اگر تم سچے ہو، سو اگر یہ لوگ

كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ

آپ کی تکذیب کریں تو بہت سے پیغمبروں کی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں تکذیب کی جا چکی ہے جو معجزات لے کر آئے تھے

وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

اور صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر

تفسیر اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہود نے ایک جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کی کہ اللہ نے ہم سے ہمارے نبی کے ذریعہ عہد لیا تھا کہ تم کسی نبی کی نبوت کا اقرار مت کرنا تاوقتیکہ تم یہ معجزہ نہ دیکھ لو کہ صدقہ کے مال کو آسمانی آگ کھا جائے، یہ معجزہ سابقہ انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ صدقہ کے مال کو کسی میدان یا پہاڑ پر رکھدیتے اور آسمان سے آگ آتی اور اس کو جلا جاتی شریعت محمدی میں اس سے بہتر طریقہ خدائے تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمایا کہ تمہارا صدقہ تمہارے مسکین و محتاج بھائی کھائیں گے

بہرحال اس کی آڑ لیکر انھوں نے حضورؐ کی نبوت کا انکار کیا ہے اللہ پاک نے اسکا جواب اس طرح دیا ہے کہ اے یہود و مشرکین محمد عربیؐ نے تمکو یہ معجزہ نہیں دکھایا اس لئے تم ان پر ایمان نہیں لائے مگر تم تو ایسے ہو کہ جن نبیوں نے تمکو یہ معجزہ دکھا بھی دیا تھا تم ان پر بھی ایمان نہ لائے اور تم نے ان میں سے بہت سے نبیوں کو قتل بھی کیا ہے۔

اس موقع پر اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر یہود کو یہ معجزہ دکھا دیا جاتا تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آتے، مگر اللہ پاک کے علم میں پہلے سے یہ بات تھی کہ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اسکے بعد اللہ پاک نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ ان لوگوں کی یہ عادت بن چکی ہے آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی اس طرح کا بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر معاملہ کر چکے ہیں، لہٰذا آپ ان کی حرکتوں سے غمگین و پریشان مت ہوجئے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش تمہاری قیامت ہی کے روز ملے گی

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ

تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہ ہوا اور دنیاوی زندگی

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

تو کچھ بھی نہیں مگر صرف دھوکے کا سودا ہے البتہ آگے اور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ

میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں اور

اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ان لوگوں سے جو کہ مشرک ہیں اور اگر صبر کرو گے اور پرہیز رکھو گے تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے

تفسیر ارشاد ہے کہ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا لازمی ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہر شخص کا یقین ہے کہ ایک دن ضرور مرنا ہے اور اس دنیا کی عیش و عشرت راحت و آرام کو چھوڑ جانا ہے گویا کہ دنیا مسافر خانہ ہے جس سے ایک نہ ایک دن کوچ کرکے اصل گھر یعنی خدائے تعالیٰ کے پاس چلے جانا ہے اور وہاں پھر ہر شخص کو اسکے اعمال و اعتقاد کے مطابق رہنے کی جگہ ملے گی، خدا کے نافرمان کافر و مشرک کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور مومن و مسلم کا ٹھکانا جنت ہوگا اور یاد رکھو دنیوی زندگی ایک دھوکہ سے زائد کچھ نہیں یعنی جس طرح کسی چیز کی ظاہری آب و تاب دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے اور بعد میں پچھتاتا ہے اسی طرح یہ دنیا ہے کہ اس کی ظاہری چمک دمک میں انسان کا نفس خواہشات کے پھندے میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آخرت سے اور اپنے انجام سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور پھر کل قیامت کو حساب کے دن پچھتائے گا مگر اس وقت پچھتانا کچھ نفع مند نہ ہوگا لہٰذا سمجھداری یہی ہے کہ آج ہی سنبھل جائے اور قرآن و حدیث اللہ و رسول کے ارشادات پر پابندی سے عمل پیرا ہو جائے۔

اسکے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جب یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ دنیا مسافر خانہ ہے تو یہاں کی مصیبتوں اور الجھنوں سے گھبرانا نہیں چاہئے اسلام دشمن تم پر اور تمہارے مذہب پر جو حملہ کریں اس پر صبر کرنا چاہئے انجام کار آخرت میں کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا

وَلَا تَكْتُمُونَهٗ ۡ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ

اور اسکو پوشیدہ مت کرنا سو ان لوگوں نے اس کو اپنی پس پشت پھینک دیا اور اسکے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَوْا وَّ

لیا سو بری چیز ہے جسکو وہ لوگ لے رہے ہیں جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار بد پر خوش ہوتے ہیں اور جو کام نہیں

يُحِبُّونَ أَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ

کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو سو ایسے شخصوں کو ہرگز خیال مت کرو کہ وہ خاص طور کے عذاب سے

مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

بچاؤ میں رہیں گے بلکہ ان کو دردناک سزا ہوگی اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت

وَالْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر شئی پر پوری قدرت رکھتے ہیں

۱۹ ع ۹ ۱۰

تفسیر یہود کی بری عادتوں میں سے ایک سخت قسم کی بری عادت توریت کے مسائل کو چھپانا اور ان میں ردوبدل کرنا تھی جبکہ خدائے پاک نے ان سے عہد وپیمان کر رکھا تھا کہ توریت کی تعلیمات کو عام کرنا لوگوں میں پھیلانا اور اسکے کسی مسئلہ کو مت چھپانا مگر انھوں نے اس عہد کی کوئی پرواہ نہ کی اور دنیوی لالچ وغرض کے پیچھے اس عہد کو توڑ ڈالا۔ اس آیت کے شان نزول سے اس کی مکمل وضاحت سامنے آجاتی ہے۔

شان نزول بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ایک بات معلوم کی کہ بتلاؤ توریت میں ہے کہ نہیں انھوں نے اس بات کو چھپالیا اور جو توریت میں تھا اسکے خلاف حضور سے بیان کردیا اور اپنی اس حرکت پر بہت خوش ہوئے کہ ہم نے (نعوذ باللہ) حضور کو دھوکا دیدیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کی حقیقت کھول دی گئی اور ان کے لئے دردناک سزا بیان کردی گئی۔

ان میں ایک بری خصلت یہ ہے کہ بغیر کسی نیک کام کئے یہ چاہتے ہیں کہ لوگ انھیں نیک اور صالح کہیں جیسا کہ آج کے دور میں بہت سے مسلمان نماز نہ پڑھنے کے باوجود یہ کہلانا چاہتے ہیں کہ ہم نمازی ہیں حضرت تھانوی رح نے لکھا ہے کہ اولاً کسی نیک کام کو کرنے کے بعد اپنی تعریف کا منتظر رہنا شریعت کی نظر میں برا ہے اور پھر بغیر کچھ کئے اسکا مستحق اپنے کو کہلانا اس سے بھی بہت زیادہ بڑا جرم ہے یہود

کے اس جرم کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ ایسے لوگوں کے متعلق یہ خیال مت کرو کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ گئے، نہیں ہرگز نہیں ہم دنیا ہی میں ان کو سخت قسم کا عذاب دیں گے

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل

لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ

عقل کے لئے جن کی حالت یہ ہے کہ　وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں　کھڑے بھی

قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

بیٹھے بھی　لیٹے بھی　اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں

الْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا

اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۭ

دوزخ سے بچا لیجئے　اے ہمارے پروردگار بےشبہ آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں اس کو واقعی رسوا ہی کر دیا

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

اور ایسے بے انصافوں کا کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں

تفسیر مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناداً یہ درخواست کی کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ ہماری قدرت کی علامتیں دیکھنے والوں کے لئے تو آسمان و زمین جیسی اہم چیزیں اور رات دن کا بدلتے رہنے والا عجوبہ موجود ہے جو اپنی قدرت کا متلاشی ہوگا اس کو انھی میں ہماری قدرت کا ثبوت مل جائے گا وہ پہاڑ کو سونے کا ہو جانے کی بلا وجہ درخواست نہیں کرے گا جو لوگ عقل سلیم اور فہم صحیح سے نوازے گئے ہیں وہ ان میں تدبر و تفکر اور غور و فکر کرتے ہیں اور اسکے بعد بے ساختہ ان کی زبان سے نکلتا ہے اے ہمارے پروردگار آپ نے ان چیزوں کو بلا وجہ باطل پیدا نہیں فرمایا یقیناً اس میں بے شمار حکمتیں اور تیری قدرت کا واضح ثبوت ہے ہم سچے دل سے تیری وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور تجھ سے عذاب جہنم سے پناہ کے طالب ہیں اے ہمارے پروردگار بلاشبہ آپ نے جس کو دوزخ میں جانے کا حکم فرما دیا پس وہ تو بری طرح ذلیل و

رسوا ہوچکا پھر ان کا پرسانِ حال کوئی نہ ملے گا۔

اسی آیت میں یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ عقل سلیم والا کون ہے، ارشاد ہے کہ جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر وقت اپنے معبود برحق خدائے پاک کی بندگی کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آسمان و زمین میں غور و فکر کرکے خدا کی وحدانیت پر استدلال کرتے ہیں۔

غور و فکر افضل عبادت ہے

دنیا کی چیزوں میں غور و فکر کرکے ان سے خدا کے وجود اور وحدانیت پر استدلال کرنا ایک اہم عبادت ہے، چنانچہ حضرت عمر بن بن عبد العزیز رح نے اس غور و فکر کو افضل عبادت فرمایا ہے حضرت حسن بصری رح نے فرمایا کہ تھوڑی دیر غور و فکر کرنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے، حضرت وہب بن منبہ رح نے فرمایا کہ جب کوئی شخص خوب غور و فکر کرے گا تو حقیقت سمجھ لے گا اور جو حقیقت سمجھ گیا اسکو صحیح علم حاصل ہوگیا اور جس کو صحیح علم حاصل ہوگیا وہ ضرور عمل بھی کرے گا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ

اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ ایمان لانے کے واسطے اعلان کر رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار

فَاٰمَنَّا ‌ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ

پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار پھر ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے اور ہماری بدیوں کو بھی

الۡاَبۡرَارِ ‌﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا

ہم سے زائل کر دیجئے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے۔ اے ہمارے پروردگار اور ہم کو وہ چیز بھی دیجئے جس کا ہم سے

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اپنے پیغمبروں کی معرفت اپنے وعدہ فرمایا ہے اور ہمکو قیامت کے روز رسوا نہ کیجئے، یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

تفسیر

جو لوگ عقل سلیم رکھتے ہیں ان کا قول نقل کیا جا رہا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے جیسے زمین و آسمان میں غور و فکر کرکے آپ کے وجود کو تسلیم کیا اور آپ کی وحدانیت کے قائل ہوئے اسی طرح ہم نے ایک پکارنے والے یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کو سنا جو ایمان کی دعوت دے رہا ہے، بس ہم نے اسکے اعلان کو سچ جانا اور آپ پر اور اس پر دونوں پر ایمان لے آئے ہیں، اسکے بعد اے ہمارے پروردگار ہم آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے، اور ہماری گندی حرکتوں کو بالکل مٹا دیجئے، اور ہم کو نیک اور صالح اپنے پسندیدہ لوگوں

میں شامل فرما کر ایمان پر ہمارا خاتمہ فرما اے خدا ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے اور ہمیں وہ چیزیں عنایت فرمائیے جن کا آپ نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ وعدہ فرمایا۔ یہ یعنی جنت اور وہاں کے عیش و عشرت، بلاشبہ آپ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بس ہمیں آپ کی ذات پر پورا یقین ہے کہ اگر ہم تیرے فرمانبردار رہے تو ضرور جنت میں جگہ پالیں گے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن

سو منظور کرلیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو

ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا

اکارت نہیں کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور

مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہوگئے میں ضرور ان لوگوں کی

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا

خطائیں معاف کردوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض

مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے

تفسیر پچھلی آیتوں میں جو درخواست خدائے تعالیٰ سے کی گئی تھی اسکی قبولیت کا اعلان اس آیت میں ہے۔ ارشاد ہے کہ خدا نے تم میں عورت و مرد کی دعائیں قبول کرلی ہیں اور اسی کے ساتھ یہ بھی بیان فرمادیا کہ جن حضرات نے ہماری وجہ سے ہجرت کی، تنگ اور پریشان ہو کر اپنا وطن چھوڑا یا جہاد کیا اور اس میں شہید ہوگئے ایسے لوگوں کی تمام خطائیں (جو حقوق اللہ سے متعلق تھیں) معاف کردوں گا اور ان کو جنت کے ایسے باغات و محلات میں جگہ دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، بلاشبہ حق تعالیٰ شانہ اپنے مخلص و نیک بندوں کو بہت ہی اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ

تجھ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے　یہ چند روزہ بہار ہے

ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

پھران کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بری آرام گاہ ہے　لیکن جو لوگ خدا سے ڈریں ان کے

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ

لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ مہمانی ہوگی اللہ

عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

کی طرف سے اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں وہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں

تفسیر اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ اے مسلمانوں کافروں کا راحت و آرام اور ترقی تمکو دھوکہ میں نہ ڈالدے اور تم سوچنے لگو کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہوتے ہوئے بھی طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہیں اور خدا کے دشمن کفار ہرطرح کے عیش و عشرت اور مزے کی زندگی گذار رہے ہیں تو یاد رکھو کہ یہ مزہ ان کو چند روز کے لئے ملا ہوا ہے انجام کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، ہاں ان کفار میں سے اگر کوئی خدا پر ایمان لاکر نیک اعمال کرلے تو پھر جنت کا دروازہ اس کے لئے بھی بند نہیں اس کو بھی وہی جنت کے باغات و محلات نصیب ہوجائیں گے اور یاد رکھو دنیا کے چند روزہ راحت و آرام سے جنت کے راحت و آرام لاکھ درجہ بہتر وافضل ہیں تمام مسلمانوں بلکہ انسانوں کو اسی کی خواہش کرنی چاہیئے اور اسی کے لئے جد وجہد اور کوشش کرنی چاہیئے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

اور بالیقین بعض لوگ اہل کتاب میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کتاب کے

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ

ساتھ بھی جو تمہارے ساتھ بھیجی گئی اور اس کتاب کے ساتھ جو انکے پاس بھیجی گئی اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

آیات کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے ایسے لوگوں کو ان کا نیک عوض ملیگا ان کے پروردگار کے پاس بلاشبہ اللہ تعالیٰ

﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا

جلدی ہی حساب کردینگے ۔ اے ایمان والو خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾ ع

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم پورے کامیاب ہوں۔

تفسیر

اب تک اہل کتاب کی بُری خصلتوں کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان اہل کتاب میں سے بعض آدمی نیک بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کی کتاب قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب ان کی ہے یعنی توریت وانجیل اس پر بھی یقین رکھتے ہیں اور خدا کا خوف ان کے دلوں میں ہے وہ دنیوی لالچ کے لئے خدائی احکام اور آسمانی کتابوں میں کسی بھی قسم کی رد وبدل نہیں کرتے ایسے لوگوں کے متعلق خدا کا فرمان ہے کہ ان کو اچھا بدلہ یعنی جنت ملے گی۔

اس سورت (آل عمران) کی آخری آیت میں مسلمانوں کو مخصوص قسم کی چار وصیتیں فرمائی گئی ہیں ۱کسی بھی طرح کی کوئی پریشانی آئے تو صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا ۲ اگر دشمنان اسلام سے کہیں مقابلہ ہو تو مقابلہ میں ڈٹے رہنا ہمت مت ہارنا ۳ مستعد رہنا اسکے لئے قرآن نے لفظ رَابِطُوْا استعمال فرمایا ہے جو اپنے اندر قرآن وحدیث کی اصطلاح کے مطابق دو مفہوم ومطلب لئے ہوئے ہے ۱ اول اسلامی حکومت کی سرحدوں کی حفاظت جس کے لئے جنگی سامان اور گھوڑوں سے مسلح رہنا ضروری ہے تاکہ دشمن سرحد کی طرف ایک قدم بڑھانے کی ہمت وجرأت نہ کرسکے، دوم جماعت کی نماز کی ایسی پابندی کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار رہے یہ دونوں چیزیں مذہب اسلام میں بڑی مقبول عبادتیں ہیں جن کے فضائل وبرکات احادیث پاک میں بے شمار موجود ہیں ۴ تیسری بات جو اس آیت میں ارشاد ہے جو ان تمام چیزوں کی روح ہے وہ ہے تقویٰ کہ کسی بھی حال میں تقویٰ چھوٹنے نہ پائے ہر دم تقویٰ کا دامن تھامے رکھنا اپنے اوپر لازم کرلو۔ اللہ پاک ہر مسلمان کو اپنی توفیق سے اسی خزانہ سے نوازے اور اس کے لئے ان باتوں پر عمل کرنا آسان بنادے اللّٰھم آمین۔

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسِتٌّ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ نساء مدنی ہے اس میں ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمکو ایک جاندار سے پیدا کیا۔

وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا

اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ

اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①

سے ڈرو جسکے نام سے ایکدوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں

تفسیر اس سورت کا نام نساء جسکے معنی عورت کے ہیں اس سورت میں چونکہ عورت سے متعلق احکام مذکور ہیں جیسے نکاح اور مہر وغیرہ اس لئے اسکا نام ہی نساء رکھدیا گیا ربط اور تعلق ان دونوں سورتوں میں یہ ہے کہ پہلی سورت کو تقویٰ پر ختم کیا گیا تھا اور اس سورت کو تقویٰ سے شروع کیا گیا ہے۔ اور اس سورت میں عزیز واقارب اور یتیموں وغیرہ کے احکام مذکور ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی کا دارومدار باہمی اخوت بھائی چارگی ہمدردی پر ہے یہ حقوق ایسے نہیں جن کو قانون یا طاقت کے ذریعہ ادا کرایا جاسکے۔ لہٰذا ان کی صحیح ادائے گی کے لئے خدا کا خوف اور آخرت کی فکر کا دل میں ہونا ضروری ہے اس لئے اللہ پاک نے اس سورت کو انھی چیزوں سے شروع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اے لوگو اپنے رب کی مخالفت سے ڈرو، اس موقع پر اللہ نے اپنے لئے رَبّ (جسکے معنی پرورش کرنے والے کے ہیں) اختیار فرماکر اشارہ کردیا کہ جو ذات تمھاری پرورش کرتی ہے اس کی سرکشی ونافرمانی کس قدر خطرناک ہوگی، اسکے بعد ارشاد ہے کہ ہم نے تمکو ایک نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا چنانچہ حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے حضرت حوّا کو پیدا فرمایا اور پھر ان دونوں سے بچے پیدا ہونے شروع ہوگئے اور اس طرح ایک عالم میں پھیل گئے اس آیت میں اسی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو ایک ہی باپ کی اولاد ہو اسلئے تمھارے آپسی جو حقوق ہیں ان کو ازراہ ہمدردی پورا پورا ادا کرو ہرحال خدا کا خوف اس کا مقتضی ہے کہ انسانوں کے حقوق ادا کئے جائیں، غرضیکہ جو ان دونوں باتوں کو اچھی طرح سمجھ لے گا تو پھر نہ وہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرے گا اور نہ ہی حقوق العباد میں کوتاہی کرے گا اور ان دونوں حقوق کے صحیح طور پر ادا کرلینے پر ہی نجات وکامیابی کا وعدہ اللہ نے فرمایا ہے۔

اسکے بعد پھر ارشاد ہے کہ خدا سے ڈرو جسکے نام سے تم دوسروں کو ڈرا کر اپنا مطالبہ کیا کرتے ہو یعنی اگر کسی پر تمھارا کچھ چاہیئے تو تم اس سے یہ کہا کرتے ہو کہ خدا سے ڈرو اسے جان دینی ہے وہاں کیا منھ دکھاؤگے اور اپنے رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے کے بارے میں بھی خدا سے ڈرتے رہو اور اس بات کا یقین رکھو کہ خدا تم سب کی ہر ہر فعل کی پوری اطلاع رکھتے ہیں۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَ

اور جن بچوں کا باپ مرجائے ان کا مال ان ہی کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو ، اور

لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں کے رہنے تک - - - ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے

مالِ یتیم کی حفاظت اس آیت پاک میں یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم فرمایا گیا ہے اوّل یہ کہ جب وہ بالغ اور سمجھدار ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کردو، دوئم ان کا جو مال تمہاری حفاظت میں تھا وہی واپس کردو ایسا نہ ہو کہ ان کی اچھی چیز رکھ کر اسکے بدلے میں گھٹیا چیز دیدو مثلاً کوئی زیور جو اصل سونے کا تھا تم نے ویسا ہی ملاوٹ ڈالا بنوا کر اسکے سپرد کردیا، سوئم اسکا مال اپنے مال میں ملا کر مت کھاؤ کہ تم گھر کے چار آدمی ہو اور وہ ایک ہے اور آٹا دونوں برابر ملا کر پکاؤ وغیرہ، اصل منشاء خدائے پاک کا یہ ہے کہ یتیم کے مال کی حفاظت کی جائے اس میں کسی بھی طرح کا حیلہ وبہانہ بنا کر خیانت نہ کی جائے اور یاد رکھو جس نے خیانت کی تو اس نے بہت بڑا گناہ کیا۔

شانِ نزول یہ آیت قبیلۂ غطفان کے ایک شخص کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے بھتیجے کا مال واپس نہیں دیتا تھا، یہ آیت سنکر اسکے دل میں خدا کا خوف ہوا اور فوراً اس نے تمام مال واپس کردیا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ

اور اگر تمکو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو اور عورتوں سے جو تمکو پسند ہوں

مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا

نکاح کرلو دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے پس اگر تمکو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③

رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے

تفسیر اس سے پہلی آیت میں یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم فرمایا گیا تھا اب اس آیت پاک میں زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی ایک گندی خصلت ذکر کرکے اس کی اصلاح کا طریقہ بتلایا گیا ہے، وہ گندی خصلت یہ تھی کہ اگر کسی سرپرست کی سپردگی میں کوئی یتیم لڑکی ایسی ہے جو حسین وجمیل اور خوبصورت ہے یا مالدار ہے تو اس سے یا تو خود شادی کرلیتے تھے یا اپنے لڑکے سے نکاح کردیتے تھے مہر برائے نام کم سے کم مقرر کیا کرتے اور پھر جی چاہا تو ادا کیا ورنہ نہیں اور پھر اسکے حقوق سے بھی بے پروائی کرتے تھے۔

شان نزول

حضرت عائشہ صدیقہ رض سے مروی ہے کہ ایک شخص کی سپردگی میں ایک یتیم لڑکی تھی اور اس شخص کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی حصہ دار تھی اس نے اس لڑکی سے اپنا نکاح کر لیا اور بجائے اسکے کہ اپنے مال میں سے اس کا مہر وغیرہ ادا کرتا جو حصہ اس لڑکی کا باغ میں تھا اس پر بھی اپنا قبضہ جما لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ اگر تم عورتوں کے حقوق ادا نہ کرسکو تو پھر ان سے نکاح بھی مت کرو اور بہت سی عورتیں ہیں ان میں سے جو تمہارے لئے حلال ہوں اور تم کو پسند آئیں ان میں سے چاہئے کہ ایک نکاح میں رکھ لو اور اگر تم ان عورتوں میں عدل وانصاف نہ کرسکو کہ سب کا حق برابر ادا نہ کر پاؤ تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو اور اگر تم ایک عورت کا بھی حق ادا نہ کرسکو تو پھر ایک باندی کو اپنے نکاح میں رکھ لو کیونکہ اسکے حقوق آزاد عورت کے مقابلہ میں کم ہیں ان کو تم آسانی سے ادا کرسکتے ہو

چار عورتیں نکاح میں رکھنا جائز ہے

اس آیت نے یہ بات بتلادی ہے کہ ایک مسلمان کیلئے جائز ہے کہ وہ ایک وقت میں اپنے نکاح میں چار عورتوں کو بیویاں بنا کر رکھ سکتا ہے حدیث پاک میں اس کی وضاحت موجود ہے ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت عمیرہ اسدی رض کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے ایمان قبول کیا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں ان سب نے بھی ایمان قبول کر لیا تھا ان کے متعلق میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے چار عورتوں کو اپنے لئے منتخب کرلو اور باقی چار کو طلاق دیکر آزاد کردو۔

چونکہ مذہب اسلام عدل وانصاف اور برابری ومساوات پر بے پناہ زور دیتا ہے اسلئے چار بیویوں کی اجازت کے ساتھ ساتھ انصاف اور برابری کی شرط بھی لازمی کردی گئی ہے۔ انصاف جیسے کھانے پینے، رہنے سہنے کی چیزوں میں ضروری ہے اسی طرح رات گذارنے میں بھی ضروری ہے، یہ جائز نہیں کہ ایک عورت کے پاس دو رات گذارے اور دوسری کے پاس ایک رات۔

مخالفین کا اعتراض اور اسکا جواب

مخالفین، اسلام پر ایک اعتراض یہ بھی بڑے زور و شور سے کرتے ہیں کہ ان کے یہاں چار عورتیں رکھنے کی اجازت ہے مگر شریعت اسلام کا یہ فیصلہ انسانی فطرت کے مدنظر کیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی پوری دنیا کے تمام مذہبوں میں کئی کئی بیویاں رکھنا جائز تھا اور اس کو اگر عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو بھی اسکی صاف اجازت معلوم ہوتی ہے، یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ مرد میں قوت شہوانی عورت سے زیادہ ہوتی ہے اور پھر عورت زیادہ سے زیادہ چالیس سال کی عمر میں چار پانچ بچے جنکر تقریباً بے شہوت ہوجاتی ہے اور مرد اس عمر میں اچھا خاصا نوجوان ہوتا ہے اور اس کا جوش گرم رہتا ہے اس کے علاوہ عورت کی جوانی میں بھی بہت سا ایسا وقت آتا ہے کہ جس میں وہ صحبت کو کسی قیمت پر پسند

نہیں کرتی اور پھر اسلام نے بھی اس وقت میں صحبت کو حرام قرار رکھا ہے مثلاً ماہواری کے ایام، بچہ کی پیدائش کے بعد کے ایام، اور عورت کی شہوت دودھ پلانے کے زمانے میں بھی ٹھنڈی رہتی ہے جب کہ اتنی مدت مرد کا صحبت سے رکنا بڑا مشکل ہے خاص طور پر گرم اور ریگستان عرب جیسے ملکوں میں، یورپ نے ایک سے زیادہ شادی پر پابندی لگائی تو اسکا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ لڑکے لڑکیوں کا دوستانہ بڑھنے لگا اور وہ بلا شادی کے ایک دوسرے سے اپنی خواہشات پورا کرنے لگے، اور جن لوگوں میں ایک عورت کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کر سکتے تو ان میں سے جن کے آپسی تعلقات صحیح نہیں ہوتے تو وہ مرد اپنی دوسری شادی کے لئے کیا کیا حرکتیں کرتے ہیں، کبھی بیوی کو زہر دے کر مار دیا کبھی ڈاکٹروں سے مدد لے کر اسکا خاتمہ کر کے دوسری عورت بسالی۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر شریعت اسلام نے اجازت دیدی ہے کہ اگر تم میں استطاعت ہے کہ چار عورتوں کا مکمل خرچہ برداشت کر سکو، ان میں برابری و انصاف کر سکو ان کے تمام حقوق کی صحیح دیکھ بھال کر سکو تو چار تک عورتیں رکھ سکتے ہو۔

اگر یہ اجازت نہ دی جاتی تو اندیشہ تھا کہ لوگ زنا میں مبتلا ہو جاتے چنانچہ جن لوگوں کے دل میں خوف خدا نہیں وہ آج بھی زنا جیسے عظیم گناہ میں ملوث ہیں۔

حضورؐ کیلئے چار سے زائد بیویوں کی اجازت کیوں

مخالفین اس بات پر بھی بڑا شور مچاتے ہیں کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے امتیوں کو ایک وقت میں چار عورتیں نکاح میں رکھنے کی اجازت دی اور خود ایک وقت میں نو نو عورتیں نکاح میں رکھی ہیں۔ مگر یہ اعتراض کرنے والے لوگ اندھے اور ناسمجھ ہیں، اس میں کیا کیا راز ہیں، کیا کیا مصلحتیں اور حکمتیں ہیں اور کیا ضرورت ہے وہ اس کو نہ سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ منجملہ ایک حکمت و مصلحت یہ ہے کہ مردوں کی طرح دین عورتوں میں بھی پھیلانا تھا مرد تو اپنے سے متعلق مسائل براہ راست حضورؐ سے دریافت فرمالیتے تھے مگر عورتیں جو فطری طور پر شرم و حیا کا پتلا ہیں اور پھر ان کے بہت سے مسائل بھی اس طرح کے ہیں جن میں شرم و حیا کا آڑے آنا لازمی ہے ان تک دین پہونچانے کے لئے اللہ پاک نے یہ راہ نکالی کہ آپ کو بہت سی بیویاں نکاح میں رکھنے کی اجازت فرمادی، اب یہ بیویاں ہر طرح کے مسائل آپ سے بلا تکلف معلوم کر لیتی تھیں، اور پھر دوسری عورتوں تک پہونچا دیتی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی ترپن سال کی عمر شریف کے بعد ادھیڑ عمر میں بیویوں میں اضافہ ہوا اور حضرت عائشہ رضہ کے علاوہ کوئی بھی بیوی آپ کے نکاح میں کنواری نہ آئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے نکاح کا غالباً اصل سبب یہی تھا کہ وہ بے پناہ ذہین و ہوشیار تھیں اور پھر ابتدائی عمر میں

قوت یادداشت بھی زیادہ ہوتی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ باقاعدہ آپ سے قرآن وحدیث کا سبق لیتی تھیں اور اس سلسلہ میں ان کو ایسا امتیاز حاصل تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے اخلاق وعادات اور تعلیمات کا ایک صحیح ریکارڈ ثابت ہوئیں، چنانچہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد بڑے بڑے صحابہ کرام رضؓ آپ سے مسائل، احادیث اور آیات قرآنی کی تفسیر معلوم کیا کرتے تھے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ

اور تم لوگ بی بیوں کو ان کے مہر خوشدلی سے دیدیا کرو، ہاں اگر وہ بی بیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس

نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ④

مہر میں کا کوئی جزو تو تم اسکو کھاؤ خوشگوار سمجھ کر۔

مہر کا حکم حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر خود لے لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ اپنی بیویوں کا مہر خوش دلی سے ان کے حوالے کردیا کرو یہ انھی کا حق ہے ہاں اگر یہ اپنی مرضی سے تمکو اس میں سے کچھ حصہ دیدیں یا کل کا کل معاف کردیں تو پھر تمھارے لئے اسکا استعمال جائز ہے،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کوئی بیمار ہو تو اسکو چاہیئے کہ اپنی بیوی کے مہر کے پیسوں کا شہد خریدے اور بارش کا پانی اس میں ملاکر استعمال کرے انشاءاللہ شفا ہوگی، کیونکہ اس میں تین خیروبرکت اور شفا والی چیزیں جمع ہیں ۱۔ مہر کا پیسہ ۲۔ شہد ۳۔ بارش کا پانی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے دریافت فرمایا کہ مہر کتنا ہونا چاہیئے آپ نے جواب دیا جتنے پر لڑکی کے ولی رضامند ہوجائیں اسی لئے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ مہر پیسہ دو پیسہ بھی مقرر کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مہر کی مقدار کم ازکم دس درہم ہونا ضروری ہے، مہر کا دستور عرب میں مذہب اسلام سے پہلے بھی تھا مگر اس کی شکل اس سے زائد نہ تھی کہ مرد اپنی خوشی سے کچھ ہدیہ دیدیا کرتا تھا مذہب اسلام نے اس کو واجب قرار دیدیا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ

اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگانی بنایا ہے اور

ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤

اور ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رہو پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو

تفسیر اس آیت میں یتیم کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر وہ بے سمجھ ہے کہ اس کو تجارت وغیرہ کا طریقہ نہیں آتا اور تم کو ڈر ہے کہ یہ اپنے مال کو یوں ہی ضائع کر دے گا تو اس کو مال حوالے نہ کرنا چاہیئے اس پر وہ دل گیر ہوگا اور یقیناً اپنی طبیعت میں رنج وغم کرے گا

ہم نے مال کو تمھارے لئے ذریعہ معاش بنایا ہے مطلب یہ کہ اس میں تجارت وغیرہ کرکے بڑھاؤ، جو منافع اسمیں ہو اس سے اپنی ضروریات پورا کرتے رہو۔

اس آیت میں جو لفظ السفہاء ہے جسکے معنی بیوقوف کے ہیں، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد یتیم ہیں یہ تفسیر مقام کے لحاظ زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا سفہا سے مراد بیوی بچے ہیں مطلب یہ کہ ان کے ہاتھوں میں مال اور کاروبار دیکر ضائع مت کراؤ چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ تیرا وہ مال جس پر تیری گذر بسر ہے اس کو اپنی بیوی اور بچوں کو مت دے ڈال کہ تم ان کا ہاتھ تکتے پھرو بلکہ اپنا مال اپنے قبضے میں رکھو اور ان کے کھانے پینے پہننے وغیرہ کا بندوبست کرو اور ان کا خرچہ اٹھاؤ۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ

اور تم یتیموں کو آزمایا کرو یہانتک کہ جب وہ نکاح کو پہونچ جاویں پھر اگر ان میں ایک گونہ

مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ

تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد

اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہوجاویں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھاڈالو اور جو شخص مستغنی ہو سو وہ تو اپنے کو

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ

بالکل بچائے اور جو شخص حاجت مند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے پھر جب ان کے اموال ان کے

اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥

حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والے کافی ہیں۔

تفسیر اس سے پہلی آیت میں تھا کہ یتیموں کا مال روکے رکھو اگر تم کو ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو مگر اس میں بہت سے غرض پرست لوگ بہانہ بنا کر یتیموں کا مال واپس نہ کرتے اور خود ہی ہضم کر جاتے

اس لئے اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان یتیم بچوں کی کاروبار میں اور اپنے مال کی حفاظت وغیرہ میں آزائش وامتحان لیتے رہو اور جب دیکھو کہ مال کی حفاظت کی کچھ سوجھ بوجھ ان میں آگئی ہے اور وہ بالغ بھی ہوگئے ہیں تو گواہ کے سامنے ان کا مال ان کے سپرد کردو۔

اگر کسی میں بالغ ہونے کے بعد بھی حفاظتِ مال کی صلاحیت پیدا نہ ہو تو اسکے سپرد مال کیا جائے یا نہیں اسکے متعلق امام شافعی امام محمد امام ابویوسف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اخیر عمر تک اس کو مال واپس نہ کیا جائے کیونکہ وہ مال کو ضائع کرڈالے گا بلکہ اس مال میں سے اسکا خرچ چلاتا رہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پچیس سال کی عمر تک انتظار کرکے بھی اگر اس میں حفاظتِ مال کی سوجھ بوجھ نہ آئے تو مال اس کے سپرد کردینا چاہیئے کیونکہ پچیس سال کی عمر کے بعد اصلاح کی امید باقی نہیں رہتی، لہذا اس کے مال سے اسکو محروم نہ کیا جائے۔

اسکے بعد حق تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمائی کہ یتیم کا مال کسی صورت سے بھی ضائع نہ کیا جائے اسے فضول خرچی میں نہ اڑایا جائے اور یہ بات بھی سن لو کہ اگر یتیم کا سرپرست مالدار ہے تو اپنا حق الخدمت اسکے مال میں سے ہرگز نہ لے ہاں اگر غریب ہے تو مناسب حق الخدمت جو دوسروں کو دیا جاتا وہ لے سکتا ہے بعض روایات میں احتیاط اور تقویٰ کے پیش نظر یہ بھی بیان کردیا گیا ہے کہ اگر یہ سرپرست مالدار ہوجائے تو اس یتیم کے مال میں جتنا حق الخدمت لیا تھا وہ سب واپس کردے، حاصل یہ کہ یتیم کے مال کی حفاظت پر قرآن وحدیث نے بے پناہ زور دیا ہے کہ اسکے مال کی ہرممکن صحیح دیکھ بھال کی جائے اور آخر میں تنبیہ کے طور پر یہ بھی فرمادیا ہے کہ اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے، مطلب یہ کہ اگر تم اپنی ہوشیاری سے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یتیم کے مال میں کسی طرح کی ہیرا پھیری کر بھی لی مگر جب ہم حساب کریں گے تو تم اپنی ہیرا پھیری نہ چھپا سکوگے اس وقت ہم تمکو سب کے سامنے ذلیل ورسوا کرکے سخت قسم کا عذاب دیں گے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ

مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت قریب کے قرابت دار چھوڑ جاویں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا

ہے اس چیز میں سے جسکو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو حصہ قطعی

مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ

اور جب تقسیم ہونے کے وقت آموجود ہوں رشتہ دار اور یتیم اور غریب لوگ

فَاَرْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ

توان کو بھی اس میں سے کچھ دیدو اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو — اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے

لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاویں توان کی ان کو فکر ہو، سو ان لوگوں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

اور موقع کی بات کہیں — بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩ ع

اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں — اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے

تفسیر

مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مرتا تو اس کی سب سے بڑی اولاد باپ کے تمام مال کی مستحق ہوجاتی تھی اور چھوٹے بہن بھائی اور مرنے والے کی بیوی بالکل محروم کردی جاتی تھی۔ اور یہ بھی دستور تھا کہ عورت ذات کو بالکل محروم کردیا جاتا تھا چاہے وہ مرنے والے کی بیوی ہو یا لڑکی وغیرہ

واقعۂ شانِ نزول

اس آیت کا سبب نزول بھی اسی طرح کا ایک واقعہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے شوہر اوس بن ثابت انصاری خدا کو پیارے ہوگئے ہیں اب میرے پاس تین بیٹیاں ہیں اور میرے شوہر کا کل مال ان کے چچا کے دو لڑکوں نے اپنے قبضہ میں کرلیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں جو حکم خدائے تعالیٰ فرمائے گا دیا ہی کیا جائیگا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی

اقوال و تحقیق

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ الآیۃ۔ اس آیت میں جو حکم ہے کہ بوقت تقسیم وراثت اگر بعض محروم الارث اقرباء یا مساکین وغرباء آجائیں تو ان کو بھی کچھ دیدیا جائے یہ دینا شروع اسلام میں واجب تھا اور بعض نے فرمایا کہ مستحب تھا اور اب یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اسکے متعلق صحابہ وغیرہ سے دو طرح کے قول منقول ہیں (۱) اب بھی اسی طرح باقی ہے یہ قول حضرت ابن عباسؓ ابن مسعودؓ مجاہدؒ ابن سیرینؒ سعید بن جبیرؒ وغیرہ کا ہے اور علاوہ حضرت ابن عباس کے یہ تمام حضرات وجوب کے قائل ہیں (۲) حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں اب یہ حکم باقی نہیں بلکہ یہ آیت یوصیکم اللہ سے منسوخ ہوچکی ہے جمہور اور ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے، حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس آیت کی بہت ہی عمدہ تفسیر فرمائی ہے جس سے تمام اختلافات کا خاتمہ ہوجاتا ہے فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب غریب لوگ تقسیم کے وقت آجائیں اور تم اپنا اپنا حصہ لے کر جانے لگو اور یہ بیچارے تمکو دیکھتے رہ جائیں تو تمہارا اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ ان کو خالی ہاتھ نہ بھیجو یہ خدا کو اچھا نہیں لگتا بلکہ اپنے اپنے حصہ میں سے تھوڑا تھوڑا ان کو بھی دیدو یہ بیچارے خوش ہوجائیں گے۔

جس میں ارشاد ہے کہ میت کے مال میں جس طرح مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ بنتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اس آیت میں حصوں کو متعین نہیں فرمایا بلکہ اسکے بعد جو آیات آرہی ہیں ان میں حصوں کو مقرر و متعین کیا گیا ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ترکہ تقسیم کرتے وقت اگر کچھ ایسے رشتے دار آجائیں جن کا حصہ ترکہ میں نہیں نکلتا یا کچھ غریب و مسکین آجائیں تو اس مال میں سے ان کی دل جوئی کی خاطر کچھ دے دینا چاہئیے یہ دینا واجب نہیں بلکہ مستحب و افضل ہے اور ان کو نرمی سے سمجھا دے کہ بھائی اس میں دوسرے مستحقین کا حصہ ہے انھیں دینا ہے۔ اور پھر حق تعالیٰ نے بیکسوں پر رحم کھانے اور تمام مال خود ہڑپ کر جانے اور میت کے معصوم بچوں کو محروم کر دینے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ ذرا سوچو کہ اگر تمھارے مرنے کے بعد تمھارے ننھے ننھے بچے رہ جاویں اور وہ مجبوری میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلائیں، بھیک مانگیں تو تم اس کو کس طرح پسند کرو گے پس ان بچوں اور بے کسوں پر ترس کھاؤ اور ان کو ان کے حق سے محروم نہ کرو ورنہ کل تمھارے مرنے کے بعد تمھارے بچوں کو بھی اسی طرح محروم کیا جائیگا - اور یہ بھی اسی طرح بھیک مانگتے پھریں گے۔

اسکے بعد آخری آیت میں یتیموں کا مال ہڑپ کرنے والوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کیا ہے کہ ان کا جو مال تم آج خوشی خوشی مزے لے لے کر کھا رہے ہو یہ کل قیامت کے دن تمھارے لئے انگارا بن جائیگا اس وقت تم اپنی جان کسی طرح بھی نہ بچا سکو گے اور جہنم میں جلتے رہو گے، چنانچہ حضور نے معراج کی رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے نیچے کے ہونٹ کٹ رہے ہیں اور فرشتے انھیں گھسیٹ کر ان کے منھ میں جہنم کے پتھر ٹھونس رہے ہیں جو ان کے پیٹ میں پہنچ کر پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں جس سے ان کو بے پناہ تکلیف ہو رہی ہے اور وہ خوب چلا رہے ہیں حضرت جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں فرمایا یتیموں کا مال کھانے والے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے باب میں — لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر — اور اگر

كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً

صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملیگا اس مال کا جو مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک

فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

ہی لڑکی ہو تو اسکو نصف ملیگا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کیلئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے

إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ

اگر میت کے کچھ اولاد ہو اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اسکے ماں باپ ہی اسکے وارث ہوں تو اسکی

الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ

ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اسکی ماں کو چھٹا حصہ ملیگا وصیت نکال لینے کے بعد

وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ

کہ میت اسکی وصیت کر جاوے یا دین کے بعد، تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے ہو کہ ان میں

أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

کا کون سا شخص نفع پہونچانے میں نزدیک تر ہے، یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا بالیقین اللہ تعالیٰ بڑے علم اور

عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪

حکمت والے ہیں۔

تفسیر اس سے پہلی آیات میں اجمالی طور پر یہ ذکر تھا کہ کن لوگوں کو ترکہ میں حق ملتا ہے اب اس آیت میں بعض مستحقین ترکہ کے حصہ کی تعیین و تفصیل ہے، اس رکوع میں کچھ مسائل کا بیان ہے اور کچھ اس سورت کے اخیر میں آرہے ہیں اور کچھ احادیث پاک کے ذخیرہ میں موجود ہیں اس لئے اس مقام پر تمام مسائل کا بیان بہت مشکل ہے اور پھر یہ فن میراث بہت باریک بھی ہے اس میں ایک ہی مسئلہ کی رشتہ داروں کی کمی و زیادتی سے کئی کئی صورتیں بن جاتی ہیں اس طرح اسمیں سینکڑوں مسئلے شاخ در شاخ نکلتے چلے جاتے ہیں غرضیکہ یہ فن میراث بہت باریک اور پیچیدہ ہے اسلئے اگر کسی مسئلہ کی ضرورت پڑ جائے تو کسی جید اور معتبر عالم سے معلومات کی جائے، یہی وجہ ہے کہ ہر مولوی بلکہ مفتی بھی جلدی سے حصوں کی تقسیم کے مسائل تبلانے کی ہمت نہیں کرتے۔

ترکہ کی تقسیم کا قاعدہ میت جو مال وغیرہ چھوڑ کر مر جائے اسکی تقسیم میں کیا ترتیب رکھی جائے، مذہب اسلام نے اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے کہ پہلے شریعت کے مطابق اس کے مال میں سے کفن دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں جس میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ ہی کنجوسی ہو اسکے بعد اگر میت پر قرضہ ہے تو اسکو ادا کیا جائے پھر اگر قرضہ سے کچھ مال بچ جائے تو اگر وہ کوئی وصیت کر گیا ہے بشرطیکہ کسی گناہ کے کام کی وصیت نہ ہو تو ایک تہائی مال سے وصیت پوری کر دی جائے کیونکہ حدیث شریف کی روشنی میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا مناسب نہیں اور اگر کر دی تو بھی تہائی مال ہی میں سے ادا کی جائیگی

اور اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت اپنے وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے کرتا ہے تو گنہگار ہوگا اسکے بعد جو مال بچے گا اس کو شریعت کے اصول کے مطابق وارثوں میں تقسیم کر دیا جائیگا
یُوصِیکُمُ اللّٰہُ الآیۃ (یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے حق میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے) یہ ایک ایسا قاعدہ ہے کہ جس نے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو میراث کا حقدار بھی بنا دیا ہے اور ہر ایک کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے اور اصول معلوم ہوگیا ہے کہ جب مرنے والے کی اولاد میں لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں جو ان کے حصہ میں مال آئیگا وہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا ملیگا مثلاً کسی نے چار ہزار روپے چھوڑے اور ایک لڑکا دو لڑکیاں چھوڑیں تو مال کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ دو ہزار لڑکے کو ملیگا اور ایک ایک ہزار دونوں لڑکیوں کو ملیں گے۔ حضرت مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ جو لوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور بہنیں یہ سمجھ کر بادلِ ناخواستہ شرما شرمائی میں اپنا حصہ معاف کر دیتی ہیں کہ ملنے والا تو ہے نہیں بلا وجہ کیوں بھائیوں سے لڑائی مول لی جائے یاد رکھو ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے اس طرح میراث دبانے والے سخت گنہگار ہیں ان میں بعض یہاں نابالغ بھی ہوتی ہیں ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے ایک گناہ وارث شرعی کے حصہ کو دبانا اور دوسرا یتیم کے مال کو کھا جانا ۔ اسکے بعد مزید وضاحت فرماتے ہوئے لڑکیوں کا حصہ یوں بیان فرمایا فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً الآیۃ یعنی اگر نرینہ اولاد نہ ہو صرف لڑکیاں ہی ہوں اور ایک سے زائد ہوں تو ان کو ترکہ میں سے دو تہائی مال ملے گا جس میں تمام لڑکیاں برابر کی شریک ہوں گی اور باقی ایک تہائی باقی وارثوں مثلاً میت کے والدین بیوی یا شوہر وغیرہ میں شریعت کے اصول کے مطابق تقسیم ہو جائیگا۔ اب تک تو دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہوں ان کا مسئلہ بیان ہوا کہ ان کو دو تہائی ملیگا اسکے بعد یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر مرنے والا صرف ایک لڑکی چھوڑے اور اسکے کوئی نرینہ اولاد بھی نہ ہو تو اسکو اسکے والد یا والدہ کے ترکہ میں سے آدھا ملیگا باقی دوسرے وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

والدین کا حصہ

اسکے بعد میت کے والدین کا حصہ بیان ہوتا ہے اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں اولؔ مرنے والے کے والدین بھی زندہ ہوں اور اولاد بھی چھوڑی ہو چاہے ایک ہی لڑکا یا لڑکی ہو اس صورت میں والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملیگا باقی دوسرے وارثوں میں تقسیم ہو جائیگا دوؔم یہ کہ مرنے والے کے نہ اولاد ہو اور نہ ہی بہن بھائی ہوں صرف والدین ہوں اس صورت میں ایک تہائی ماں کو اور دو تہائی باپ کو ملیگا یہ مسئلہ اس وقت ہے کہ مرنے والے کے شوہر یا بیوی موجود نہ ہو اگر ہے تو پہلے ان کا حصہ نکال کر پھر بقیہ میں سے ایک تہائی ماں کو اور دو تہائی باپ کو ملے گا۔ سوؔم مرنے والے کے اولاد تو نہ ہو بہن بھائی ہوں جن کی تعداد دو ہو چاہے دو بھائی ہوں یا دو بہنیں

ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر کوئی وارث نہیں تو بقیہ حصہ باپ کو مل جائے گا بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی سے ماں کا حصہ کم ہو گیا لیکن بھائی بہن کو بھی کچھ نہ ملے گا کیونکہ باپ بہ نسبت بہن بھائی کے زیادہ قریبی رشتہ رکھتا ہے لہذا ماں کو ملنے کے بعد جو بچے گا وہ سب باپ کو مل جائے گا۔

آیت کے اخیر میں ارشاد ہے کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کا رسم شادی بلکہ اسلام میں بھی پہلے جو یہ حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جایا کرتا تھا ماں باپ کو صرف وصیت کے بطور ملتا تھا جیسے اس سے پہلے بیان ہو چکا مگر اس حکم کو منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا کہ والدین بھی باقاعدہ حصہ دار ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے لوگوں تمکو یہ نہیں معلوم کہ تمھیں باپ سے زیادہ نفع پہونچے گا یا اولاد سے اگرچہ امید دونوں سے نفع کی ہے یقین کسی پر بھی دوسرے سے زیادہ نہیں کیا جا سکتا، پھر ارشاد ہے کہ یہ مقررہ حصے خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے گئے ہیں اس میں کسی کو رائے زنی یا کمی دبیشی کا کوئی حق نہیں اور تمھیں پورے یقین و اعتماد کے ساتھ اسے قبول کرنا چاہیئے تمھارے مالک و خالق کا یہ حکم بہترین حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، تمھارے نفع کا کوئی پہلو خدا کے احاطۂ علم سے باہر نہیں اور جو بھی وہ حکم کرتا ہے وہ کسی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا تمھیں اپنے نفع و نقصان کی اصلیت معلوم نہیں ہو سکتی اگر تقسیم میراث کا مسئلہ خود تمھاری رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو تم ضرور اپنی کم فہمی کی وجہ سے صحیح فیصلہ نہ کر پاتے اللہ پاک نے یہ فریضہ اپنے ذمہ لے لیا تاکہ میت کے مال کی تقسیم صحیح صحیح ہو سکے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ

اور تمکو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمھاری بیبیاں چھوڑ جاویں اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر ان بی بیوں کے کچھ اولاد

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی ملے گا وصیت نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں

يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ

یا دین کے بعد اور ان بی بیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جسکو تم چھوڑ جاؤ اگر

لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ

تمھارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمھارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمھارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ط

وصیت نکالنے کے بعد کہ تم اسکی وصیت کر جاؤ یا دَین کے بعد

میاں بیوی کا حصہ

اس آیت میں میاں بیوی کے حصوں کو بیان فرمایا گیا ہے، اگر عورت کا انتقال ہوتا ہے اور اس نے اپنی کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اس صورت میں قرض وصیت کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے گا اس میں سے شوہر کو آدھا مال ملے گا اور باقی آدھا دوسرے وارثوں مثلاً عورت کے والدین بہن بھائی میں تقسیم ہوجائیگا اور اگر مرنے والی اس عورت نے اولاد چھوڑی ایک ہو یا دو ہوں یا تین ہوں لڑکا ہو یا لڑکی ہو اس شوہر سے ہو جسکو چھوڑ کر مری ہے یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہو تو اس صورت میں موجودہ شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا اور بقیہ تین چوتھائی حصے دوسرے وارثوں میں شریعت کے قاعدہ کے مطابق تقسیم ہوجائیں گے۔

اور اگر شوہر کا انتقال ہوا اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے گا اس کی بیوی کو چوتھائی حصہ ملیگا اگر اس نے اولاد چھوڑی ہے چاہے موجودہ بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے ہو تو اس صورت میں موجودہ بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر اس کی بیویاں ایک سے زائد ہیں تو ان سب میں یہ آٹھواں حصہ برابر برابر تقسیم کیا جائیگا بقیہ سات حصے دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوجائیں گے

شوہر کے مرنے کی صورت میں حصے تقسیم کرنے سے پہلے یہ بھی معلوم کرلینا ضروری ہے کہ بیوی کا مہر ادا یا معاف ہوگیا تھا یا نہیں اگر نہیں تو اور قرضوں کی طرح مہر جو کہ درحقیقت شوہر کے ذمہ قرض ہے ادا کیا جائیگا اور اسکے بعد جو مال بچے گا وارثوں میں تقسیم ہوگا آج کل اکثر لوگ اس میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں جس کی وجہ سے شوہر کے ذمہ قرض رہ جاتا ہے اور پھر آخرت میں اس سے مواخذہ و گرفت ہوتی ہے۔

وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ

اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جسکے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں اور

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ

اسکے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملیگا پھر اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب

شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ

تہائی میں شریک ہوں گے وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کردی جائے یا دین کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچاوے

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

یہ حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں حلیم ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں کلالہ یعنی ایسی میت کے ترکہ کا حکم بیان کیا گیا ہے جس نے اولاد یا اولاد کی اولاد نہ چھوڑی ہو اور نہ ہی والدین اور دادا دادی چھوڑے ہوں، اب یہ میت چاہے مرد ہو یا عورت یہ ایک بھائی یا ایک بہن صرف ماں شریک چھوڑے ہو تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر صرف بہن ہے تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو مثلاً ایک بھائی ایک بہن ہو یا دو بھائی اور دو بہنیں ہوں تو یہ ترکہ کے تہائی حصہ میں شریک ہوں یعنی ایک تہائی حصہ لے کر آپس میں تقسیم کرلیں گے اور اس مسئلہ میں لڑکے کا حصہ لڑکی سے ڈبل نہیں ہوگا بلکہ برابر رہے گا اس پورے رکوع میں جب میراث کے چند مسائل بیان ہوچکے تو اخیر میں اللہ تعالیٰ سبحانہ نے غَيْرَ مُضَآرٍّ فرمایا اس میں وصیت کرنے والے کو تنبیہ ہے کہ وصیت اس طرح کی کرے جس سے وارثوں کو نقصان نہ پہونچے مثلاً تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کرے یا تہائی مال کی وصیت میں یہ نیت ہو کہ وارثوں کو کم حصہ ملے یہ جائز نہیں گناہ عظیم ہے۔

اخیر آیت میں اس پر تاکید فرمائی گئی ہے کہ جو حصے خدا نے متعین فرمائے ہیں اور جو فرض اور وصیت کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے اس پر عمل نہایت ضروری ہے پھر فرمایا کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے لہذا اسکی حال جان کر حصہ متعین فرمائے ہیں جو ان پر عمل کریگا۔ تو اسکو خدا جزا دیگا اور جو خلاف ورزی کرے گا اسے

اقوال وتحقیق

اس رکوع میں تین مرتبہ میراث کے حصے بیان کرکے یہ فرمایا کہ حصوں کی تقسیم وصیت اور قرض کے بعد ہوگی اس ترتیب کا تقاضا یہ نکلتا ہے کہ پہلے وصیت پر عمل ہوگا اور پھر قرض دیا جائے گا جبکہ اصل مسئلہ یہ ہیکہ پہلے قرض ادا کیا جائے گا اسکے بعد اگر مال بچے گا تو وصیت پوری کی جائے گی ورنہ نہیں، اس تعارض کا دفع حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اس رکوع میں اگرچہ لفظ وصیت مقدم ہے مگر عملی طور پر حضورؐ نے اسکو قرض کے بعد رکھا ہے، مفتی شفیع صاحبؒ نے روح المعانی کے حوالہ سے پھر اس امر کو واضح فرمایا ہے کہ جب عملاً وصیت مؤخر ہے تو پھر اسکو لفظاً دَیْن پر مقدم کیوں فرمایا وجہ اسکی یہ ہیکہ وصیت بھی میراث کی طرح بلا کسی عوض کے ملتی ہے اور اس میں رشتہ دار ہونا بھی ضروری نہیں اسلئے وارثوں کی جانب سے اسکے ادا کرنے میں کوتاہی کا اندیشہ تھا لہذا اسکی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے اس کو دَین پر مقدم کردیا۔

سزا دے گا

مسئلہ وارث کے حق میں وصیت بیکار ہے تو جس شخص کا میت کے ترکہ میں حصہ ہے اور وہ میت اس شخص کے لئے کچھ مال کی وصیت کرے تو اس وصیت پر عمل نہ ہوگا اور اس شخص کو حصہ سے زیادہ کچھ نہ ملے گا، ہاں اگر باقی تمام وارث اس وصیت کو جان جائیں تو پھر یہ سب اپنی مرضی سے اس وصیت کے مطابق اس کو مزید حصہ دے سکتے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

یہ سب احکام مذکورہ ضابطہ خداوندی ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

ایسی بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے

⑬ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اسکے ضابطوں سے نکل جاویگا اسکو آگ میں داخل کرینگے

خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑭

اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اسکو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے

ع ۲ / ۱۲

تفسیر میراث کے چند احکام بیان کرنے کے بعد ان دو آیتوں میں ان احکام کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی فضیلت اور اس پر اچھا بدلہ اور نافرمانی کرنے والوں پر سزا اور برا انجام کا بیان ہے، اس سے درحقیقت مسائل میراث کی اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہے ارشاد ہے کہ اب تک جو احکام میراث بیان ہوئے یہ سب خدا کے مقرر کردہ اصول ہیں جو ان پر عمل کرکے خدا کی خوشنودی حاصل کرے گا تو اس کو جنت کے محلوں میں داخل کر دیا جائیگا اور ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ اسی عیش و عشرت کی زندگی میں رہیں گے اور اسکے برخلاف جو شخص خدا اور رسول کی نافرمانی کرے اسکے احکامات پر عمل نہ کرے بلکہ ان پر عمل ضروری بھی نہ سمجھے اور یہ حالت کفر کی ہے تو ایسے شخص کو دوزخ کے دہکتے ہوئے انگاروں میں ڈالدیا جائیگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں جلتا رہے گا۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً

اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیبیوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو

مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ

سو اگر وہ گواہی دیدیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے

اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ

یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرمادیں اور جو نسے دو شخص بھی بے حیائی کا کام کریں تو تم میں سے ان دونوں

فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان دونوں سے تعرض نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنیوالے میں رحمت والے ہیں

فاحشہ عورتوں کی سزا

ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں فاحشہ وزنا کار عورت کی سزا کا ذکر ہے ارشاد ہے کہ جس عورت سے ایسی حرکت سرزد ہوجائے تو اسکے ثبوت کے لئے چار گواہ طلب کئے جائیں جو مرد ہوں بالغ ہوں، مسلمان ہوں، سمجھدار ہوں اگر اسکا زنا حاکم وقت کے سامنے ثابت ہوجائے تو ان کو تکلیف پہنچائی جائے جس کی تفصیل حضرت ابن عباس سے یہ منقول ہے کہ ان کو زبان سے شرم وغیرت دلائی جلئے اور جوتے مارے جائیں اور دوسری سزا یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو گھروں میں بند کرکے رکھیں یہاں تک کہ اللہ کا حکم ان کے بارے میں نازل ہوجائے، چنانچہ کچھ دن بعد سورۂ نور کی اس آیت میں اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ میں اللہ نے ان کے لئے یہ حکم نازل فرمایا کہ زنا کار عورت اور زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں حدیث شریف میں اس کی مزید تفصیل اس طرح بیان کردی گئی، بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رض

اقوال و تحقیق

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا الآيۃ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مصداق وہ مرد ہیں جو غیر فطری طریقہ سے قضاء شہوت کرتے ہیں یعنی مرد استلذاذ بالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں قاضی صاحب کے علاوہ اور بہت سے مفسرین نے اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ اس جرم کی اگرچہ قرآن و حدیث نے کوئی سزا متعین نہیں کی مگر مختلف سزائیں جو شریعت مطہرہ اور ائمہ مجتہدین کے اقوال میں ملتی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جرم کے مرتکب کو سخت سے سخت سزا دینی چاہئے۔ حضور علیہ السلام نے اس جرم کے متعلق فرمایا کہ یہ ملعون ہے اور اس پر خدا کا غضب صبح و شام ہوتا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ فاعل و مفعول دونوں کو مار ڈالو حضرت ابوبکر صدیق رض حضرت علی رض حضرت عبد اللہ بن زبیر رض اور حضرت ہشام بن عبدالملک رح نے اپنے اپنے زمانوں میں اس قوم لوط کے عمل کرنے والوں کو آگ میں جلا ڈالا تھا اور ائمہ حضرات نے بھی مختلف سزا مقرر فرمائی ہے کسی نے فرمایا پہاڑ وغیرہ اونچی جگہ سے پھینک دیا جائے تاکہ مرجائے کسی نے فرمایا دیوار گرا کر کچل دیا جائے کسی نے فرمایا کڑھائی میں تیل خوب کھولا کر اس میں ڈالدیا جائے تاکہ جل بھن کر خاک ہوجائے۔ اللّٰهم احفظنا۔

سے مردی ہے کہ اگر زنا کار شادی شدہ ہے تو اسکو سنگسار کیا جائیگا یعنی اس پر اس قدر پتھر پھینکا جائے کہ وہ دم توڑدے اور غیر شادی شدہ ہے تو ہر ایک کو سَو کوڑے مارے جائیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ زناکار اور فاحشہ عورت کو گھر میں قید رکھنے کی سزا کو ختم کرکے اب اسکے لئے شریعت نے سنگساری اور کوڑوں کی سزا متعین کردی ہے۔

اخیر آیت میں عام لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ زناکار کو جب سزا دیدی جائے اور وہ توبہ کرے تو اب اس پر لعن وطعن اور ملامت نہ کی جائے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ

توبہ جسکا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان کی ہی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت

مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا

میں توبہ کرلیتے ہیں سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ خوب جانتے ہیں حکمت والے ہیں

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّـَٔاتِ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ

اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی

أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـَٰٔنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ

آکھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی جن کی حالت کفر پر موت آجاتی

وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۸﴾

ہے، ان لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے

تفسیر اس سے پہلے توبہ کا ذکر آیا تھا اب ان دو آیتوں میں توبہ قبول ہونے کی شرطیں اور اس کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی صورتیں بیان کی گئی ہیں ارشاد ہے کہ جو شخص کوئی گناہ کرے جہالت کی وجہ سے یعنی اسکے انجام سے غفلت کی وجہ سے خواہ یہ گناہ جان بوجھ کر کیا ہو یا انجانے۔ اور خطا سے کرلیا ہو بہر حال اگر یہ شخص اپنے مرنے سے پہلے سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ پاک اس کو قبول کرنا اپنے ذمہ کرلیتے ہیں مطلب یہ کہ اللہ نے اس کا وعدہ فرمالیا جس کا قبول ہونا یقینی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی فرض واجب یا کسی کا حق لازم نہیں ہوتا

اسکے بعد دوسری آیت میں ان لوگوں کی توبہ کا ذکر ہے جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور یہ وہ لوگ ہیں جو

عمر بھر جرأت و بے باکی کے ساتھ گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب موت سر پر آ کھڑی ہوتی ہے موت کے فرشتے سامنے آ جاتے ہیں اور روح نکلنا شروع ہو جاتی ہے تو اس وقت توبہ کرتے ہیں چونکہ یہ خدا کے حکم کی وجہ سے توبہ نہیں کر رہا ہے بلکہ مصیبت و آفت سے گھبرا کر توبہ کر رہا ہے اسلئے یہ توبہ قابل قبول نہیں اور اس طرح ان لوگوں کی توبہ و ایمان بھی قابل قبول نہیں جو حالت غرغرہ اور عین روح نکلتے وقت اپنے کفر سے توبہ کریں اور خدا اور اسکے رسول پر ایمان لائیں جیسے فرعون اور اسکے لشکر نے دریا میں غرق ہوتے وقت پکارا کہ ہم رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لاتے ہیں مگر ان کو منجانب اللہ جواب ملا کہ اب کیا فائدہ ایمان لانے سے اب تو ایمان قبول ہونے کا وقت ہی ختم ہو چکا ہے اب تو عذاب بھگتنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا

اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے

تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ

مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح

بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ

ناشائستہ حرکت کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ

فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ⑲ وَ

تم ایک شیٔ کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھدے اور اگر تم بجائے ایک بی بی

إِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ

کے دوسری بی بی کرنا چاہو تو تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی

قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا

مت لو کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر۔ اور تم اس کو کیسے

⑳ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ

لیتے ہو حالاں کہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے

مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ㉑

ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں

شانِ نزول

اس آیت پاک کے جو شانِ نزول بیان کئے گئے ہیں انہی سے ان کی تفسیر واضح ہوجاتی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجاتا تو اسکے وارث اس کی بیوی کے بھی حقدار سمجھے جاتے تھے اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے اپنا نکاح کرلیتا اور اگر وہ چاہتے تو اپنی مرضی کے مطابق کسی دوسرے سے نکاح کرا دیتے اور اگر چاہتے تو اسے نکاح ہی نہ کرنے دیتے، زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کی خاطر یہ آیت نازل کی گئی۔

زمانہ جاہلیت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ باپ کے مرجانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے اگر چاہتا تو نکاح کرلیتا اور اگر چاہتا تو اپنی مرضی سے اپنے دوسرے رشتہ داروں میں سے کسی سے نکاح کرا دیتا چنانچہ مروی ہے کہ ابو قیس کا جب انتقال ہوا تو ان کی بیوی کبیشہ سے زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق ابو قیس کے بیٹے نے اپنی اس سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہا تو اس نیک بی بی نے اس کی اطلاع حضور علیہ السلام کو دی اور یہ بھی عرض کیا کہ یہ لوگ مجھے وارث نہ سمجھ کر میرے شوہر کے ترکہ میں سے نہ مجھے حصہ دیتے ہیں اور نہ ہی مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اپنی مرضی سے کہیں نکاح کرسکوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان دونوں آیتوں کے شانِ نزول سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آگئی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کا کوئی مقام نہ تھا اس زمانہ کے مرد عورت کو ایک جانور سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے تھے کہ جب ان کے کھونٹے (یعنی نکاح) سے بندھ گئی تو اب ان کی مرضی ہے جب چاہیں یہاں سے کھول کر کسی دوسرے کے کھونٹے سے باندھ دیں۔ جب عورت کی جان پر ان کو اتنا حق حاصل تھا مال کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر عورت کسی تدبیر سے اس مال کو محفوظ بھی کرلیتی جو اسکے میکے وغیرہ سے اس کو ملا تھا تو یہ لوگ جب تک اس مال کو بھی اگلوا نہ لیتے اس کو نہ چھوڑتے اپنے گھر میں باندی بنا کر قید رکھتے ان کے علاوہ بے شمار ظلم وستم اور مظالم عورت ذات پر مسلسل ہوا کرتے تھے اور اس بیچاری کو اتنا حق بھی نہ تھا کہ چوں ہی کرتے۔

مذہب اسلام کا عورت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے مردوں کے چنگل اور ظلم وستم سے بچا لیا اور اس کو ایک اونچا مقام دے کر اپنے حقوق پورے طور پر حاصل کرنے کا اختیار دیا قرآن پاک کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بڑی سختی سے منع فرمایا ہے کہ عورت پر کسی بھی طرح کا کوئی ظلم وزیادتی مت کرو ان پر بے جا سختی کی اجازت تم کو قطعاً نہیں ہے ان پر اگر تم کوئی ظلم کروگے تو یہ کھلم کھلا حرام ہے اور حرام کی سزا تم جانتے ہو دوزخ کے دہکتے ہوئے انگارے ہیں۔

عورت پر ایک ظلم اہل عرب یہ بھی کیا کرتے تھے کہ جب اپنی بیوی سے طبیعت بھر جاتی یا وہ خوبصورت نہ ہوتی یا خوب سیرت نہ ہوتی تو اس کو خوب تنگ اور پریشان کرتے اور اس پر ہر طرح کی زیادتی روا سمجھتے اس سے ان کا

مقصد یہ ہوتا تھا کہ عورت مجبور ہو کر ہم سے طلاق طلب کرے گی اور ہم اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھائیں گے کہ وہ اپنا مہر چھوڑ دے اور جن زیورات وغیرہ کا ہم نے اسے مالک بنا دیا تھا وہ ہمیں واپس کر دے حق تعالیٰ نے اس کی بھی سختی سے ممانعت کی اور فرمایا کہ یہ فعل بھی کھلا حرام ہے اور پھر فرمایا کہ اگر عورت سے کوئی کھلی بے حیائی سرزد ہو جائے جس کی تفسیر حضرت حسن بصریؒ وغیرہ نے زنا کی ہے یعنی اگر عورت سے زنا ہو جائے اور حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ نے اس کی تفسیر شوہر کی نافرمانی اور بد زبانی فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ عورت شوہر کے ساتھ بد زبانی اور نافرمانی کرتی ہو اگر شوہر ان حالات سے طبعی طور پر طلاق دینے پر مجبور ہو جائے اور وہ طلاق دینے سے پہلے کچھ اس طرح کے حالات پیدا کرلے کہ جس سے عورت لیا ہوا مال مہر وغیرہ واپس کر دے یا معاف کر دے اس صورت میں غلطی چونکہ عورت کی ہے اس لئے مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے اپنا مال واپس نہ لے لے

اسکے بعد شوہر کو حکم فرمایا ہے کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن اخلاق کا معاملہ کرو ان کے خرچ وغیرہ کی پوری پوری دیکھ بھال رکھو، اور اگر تم اپنی بیوی کو پسند نہ کرو باوجود اسکے کہ اس سے کوئی غلط حرکت بھی سرزد نہیں ہوئی ہے تو تم عقل سے یہ سوچ کر اس کو برداشت کرلو کہ ممکن ہے کہ جس چیز کو میں ناپسند سمجھ رہا ہوں اللہ پاک میرے لئے اس میں کوئی دینی یا دنیوی خیر اور بھلائی پیدا کر دے مثلاً وہ تمہاری خدمت گزار اور فرماں بردار اور ہمدرد ہو اور آخرت کی بھلائی یہ کہ اس سے کوئی نیک اور صالح اولاد پیدا ہو جو تمہارے لئے آخرت کی نجات اور ترقی کا ذریعہ بنے یا اس سے اولاد ہو کر بچپنے ہی میں خدا کو پیاری ہو جائے اور تمہارے لئے آخرت کا ذخیرہ بنے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جو بچہ بالغ ہونے سے پہلے ہی خدا کو پیارا ہو جاتا ہے وہ قیامت کے دن اپنے والدین کے لئے حق تعالیٰ سے ان کی بخشش کی سفارش کرے گا اور ان کو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنیگا یا پھر کم سے کم یہ خیر تو ہے کہ تم اپنی ناپسند چیز پر صبر کر رہے ہو اور صبر کا بدلہ خدا کے یہاں بہت بڑے ثواب کی شکل میں عطا فرمایا جائے گا۔

اور اگر بیوی سے کسی طرح کی کوئی نافرمانی یا بے حیائی کی بات سرزد نہ ہو مگر شوہر اپنی طبعی خواہش اور خوشی کے لئے موجودہ بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرنا چاہے تو اس صورت میں وہ اپنا دیا ہوا مال واپس لینے کا کوئی حق نہیں رکھتا ایسی صورت میں اگر شوہر بیوی کو ستا کر یا کوئی الزام لگا کر مثلاً بد زبان ہے یا ناشائستہ حرکتیں کرتی ہے وغیرہ مال واپس لے یا مہر معاف کرائے تو مذہب اسلام اس کی اجازت ہرگز نہیں دے گا کیونکہ اس میں بیوی کی کوئی غلطی وقصور نہیں ہے اور اگر اس نے ایسا کر ہی لیا تو ایک حرام کام اور گناہ عظیم کیا جس کی خدا کے یہاں سزا پائے گا۔

اسکے بعد شوہر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب تم اپنا مال بیوی سے کس طرح واپس لے سکتے ہو جبکہ

بیوی تم سے پختہ عہد و اقرار لے چکی ہے یعنی بوقت نکاح تم نے عورت کے قبول کرنے اور اسکے مال مہر کو ادا کرنے کا پختہ عہد و پیمان گواہوں کے سامنے کر لیا ہے اور پھر تم ایک دوسرے سے مکمل تنہائی میں مل چکے ہو اور اپنی حاجت پوری کر چکے ہو کیونکہ اس صورت میں دیا ہوا مال اگر مہر کا ہے تو بیوی اس کی پوری مالک اور مستحق بن چکی ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر شوہر کے حوالے کر دیا ہے اور اگر دیا ہوا مال ہدیہ اور تحفہ ہے تو بھی اس کو واپس لینا صحیح نہیں کیونکہ میاں بیوی جو چیز آپس میں ایک دوسرے کو تحفہ دیں اس کی واپسی نہ شرعاً جائز ہے نہ قانوناً۔

الحاصل عورت جو طبعی اور فطری طور پر کمزور پیدا کی گئی ہے اس کی کمزوری سے مرد کو ناجائز فائدہ اٹھانے کے جتنے راستے ہو سکتے ہیں مذہب اسلام نے ان سب کو بند کر کے عورت کو مرد کے ظلم و ستم سے محفوظ کر دیا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو بات گزر گئی گذر گئی

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ط وَسَاءَ سَبِيلًا (۲۲) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ

بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے تم پر حرام کی گئیں تمہاری

أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ

مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور

الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ

بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمکو دودھ پلایا ہے اور تمہاری

مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ

وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں

مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ

رہتی ہیں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تمکو

بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ

کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بی بیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں

اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ

اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں

جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں

زمانہ جاہلیت کی کچھ بُری رسموں کا ذکر کچھ اس سے پہلے ہوا ہے ایک ایسی بے ہودہ رسم کا ذکر یہاں ہے کہ بعض ان عورتوں سے بھی نکاح کر لیتے تھے جن سے نکاح حرام ہے، اس جگہ خدائے تعالیٰ نے چودہ قسم کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام فرمایا ہے ۱ ماں ۲ بیٹیاں ۳ بہن ۴ پھوپھی ۵ خالہ ۶ بھتیجی ۷ بھانجی ۸ انا یعنی ماں کے علاوہ جو دوسری عورت دودھ پلائے ۹ انا کی دودھ شریک بہن ۱۰ ساس ۱۱ بیوی کی بیٹی یعنی جو بیوی کے ساتھ آئی ہے ۱۲ بیٹے کی بیوی ۱۳ باپ کی بیوی یعنی جس سے یہ بیٹا پیدا نہیں ہوا ۱۴ بیوی کی موجودگی میں اسکی حقیقی بہن۔

وَلَا تَنْكِحُوا الآیۃ اس آیت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس عورت سے تمہارے والد نے نکاح کر لیا ہے چاہے اس سے ابھی صحبت بھی نہ کی ہو تو وہ تمہارے لئے حلال نہیں، خلاصہ اسکا یہ ہے کہ باپ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور صحبت کرنے سے پہلے اسکو طلاق دیدی یا انتقال ہو گیا تو اب اس عورت سے اگر بیٹا نکاح کرنا چاہے تو جائز نہیں۔ بالکل یہی صورت اسکے برعکس حرام ہے یعنی اگر بیٹے نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اور صحبت کرنے سے پہلے ہی مر گیا یا طلاق دیدی تو اب باپ کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کیا ہو تو بیٹے کے لئے اس عورت سے بھی نکاح کرنا حرام ہے،

قرآن نے دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ اپنی ماں سے نکاح جائز نہیں اس میں نانی دادی سب داخل ہیں ماں کی طرح ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح اپنی لڑکی، نواسی، پڑنواسی، پوتی پڑپوتی سب سے نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو اس سے نکاح کرنا بھی حرام ہے کیونکہ وہ بیٹی کے حکم میں ہے، اسی طرح بہن سے نکاح حرام ہے چاہے وہ بہن باپ شریک ہو یا ماں شریک ہو اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے، اسی طرح بھائی چاہے باپ شریک ہو چاہے ماں شریک اس کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی سے نکاح حرام ہے اسی طرح اپنے باپ کی بہن چاہے وہ ماں شریک ہو چاہے باپ شریک، اس سے بھی نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح ماں کی بہن چاہے وہ باپ شریک ہو یا ماں شریک، اس سے

بھی نکاح حرام ہے

اسی طرح اَنّا یعنی ماں کے علاوہ جن عورتوں کا تم نے دودھ پیا ہے ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی ماں کے درجہ میں ہے، دودھ تھوڑا سا پیا ہو یا زیادہ، ایک مرتبہ پیا ہو یا کئی مرتبہ، بس یہ ضروری ہے کہ دودھ پینے ہی کی عمر ہو یعنی دو سال کے اندر اندر پیا ہو ان تمام صورتوں میں نکاح کی حرمت ہو جائے گی، ناک یا منھ کے راستے سے دودھ اندر جانے سے رضاعت ثابت ہوگی، اگر انجکشن وغیرہ سے دودھ بچے کے اندر پہونچایا گیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی اور اگر دودھ دوا یا کسی جانور کے دودھ میں ملاکر پلایا گیا تو اس میں اگر عورت کا دودھ زیادہ ہے یا برابر ہے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں - ہاں اگر دودھ پینے کی عمر نکل جانے کے بعد پیا ہے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی دودھ شریک بہن سے بھی نکاح حرام ہے، یعنی جس لڑکے اور لڑکی نے ایک ہی انّا کا دودھ پیا ہے یہ آپس میں نکاح نہیں کر سکتے - اور جن حقیقی اور نسبی رشتوں میں نکاح حرام ہے ان تمام رضاعی رشتوں میں بھی نکاح حرام ہے تشریح اس کی یہ ہے کہ جس طرح حقیقی بہن کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح دودھ شریک بہن کی لڑکی سے بھی نکاح جائز نہیں وغیرہ

مسئلہ دودھ شریک بہن بھائی کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے اور نسبی بہن کی رضاعی یعنی دودھ شریک ماں سے بھی نکاح جائز ہے اور رضاعی بہن کی نسبی بہن سے بھی نکاح جائز ہے اور اسی طرح نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔

بیوی کی ماں نانی، دادی چاہے نسبی ہوں یا رضاعی سب سے نکاح کرنا حرام ہے اور جس عورت سے زنا کیا ہو یا اپنی بیوی سمجھ کر کسی اور عورت سے شبہ کی وجہ سے صحبت کرلی ہو ان کی ماں سے بھی نکاح جائز نہیں۔

مسئلہ جس عورت سے نکاح کرکے صحبت بھی کرلی گئی یا صرف اس کو شہوت کے ساتھ چھوا تو یا اسکی اندام نہانی کو شہوت کی نظر سے دیکھا تو اس کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے، ہاں اگر صرف نکاح ہوا صحبت اور شہوت کی نظر نہ کی ہو تو اس صورت میں اس کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے

بیٹے کی بیوی اور اسی طرح پوتے اور نواسے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے چاہے وہ لڑکا نسبی صلب سے پیدا ہو یا رضاعی ہو البتہ اگر وہ گود لیا ہوا ہے تو پھر اس کی بیوی سے نکاح کی اجازت ہے کیونکہ وہ حقیقی اور خونی رشتہ کا بیٹا نہیں بلکہ صرف منھ بولا بیٹا ہے، زمانہ جاہلیت میں منھ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کو حرام سمجھا جاتا تھا، مذہب اسلام نے اس کی تردید کردی اور خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے خلاف عمل کرکے بھی دکھا دیا کہ حضرت زید جو حضورؐ کے منھ بولے بیٹے

تھے ان کی بیوی سے حضور علیہ السلام نے نکاح فرمالیا تھا۔

دو بہنوں کو بھی ایک وقت میں بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے خواہ وہ بہنیں باپ شریک ہوں یا ماں شریک، یا وہ دودھ شریک ہوں اور اسی طرح پھوپی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو کسی شخص کے لئے ایک وقت میں دونوں کو بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دو عورتوں سے نکاح کرے اور وہ آپس میں خالہ بھانجی یا پھوپی بھتیجی ہوں تو یہ اسکے لئے حلال نہیں ان میں سے ایک ہی کو رکھ سکتا ہے چاہے خالہ کو رکھے یا بھانجی کو۔

اخر آیت میں ارشاد خداوندی ہے کہ ان احکام کے نازل ہونے سے پہلے پہلے تم جو غلط نکاح کرکے گناہ کرچکے ہو وہ ہم نے سب معاف کردیئے ہیں آئندہ ان سے پورے طور پر پرہیز کرو بلاشبہ تمھارا پروردگار بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ وتوفیقہ

پارہ لن تنالوا البر ۴ کی تفسیر مکمل ہوئی

تفسیر ھذا

ذیل کتب تفاسیر سے مستفاد ہے

۱ بیان القرآن ۲ معارف القرآن ۳ ابن کثیر۔ ۴ تفسیر مظہری ۵ تفسیر حقانی
۶ فوائد عثمانیہ۔ ۷ روح المعانی ۸ جلالین مع حاشیہ ۹ کمالین وغیرہم

اس دور کی سب سے آسان، عام فہم اور مستند تفسیر

آسان تفسیر

پارہ ۵

ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

مولانا محمد یعقوب قاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ

ادارہ دعوت و تبلیغ

گلی ۲ آل کی چنگی منڈی سمیتی روڈ سہارنپور یوپی

موبائل: 9837375773

50/-

اس دور کی سب سے آسان وعام فہم اور مستند تفسیر کلام پاک
جسکا ہر گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے
آسان تفسیر اردو
ترجمہ قرآن شریف
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ
مرتب
مولانا محمد یعقوب قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند
پارہ والمحصنت ۵
(شائع کردہ)
ادارہ دعوت وتبلیغ زکریا آباد، گلی ۲ آلی جنگی سہارنپور (یو۔پی) ۲۴۷۰۰۱

ھدیہ:-

فہرست مضامین پارہ ۵

تفسیر ھذا ذیلی کتب تفاسیر سے مستفاد ھے

۱۔ بیان القرآن — ۲۔ معارف القرآن — ۳۔ جلالین شریف مع حاشیہ

۴۔ روح المعانی — ۵۔ تفسیر ابن کثیر — ۶۔ تفسیر حقانی

۷۔ تفسیر مظہری — ۸۔ فوائد عثمانیہ — وغیرہم

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ

اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ

مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے، اور ان عورتوں کے سوا

مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَؕ

اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں، یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعے سے چاہو، اس طرح کہ تم بیوی بناؤ

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةًؕ وَلَا

صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو، پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

چکے ہیں۔ اور مقرر ہوئے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں

تفسیر اس سے پہلی آیات میں تین قسم کی ان عورتوں کا بیان ہوا جن سے نکاح کرنا جائز نہیں، اب اس آیت پاک میں اسی طرح کی چوتھی قسم کی عورت کا ذکر ہے۔ کہ جس عورت کا شوہر موجود ہے اس سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی شوہر والی عورت باندی ہو کر آجائے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دار الحرب کے کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کر کے لے آئے اور ان

اقوال و تحقیق! فما استمتعتم، الآیۃ، اس آیت کی جو تفسیر جماعت حقہ اہل سنۃ و الجماعۃ کے نزدیک ہے وہ اوپر کی گئی، مگر ایک فرقہ اس کے لغوی معنیٰ کا سہارا لے کر اس سے متعہ اصطلاحی کے جواز کا قائل ہے، متعہ اصطلاحی یہ ہے کہ مرد عورت سے یہ طے کرے کہ اتنے مال کے عوض میں تجھ سے اتنی مدت تک متعہ کرتا ہوں یعنی فائدۂ زوجیت حاصل کروں گا۔ عورت اس پر راضی ہو جائے، لیکن قرآن کریم کی اسی آیت میں ایک جملہ، غیر مسافحین۔ بڑھا کر حق تعالیٰ نے خود اس متعہ اصطلاحی کا سد باب کر دیا ہے۔ اور پھر حدیث پاک میں واضح طور پر متعہ کے متعلق ارشاد ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے جنگ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا، اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں متعہ کی اجازت تھی بعد میں اسکو منسوخ کر دیا گیا اب اسکی قطعاً اجازت نہیں، متعہ اور زنا میں اب کوئی فرق نہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ متعہ کے حرام ہونے پر پوری امت کا اجماع ہو چکا ہے سوائے شیعہ حضرات کے۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ شیعہ حضرات اپنے آپکو حضرت علیؓ کا بڑا شیدائی بتلاتے ہیں مگر اس مسئلہ میں وہ حضرت علیؓ کے فرمان کو بھی پس پشت ڈال کر متعہ کی حلت کے قائل ہیں (معارف مظہری)

کے شوہر دارالحرب ہی میں رہ گئے تو ان عورتوں کا اپنے شوہروں سے نکاح ٹوٹ گیا اب اگر یہ عورت کتابیہ یا مسلمان ہے تو دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر امیر المومنین ان ان قیدی عورتوں کو باندی بنا کر جہاد میں شریک ہونے والے کسی شخص کو مال غنیمت کی تقسیم میں دیدے تب بھی اس سے صحبت کرنا جائز ہے۔ اور یہ نکاح کرنا یا صحبت کرنا ایک ماہواری آنے کے بعد ہی جائز ہے۔ اور اگر عورت حاملہ ہے تو جب وہ بچہ جن لے اس وقت جائز ہوگا۔

شان نزول اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، اس آیت کا سبب نزول مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ جنگ اوطاس میں ہم نے کچھ عورتیں گرفتار کی تھیں جن کے شوہر موجود تھے ہم نے ان سے قربت و صحبت کرنی مناسب نہیں سمجھی اور حضور علیہ السلام سے ان کے متعلق معلومات کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی جسمیں ارشاد ہے جو عورتیں جنگ میں غنیمت کے طور پر تمہیں ملی ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں تم ان سے قربت و صحبت کر سکتے ہو۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ ۔ یعنی جن محرمات کا ذکر اب تک ہوا (جو پارہ ۴ کے اخیر میں مذکور ہیں) ان کے علاوہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ جیسے چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی وغیرہ۔ اور اس کے بعد ارشاد خداوندی ہے کہ محرمات کا بیان ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ اے لوگو تم اپنے مال یعنی مہر وغیرہ کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو۔ اور ان کو اپنے نکاح میں لاؤ، اپنا مال خرچ کر کے حرام عورتیں تلاش مت کرو کہ غیر عورتوں کو مال کے ذریعہ قریب لا کر تم ان سے زنا کرو۔

مہر کی اہمیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ۔ الآیۃ۔ اس میں ارشاد ہے کہ جس عورت سے تم نے نکاح کیا ہے۔ اور پھر ہم بستری بھی کر لی ہے تو اس کا مہر دینا تمہارے اوپر منجانب اللہ فرض کر دیا گیا ہے اس کے ادا کرنے میں کوتاہی اور ٹال مٹول سے کام نہ لیا جائے البتہ شریعت نے اس بات کی رخصت دی ہے کہ اگر میاں بیوی اپنی رضامندی سے مقرر مہر میں کمی زیادتی کرنا چاہیں مثلاً شوہر مقررہ مہر سے زیادہ دے یا عورت مقررہ مہر سے کم لے یا پورا ہی معاف کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ یہ باہمی محبت کے بڑھنے کا سبب ہے مہر کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ شریعت نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر مہر معجل یعنی فوری طور پر دینا طے ہوا ہے تو وہ مہر کی ادائیگی سے پہلے شوہر کو اپنے قریب نہ آنے دے۔

مسئلہ جس عورت سے ہم بستری کر لی گئی ہے اس کو پورا مہر دیا جائیگا۔ اور جس عورت کو ہم بستری اور خلوت صحیحہ یعنی مکمل تنہائی سے پہلے ہی طلاق دیدی گئی تو اس کو آدھا مہر دیا جائیگا۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ

اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو۔ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ

مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے۔ اور تمہارے ایمان

الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

سواں سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے۔ اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے موافق دے

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

دیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں۔ نہ تو علانیہ بدکاری کرنیوالی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام (زنا) کریں تو ان پر

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ

اس سزا سے نصف سزا ہوگی۔ کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے۔ یہ اس شخص کے

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

لئے ہے جو تم میں زنا کا اندیشہ رکھتا ہو۔ اور تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت نکاح کنیز کے) اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵ ع

بڑے بخشنے والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں۔

کیا آزاد باندی سے نکاح کرسکتا ہے؟ مذہب اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ ایک آزاد مرد کسی باندی سے نکاح کرے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس باندی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ باندی کے آقا ذمالک کی ملک ہوگی اور وہ بھی غلام بن جائے گی۔ مگر بدرجۂ مجبوری کہ آزاد مرد میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ آزاد عورت کے مہر اور اخراجات کو برداشت کرسکے اور اپنے نفس پر خوف کرے کہ کہیں زنا میں مبتلا نہ ہو جائے۔ تو اس کے لئے اجازت ہے کہ باندی سے نکاح کرے مگر شرط یہ ہے کہ وہ باندی مسلمان ہونی چاہئے تاکہ بچے ایمان کی دولت پاسکیں نہیں تو اندیشہ ہے کہ

اگر باندی مشرک ہے تو وہ بچوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لے۔

مسئلہ: باندی سے جو نکاح کا مہر ہے وہ باندی کے مالک کو دیا جائیگا۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ اگر باندی یا غلام زنا کرے (خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا کنوارہ) تو اس کی سزا غیر شادی شدہ آزاد مرد عورت کی سزا سے آدھی ہے۔ یعنی غلام اور باندی کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کردے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم سے بتادے

قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ

اور تم پر توجہ فرما دے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑے حکمت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ

يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ قف وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ

کو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے۔ اور جو لوگ کہ شہوت پرست ہیں۔ وہ یوں چاہتے

الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَن

ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ

يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

تخفیف منظور ہے۔ اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

تفسیر: اللہ پاک کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے تمام احکامات کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ اور یہ بھی احسان خداوندی ہے کہ انسان جیسا ارادہ اور عمل کے اعتبار سے کمزور ہے اسی لحاظ سے ہلکے اور آسان احکامات اس کو دیئے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی خواہشات باندی سے نکاح کر کے پوری کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرلے، اور یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے پرانے نیک لوگوں کے واقعات اور ان کے طریقے ہمارے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔ تاکہ ان کو اپنا کر ہم بھی خدا کے محبوب اور مقرب بن سکیں۔ اور جو لوگ خواہشات کے غلام ہیں شیطان کے پیروکار ہیں۔ جیسے یہود و نصاریٰ کے بدلوگ، وہ چاہتے ہیں کہ تم کو نیک راہ سے ہٹا کر گمراہی میں مبتلا کردیں۔ بس اے مومنو تم کو چاہئے کہ قرآن و حدیث کے دامن کو اتنی مضبوطی سے پکڑ لو کہ کوئی بہکانیوالا تم کو نہ بہکا سکے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

لیکن اگر کوئی تجارت ہو۔ جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ

کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں۔ اور جو شخص ایسا فعل کرے گا۔ اس طور پر کہ حد سے گذر

ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾

جاوے اور اس طور پر کہ ظلم کرے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ امر خدا تعالیٰ کو آسان ہے

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے، ان میں جو بھاری بھاری کام ہیں اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں تم سے

وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾

دور فرما دیں گے۔ اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کر دیں گے۔

تفسیر ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ کہ کسی کا مال چوری کر لیا کسی سے چھین لیا۔ کسی کو دھوکہ دے کر اس کا مال اپنا لیا وغیرہ بلکہ آپسی رضامندی کے ساتھ بذریعہ تجارت ایک دوسرے کا مال استعمال کرو۔

فضائل تجارت حلال مال حاصل کرنے کے بہت سے طریقہ ہیں مگر اس آیت پاک میں تجارت کی افضلیت کو واضح کرنے کے لئے تجارت کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ سچا اور ایماندار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے معلوم کیا کون سی کمائی حلال اور پاک ہے۔ فرمایا۔ اپنے ہاتھ کی مزدوری اور پاک تجارت یعنی جس میں دھوکہ دفریب اور جھوٹ شامل نہ ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو اور یاد رکھو جو شخص ہمارے حکم کی خلاف ورزی کریگا کہ ظلم دستم سے کسی کا ناحق مال لے گا یا کسی کی جان لے گا تو ہم جلد ہی اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔ بلاشبہ اللہ پاک اپنے بندوں پر بہت بڑا مہربان ہے کہ اس نے ہمیں ایسے احکاما

عنایت فرمائے جو ہماری جان اور مال کی حفاظت کا فیصلہ ہیں اور مزید مہربانی خدا نے یہ فرمائی کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے اور اعمال حسنہ کرو گے بشرطیکہ وہ قبول ہوجائیں تو یہ تمہارے صغیرہ گناہوں کو بھی معاف فرمادیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں اپنے درمیانی اوقات کیلئے اور جمعہ کی نماز پچھلے پورے ہفتہ کے صغیرہ گناہوں کو ختم کردیتی ہے بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔ اور یہ مسئلہ ذہن نشین رہے کہ فرائض وواجبات کو چھوڑنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ حاصل یہ کہ انسان نے تمام فرائض وواجبات ادا کئے ہوں اور کبیرہ گناہوں سے بچارہا ہو، ان حالات میں اگر کچھ صغیرہ گناہ ہوگئے ہوں تو وہ معاف ہوجاتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق اللہ پاک بشارت دیرہے ہیں کہ ہم ان کو جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں گے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ

اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جسمیں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا

ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

شانِ نزول حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا یا رسول اللہ مرد جہاد کرتے ہیں، عورتیں جہاد نہیں کرتیں، مردوں کا میراث میں عورتوں سے دوگنا حصہ ہے، اگر ہم بھی مرد ہوتیں تو ان کی طرح ہم بھی جہاد کرتیں اور ہمیں بھی میراث میں مردوں کے برابر حصہ ملتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ تم کسی ایسی چیز کی تمنا مت کیا کرو جسمیں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت وفوقیت بخشی ہے۔ حاصل یہ کہ جو خدا داد فضیلت والے ہیں ان کے برابر پہنچنے کی تمنا مت کرو وہ تو خدا نے اپنی خاص حکمت ومصلحت کے پیش نظر جس کو بخشنی تھی بخشدی اب اس پر جلن و حسد کرنے سے اپنا ہی نقصان ہے۔ وہ خصوصیت تو حاصل ہونے سے رہی۔ مثلاً عورت یہ تمنا کرے کہ مرد ہوتی، تو یہ تمنا اس کی لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔ بس اگر کسی کو کسی پر فوقیت حاصل کرنا ہے تو اس کو چاہئے ان اعمال میں خوب کوشش کرے جو کسی کے ساتھ خاص نہیں۔ مثلاً نماز روزہ، ہمدردی وغیرہ ان اعمال کو زیادہ سے زیادہ کرکے اللہ کا قرب حاصل کرے اور اللہ پاک سے اس کا فضل طلب کرتا رہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ سے اس کے،

فضل کی درخواست کرو۔ کیونکہ اللہ کو یہ بہت پسند ہے کہ اس سے مانگا جائے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ

اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جاویں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن لوگوں

عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ

سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ (یعنی ایک ششم) دے دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

چیز پر مطلع ہیں۔

تفسیر اس آیت میں یہ بیان ہے کہ والدین اور دوسرے رشتہ دار جو مال چھوڑ کر مریں وہ مال جن رشتہ داروں کو ملتا ہے وہ ہم نے متعین کر دیئے ہیں۔ اس کی تفصیل پارہ ۴ میں گذر چکی ہے کہ بھائی کو اتنا حصہ ملے گا اور بہن کو اتنا، وغیرہ۔ اس آیت میں مزید ایک بات یہ بیان کی گئی ہے کہ جن سے تم نے عہد و پیمان کر لیا ہو ان کا حصہ بھی دیدو۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنا بھائی بنا لیتے تھے اور باہمی عہد کر لیتے تھے کہ میرے مال کا وارث تو ہے۔ شروع اسلام میں شریعت نے اس کو ادا کرنے کا حکم دیا مگر بعد میں جب رشتہ داروں کے حصے قرآن شریف نے متعین کر دیئے اور آیت "وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ" سے یہ حکم منسوخ ہو گیا، لہٰذا اب ترکہ کا مال صرف انہی رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائیگا جن کو قرآن و حدیث نے متعین فرما دیا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت

بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ

دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی

حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ

عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں۔ اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی

نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ

کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو۔ اور ان کو

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔

كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ

اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی

اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ

لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے، اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اگر ان دونوں آدمیوں کو

بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق فرما دیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

تفسیر زمانہ جاہلیت میں جو ناانصافی اور زیادتی عورت پر کی جاتی تھی مذہب اسلام نے اس کا خاتمہ کر کے عورت کو وہ تمام انسانی حقوق دیئے ہیں جو مرد کو حاصل ہیں۔ چنانچہ سورۃ بقرہ کی آیت۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، یعنی عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ایسے ہی واجب ہیں جیسے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ دونوں پر حقوق ایک ہی طرح کے واجب ہوں، بلکہ ان کو الگ الگ تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مرد کے ذمہ ہے کہ اپنے بیوی بچوں کیلئے تمام ضروریات کی چیزیں مہیا کرے اور عورت کے ذمہ ہے گھر کی حفاظت اور بچوں کی تربیت کرے۔ شوہر کی اطاعت و فرماں برداری کرے بس ایک چیز میں مرد کو خاص فضیلت بخشی ہے کہ اس کو حاکم و سرپرست بنایا ہے عورت کا، اس کو بھی اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس میں بھی عورت ہی کا فائدہ ہے کہ شوہر کی سرپرستی میں وہ اپنی عصمت و آبرو وغیرہ کو مکمل طور پر محفوظ رکھ سکتی ہے۔

مرد کو حاکم بنانے کی قرآن کریم کی اس آیت میں دو وجہ بیان کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت بخشی ہے عورتوں پر۔ لہذا حاکم بھی انہی کو بنایا گیا، مرد کو مہر و نان ونفقہ و دیگر تمام ضروریات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ شریعت نے مرد کو حاکم بنا کر آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ہدایت ہے کہ شریعت کے قانون کے مطابق ہی عورت پر ہدایت کا حکم لاگو کرے۔

نیک بیوی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیک و بد عورتوں کا تذکرہ فرمایا کہ جو عورتیں نیک اور صالح ہیں وہ اپنے شوہر کی سرپرستی و حاکمیت کو تسلیم کرتی ہیں اور ان کی فرماں بردار ہو کر زندگی بسر کرتی ہیں، اور مرد کی غیر موجودگی میں بھی اپنی عزت و آبرو اور شوہر کے مال کی پوری پوری،

حفاظت کرتی ہیں، حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو عورت نماز روزہ کی پابند ہو اور اپنی عصمت کو محفوظ رکھے، اور اپنے شوہر کا حکم مانے تو ان کو اختیار ہوگا کہ جنت میں جا ہے جس دروازے سے داخل ہو جائے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اگر عورت ایسی حالت میں مری کہ اس کا شوہر اس سے خوش تھا تو وہ سیدھی جنتی ہے۔

نافرمان بیوی کی اصلاح کا طریقہ

اور جو عورتیں اپنے شوہروں کی فرماں بردار نہیں ہوتی شوہر کی مرضی کے خلاف چلتی ہیں ان کی اصلاح کے قرآن کریم نے تین طریقے بتلائے ہیں، اُن کو پیار و محبت اور نرمی سے سمجھاؤ اگر وہ نہ مانیں تو اُن کو اپنے بستر سے علٰحدہ کر دو تاکہ اس کو شوہر کی ناراضگی کا احساس ہو اور وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہو کر اس سے باز آجائے، اگر اس سے بھی انہیں کوئی اثر نہ پڑے تو مناسب طور پر تھوڑی سی پٹائی کر دو۔ سخت پٹائی کہ جس سے بدن پر نشان پڑ جائیں یا خون نکل جائے یا ھڈی ٹوٹ جائے وغیرہ اس سے شریعت منع کرتی ہے اسی طرح چہرہ پر مارنے کی بھی ممانعت ہے، عورت کو مارنے کی گرچہ بدرجۂ مجبوری شریعت نے اجازت دی ہے، مگر اسی کے ساتھ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا کہ اچھے مرد مارنے کی سزا عورت کو نہ دیں گے۔ اس سے واضح طور پر یہ ظاہر ہوگیا کہ عورت پر ہاتھ اٹھانا اچھا نہیں اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔

اس کے بعد قرآن فرماتا ہے کہ اگر ان تینوں مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک سے بیوی کی اصلاح ہو جائے اور وہ صحیح راستہ پر آجائے تو اب شوہر کو اس بات کا پورا دھیان رکھنا چاہئے کہ بلاوجہ اس پر کسی قسم کا الزام نہ لگائے۔ بلکہ اگر اس سے کوئی قصور ہو جائے تو چشم پوشی سے کام لے۔ اور یاد رکھو کہ اگر اللہ پاک نے مردوں کو عورتوں پر کچھ بڑائی دی تو اللہ کی بڑائی تمہارے اوپر بھی مسلّط ہے اگر تم عورتوں پر کچھ زیادتی کروگے تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی،

اگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا بڑھ جائے تو؟

اگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا بڑھ جائے اور آپس میں نہ سلجھے تو اس کے لئے قرآن کریم نے یہ طریقہ بتلایا ہے، کہ ایک شخص عورت کے خاندان میں سے اور ایک شخص مرد کے خاندان میں سے مقرر کرکے میاں بیوی کے تمام حالات سن کر جو فیصلہ مناسب ہو کریں، اور یہ دونوں شخص ایسے ہونے چاہئیں جن میں فیصلہ کرنے کی پوری صلاحیت و لیاقت ہو، یعنی ذی علم اور دیانت دار ہوں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ اگر ان دونوں صلح کرانے والوں کی نیت صحیح ہوگی کہ میاں، بیوی کی رنجش دور ہو جائے اور پھر سے یہ پہلے والی پیار و محبت کی زندگی بسر کریں تو خدائے بالا و برتر کی نصرت و مدد ان کے ساتھ ہوگی، اور ان میں باہمی صلح کا کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئیگا۔ اخیر آیت میں ارشاد

ہے کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا علیم و خبیر ہے وہ سب کی نیتوں سے خوب واقف ہے جو بھی غلط ارادہ سے کچھ کرے گا خواہ وہ میاں بیوی ہوں یا فیصلہ کرنے والے، تو اللہ ان سب کو اس کی سزا دیگا

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو

وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی

اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی

الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی. اور راہ گیر کے ساتھ بھی

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا

اور ان لوگوں کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں. بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے

ۨالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ ﴿۳۶﴾

ہوں. شیخی کی باتیں کرتے ہوں، جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں. اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾

جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے. اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتے ہیں. اور اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر اعتقاد

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

نہیں رکھتے اور شیطان جس کا مصاحب ہو اس کا وہ برا مصاحب ہے

تفسیر ان آیات پاک میں ارشاد ہے کہ صرف خدائے تعالیٰ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، اور والدین رشتہ داروں، فقیروں اور ضرورت مندوں، پڑوسیوں، مسافروں اپنے غلام اور باندیوں نیز نوکروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ان مذکورہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں وہی لوگ کوتاہی کرتے ہیں جو اپنے آپ کو بڑا تصور کریں۔ تکبر کریں، یا پھر بخیل ہوں کہ کسی پر کچھ خرچ کرنے سے

ان کی جان نکلتی ہو، یا پھر خدا کا خوف و محبت دل میں نہ ہو کر اسکے عذاب سے ڈر کر یا ان وعدوں پر یقین نہ کر کے جو ان لوگوں پر خرچ کرنے اور حسن سلوک کرنے پر اللہ نے فرمائیں ہیں۔ یا جو مال صرف شیخی یا دکھلاوے میں خرچ کرتے ہوں ایسے لوگوں کے متعلق اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے، اور اللہ کو جس سے پیار نہ ہو تو سوچئے اس کا انجام کیا کچھ ہو سکتا ہے، خود ہی آگے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے سخت قسم کا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور یہ بھی یاد رکھو ہمارے احکامات میں کوتاہی وہی شخص کرے گا جس کا ساتھی شیطان ہو، اور یہ بھی یاد رکھو کہ شیطان بہت بڑا ساتھی ہے وہ اپنے ساتھی کو ہلاکت و تباہی تک پہونچا کر ہی سانس لیتا ہے، اس لئے سمجھداری یہی ہے کہ شیطان کا ساتھ چھوڑ کر اللہ و رسولؐ کے دامن کو مضبوطی سے تھام کر نجات حاصل کر لینا چاہیئے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ

اور ان پر کیا مصیبت نازل ہو جاوے گی اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان لے آویں اور اللہ نے جو ان

اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ

کو دیا ہے اسمیں سے کچھ خرچ کرتے رہا کریں اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کریں گے۔ اور اگر

تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ

ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کر دیں گے۔ اور اپنے پاس سے اور اجر عظیم دیں گے۔ سو اس وقت

إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو بھی ان لوگوں پر گواہی کے لئے حاضر کریں گے

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ

اس روز جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسولؐ کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ اس بات کی آرزو کرینگے کہ کاش

الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

ہم زمین کے پیوند ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفانہ کر سکیں گے

ع ۹ / ۴

تفسیر اس سے پہلی آیت میں خدا اور قیامت کا انکار کرنے والوں، بخل و تکبر کرنے والوں کی برائی اور ان کا انجام بد بیان ہوا۔ اب اس آیت میں خدا و قیامت پر ایمان لانے راہ مولیٰ میں خرچ کرنے وغیرہ کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ تمہارا خدا کسی پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی نہیں کرتا، بلکہ وہ تو اتنا رحیم و کریم ہے کہ تمہاری ایک نیکی کا کئی گنا ثواب عطا کرتا ہے اس کے

بعد ارشاد ہے کہ اے سوچو سوچو اس وقت کیا حال ہو گا. جب میدان حشر میں ہر ہر امت کا نبی اپنے
امتی کے نیک و بد اعمال پر بطور گواہ پیش ہو گا. اور آپ بھی اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت
پر گواہ بن کر حاضر ہوں گے، اور خاص طور پر ان کفار و مشرکین کے متعلق خدائی عدالت میں گواہی
دیں گے کہ انہوں نے واضح طور پر معجزات دیکھ کر بھی آپ کی وحدانیت اور میری رسالت کا انکار
کیا، اگلی آیت میں اللہ پاک نے خود ہی ان کافروں کا حال بیان فرما دیا کہ اس دن یہ لوگ تمنا
کریں گے کاش ہم زمین کا پیوند بن گئے ہوتے، میدان حشر میں جب جانوروں کو بدلہ ملیگا اور پھر
ان کو مٹی بنا دیا جائے گا. تو اس وقت یہ کافر تمنا کریں گے اے کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے، مگر یہ دن
تو ایسا ہو گا کہ یہ لوگ خدائے تعالیٰ سے کچھ بھی نہ چھپا سکیں گے، چھوٹی، بڑی، ظاہرہ و پوشیدہ
جتنی حرکتیں بھی انہوں نے دنیا میں کی ہوں گی وہ سب خدا کے سامنے ہوں گی. وہاں تو خود انسان
کے ہاتھ پاؤں اور بدن کے دیگر تمام حصے ہر ہر بات کھول دیں گے کہ اس نے مجھ سے یہ حرکتیں کی
تھیں، اور پھر ان کو ان اعمال بد کی دردناک سزا دی جائے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ

اے ایمان والو تم نماز کے پاس کبھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم

تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا

سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو، اور حالت جنابت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے یہاں

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ

تک کہ غسل کر لو. اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے

أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اس زمین پر دو بار ہاتھ مار

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۴۳﴾

کر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنیوالے بڑے بخشنے والے ہیں

شان نزول ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت
سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ نے چند صحابہ کرامؓ کی دعوت کر رکھی
تھی جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام تھا جب یہ حضرات کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو مغرب کا وقت

ہوچکا تھا، انہوں نے اپنا امام حضرت علیؓ کو بنایا، انہوں نے نماز میں قُلْ یٰاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ، کی تلاوت کی جس میں بوجہ نشہ کے سخت غلطی ہوگئی، اس پر یہ آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ، نازل ہوئی جسمیں ارشاد ہے کہ نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب مت جاؤ، اس وقت تک نماز کے علاوہ وقت میں شراب نوشی کی اجازت تھی مگر بعد میں شراب نوشی کو قطعاً حرام قرار دیدیا گیا اور آج تک وہی حرام ہونے کا حکم باقی ہے اور اسی طرح جب تم کو غسل کی حاجت ہو تو تب بھی نماز مت پڑھو بلکہ غسل کر کے نماز ادا کرو، اور اگر سفر میں تم کو غسل کی حاجت پیش آجائے اور پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز ادا کرلیا کرو۔ یا ایسا بیمار ہو جان کی ہلاکت یا مرض کے بڑھ جانے کا گمان ہے تو اسکے لئے بھی تیمم کرلینا جائز ہے۔

اس کے بعد اس آیت میں چند مسائل بیان کئے گئے ہیں، اس کو اس تمہید کے ساتھ سمجھئے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کے لئے طہارت و پاکی ضروری ہے وہ نہ بغیر غسل کے ادا کی جاسکتی ہے اور نہ ہی بغیر وضو کے حاصل یہ کہ نماز پڑھنے کے لئے باوضو یا غسل ہونا شرط ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے صحبت کی یا بلا صحبت کے شہوت کے ساتھ منی نکل گئی تو غسل کر کے نماز پڑھے، اور اگر کوئی شخص پاخانہ سے آیا ہے یعنی پیشاب و پاخانہ سے فارغ ہوا ہے تو وضو کر کے نماز پڑھے۔

دوسرا مسئلہ یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کو وضو و غسل کی حاجت ہے اور اس کو پانی نہیں مل رہا ہے تو اس کو تیمم کرلینا چاہئے۔ ایسے ہی اس شخص کیلئے بھی وضو و غسل کے بدلہ تیمم کی اجازت ہے جس کو پانی کے استعمال سے اپنی جان کا خطرہ ہو یا مرض کے بڑھنے کا گمان ہو، اسی طرح اس شخص کے لئے بھی تیمم کی اجازت ہے جو سفر میں ہو مگر شرط اس کے لئے بھی یہی ہے کہ پانی دستیاب نہ ہو رہا ہو

تیمم کا طریقہ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے تیمم کی نیت کر کے پہلے دونوں ہاتھ پاک مٹی پر مارے اور پھر ان کو اپنے چہرہ پر پھیر لے اور پھر دوبارہ اسی طرح مٹی پر ہاتھ مارے اور پھر ان کو ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پھیر لے۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام مع حضرت عائشہؓ کے سفر جہاد میں تھے کہ ایک جگہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا گلوبند کھو گیا حضور علیہ السلام نے قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی عائشہ صدیقہؓ پر غصہ کیا کہ تیری وجہ سے یہاں ٹھہرنا پڑا نہ یہاں کھانے کو کچھ ہے اور نہ ہی پانی ہے اس پر آیت "فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا" نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے پاک مٹی طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، چاہے دس سال تک بھی پانی نہ ملے۔ یہ اللہ پاک کا امت محمدیہ پر بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ایسی مجبوری کی صورت میں مٹی کو پانی کا قائم مقام بنادیا ہے حدیث پاک میں ہے کہ یہ خصوصیت یعنی تیمم کی اجازت امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک بڑا حصہ ملا ہے وہ لوگ گمراہی کو اختیار کر رہے ہیں

وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ

اور یوں چاہتے ہیں کہ تم راہ سے بے راہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا

اور اللہ تعالیٰ کافی رفیق ہے اور اللہ تعالیٰ کافی حامی ہے۔ یہ لوگ جو یہودیوں میں سے ہیں کلام کو

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

اس کے مواقع سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور یہ کلمات کہتے ہیں سمعنا و عصینا

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ط

اور اسمع غیر مسمع اور راعنا اس طور پر کہ اپنی زبانوں کو پھیر کر اور دین میں طعنہ زنی کی نیت سے

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا

اور اگر یہ لوگ یہ کلمات کہتے سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا تو یہ بات ان کیلئے بہتر

لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

ہوتی اور موقع کی بات تھی۔ مگر ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اب وہ ایمان لا دینگے مگر ہاں تھوڑے سے آدمی

تفسیر اس آیت پاک میں قوم یہود کی ایک گندی خصلت کا ذکر ہے کہ یہ لوگ خود تو گمراہ ہیں ہی کہ نہ صحیح طور پر اپنی کتاب توریت پر عمل اور نہ ہی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانتے ہیں اور نہ ہی قرآن عظیم کو قابل عمل سمجھتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہو چکے یا ہونا چاہتے ہیں ان کو گمراہی کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مومنو ہم تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتے ہیں ہم نے ان سے تم کو باخبر کر دیا ہے اب تم کو چاہئے کہ ان سے بچے رہو، اور اس کا یقین رکھو کہ تمہاری حمایت وحفاظت کے لئے ہم کافی ہیں۔ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا، الایۃ، کا شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ یہود کا ایک سردار رفاعہ بن زید بن تابوت نامی تھا جب یہ حضور علیہ السلام سے گفتگو کرتا تھا تو زبان موڑ کر کرتا تھا اور کم بخت کا یہ انداز تھا کہ کہتا تھا اے محمدؐ ذرا اپنے کان ہماری طرف کیجئے تاکہ ہم آپ کو سمجھائیں اور پھر فرمایا

اسلام پر نکتہ چینی کرتا اور عیب نکالتا، اس بدبخت کو اس آیت میں مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ یہود میں سے بعض آدمی ایسے ہیں جو توریت کے حرفوں میں رد و بدل کرتے ہیں ان کا مطلب بدل کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے وقت ایسے جملے استعمال کرتے ہیں جن کے دو مطلب ہوتے ہیں، ایک اچھا، دوسرا برا مثلاً "وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ"، اس کا اچھا مطلب تو یہ ہے کہ سنو خدا کرے تم کو کوئی بری بات سننی نہ پڑے، اور برا مطلب یہ ہے سنو خدا کرے تم نہ سنو یعنی بہرے ہو جاؤ، اور اسی طرح حضورؐ سے فرمایا کرتے تھے "رَاعِنَا"، اس کا اچھا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے یعنی گفتگو ٹھہر ٹھہر کر اس طرح کیجئے کہ ہم آسانی سے سمجھ سکیں، اور برا مطلب یہ کہ "رَاعِنَا" کے معنی عبرانی زبان میں گالی کے ہیں گویا کہ یہ کمبخت پیغمبر خدا کو گالی دیتے تھے، اس طرح کے جملے استعمال کرنے سے ان کا مطلب ایک تو حضور علیہ السلام کی توہین کرنا اور مذاق اڑانا ہوتا تھا، اور دوسرا منشاء یہ بھی تھا کہ جو سیدھے سادھے مسلمان ہیں وہ بھی ہمارے دیکھا دیکھی اس طرح کے جملے استعمال کرنے کا شکار ہو جائیں۔

ان گستاخ یہود کو مخاطب کر کے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ یوں کہتے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی بات سنی اور اس کو تسلیم کر لی، اور آپؐ ہماری عرض سنئے اور ہماری مصلحت پر نظر فرمائیے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر اور فائدہ مند ثابت ہوتا۔ مگر یہ اپنی بے ہودہ حرکتوں کی وجہ سے کفر میں اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ اب ان کو خدا نے اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے ان کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہاں کچھ لوگ انہیں میں ایسے ہیں کہ جنہوں نے اس طرح کی بے ہودہ حرکتیں نہ کر کے اپنے آپ کو کفر سے بچائے رکھا اور ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے جیسے حضرت سلمان فارسی وغیرہ حضرات۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا

اے وہ لوگو جو کتاب دیئے گئے ہو تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے ایسی حالت پر کہ وہ سچ بتلاتی ہے

مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَى أَدْبَارِهَا

اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے پہلے کہ ہم چہروں کو بالکل مٹا ڈالیں اور ان کو ان کی الٹی جانب کی طرح بنا دیں

أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا

یا ان پر ہم ایسی لعنت کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی - - - اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے

۴۷ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوائے اور جتنے

لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

گناہ ہیں جس کیلئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا

تفسیر اس سے پہلی آیات میں یہود کی گستاخی اور اس سے بچنے کا طریقہ بیان ہوا اب اس آیت میں ان کو ایمان کی دعوت دی جا رہی ہے کہ تم اس کتاب یعنی قرآن کریم پر ایمان لے آؤ جو تمہاری کتاب توریت کی تصدیق کرتی ہے۔ کہ وہ آسمانی کتاب ہے، اور اے یہودیو تم خدا کی اس دعوت ایمان کو اس سے پہلے ہی قبول کر لو کہ کہیں خدا کا عذاب تم پر اس شکل میں نازل نہ ہو جائے کہ تمہارے چہروں کے نقش و نگار یعنی آنکھ ناک کو بالکل مٹا دیا جائے، اور پھر ان کو گدّی کی طرف پھیر دیا جائے۔ یا پھر ہم ان پر ایسی پھٹکار بھیجیں جیسی ہفتہ کے دن والے یہود پر بھیجی تھی کہ ان کی شکلیں بندروں جیسی بنا دی تھی، اور یاد رکھو اللہ پاک کا جو حکم صادر ہو جاتا ہے تو وہ پورا ہی ہو کر رہتا ہے، لہٰذا خدا کی اس تنبیہ سے ڈرو اور اس بُرے وقت کے آنے سے پہلے ہی ایمان لے آؤ۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن سلام یہودی نے جب یہ آیت سنی تو گھبرا گئے اور سیدھے حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اس خوف سے کہیں چہرہ بگڑ نہ گیا ہو، حضورؐ سے عرض کیا مجھے امید نہ تھی کہ صحیح سالم آپ تک پہنچ سکوں گا۔ یہ کہہ کر مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے کہ ہم ہر طرح کے چھوٹے بڑے گناہ کو معاف کر سکتے ہیں مگر شرک کرنے والے کو ہرگز معاف نہیں کریں گے وہ سیدھا جہنم میں جائیگا اور ہمیشہ اسی میں، جلتا بھنتا رہے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس

يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى

بنا دیں اور ان پر تاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا دیکھو تو یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے

اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

ہیں اور یہی بات صریح مجرم ہونے کے لئے کافی ہے

تفسیر یہود اپنے آپ کو گناہوں سے پاک و صاف اور مقدس بتلاتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے رات کے

دن میں اور دن کے گناہ رات میں معاف کر دیئے جاتے ہیں، ان لوگوں کے متعلق اللہ پاک تعجب سے فرما رہے ہیں کہ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہر طرح کے جرم و گناہ میں ملوث ہونے کے باوجود اپنے آپ کو پاکیزہ و مقدس بتلاتے ہیں دیکھو تو یہ ہم پر کیسا جھوٹ و افترا باندھ رہے ہیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم جس کو چاہتے ہیں پاک اور مقدس بنا دیتے ہیں اور اسمیں ہم کسی پر ظلم و ناانصافی نہیں کرتے بلکہ جس میں مقدس بننے کی صلاحیت ہوتی ہے اس کو مقدس بنا دیتے ہیں، جس میں نہیں ہوتی اس کو نہیں بناتے، ان یہود کا خدا پر جھوٹی تہمت لگانا ان کے مجرم ہونے کے لئے کافی ہے بس اب تو یہ سخت سے سخت سزا کے مستحق ہو گئے ہیں۔

اس آیت پاک سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو گناہوں سے پاک و صاف اور معصوم بتلاتے سوائے انبیاء علیہم السلام کے۔ کیونکہ بغیر علم کے کوئی کوئی فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہاں اگر کسی بزرگ کو کشف و الہام کے ذریعہ کسی کے پاک و مقدس ہونے کا علم ہو جائے تو اس کا اظہار کر سکتا ہے بشرطیکہ بڑائی و تکبر کا اندیشہ نہ ہو، مگر چونکہ عام طور پر اس سے تکبر پیدا ہو جانے کا امکان ہے اس لئے اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا تونے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے (پھر باوجود اس کے) وہ بت اور

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ

اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ط

پر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہ پاؤگے۔

شان نزول جنگ احد کے بعد کعب بن اشرف یہودی ستر یہودیوں کو لے کر قریش کے پاس مکہ پہونچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کی حمایت و مدد کا عہد کیا!

اقوال و تحقیق بالجبت والطاغوت، جبت اور طاغوت سے کیا مراد ہے (۱) حضرت عکرمہ فرماتے ہیں بقیہ صفحہ ۲ پر

اہل مکہ نے کعب بن اشرف سے کہا کہ تم ایک دھوکہ دینے والی قوم ہو اگر واقعی تم ہم کو اپنے ساتھ ملا کر محمد عربیؐ سے جنگ کرنا چاہتے ہو تو ان دونوں بتوں (یعنی جبت اور طاغوت) کو سجدہ کرو چنانچہ اس بدبخت نے ان کو سجدہ کیا اور تجویز سامنے رکھی کہ تیس آدمی ہمارے اور تیس آدمی تمہارے کعبہ سے چمٹ کر عہد کریں کہ ہم مل جل کر محمدؐ کے خلاف جنگ کریں گے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ تم پڑھے لکھے ہو ہم اَن پڑھ ہیں لہٰذا یہ بتاؤ کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں یا محمدؐ؟ اس پر کعب بن اشرف نے کہا کہ پہلے تم اپنا مذہب بتاؤ اس میں کیا کیا ہے، ابوسفیان نے جواب دیا کہ ہم حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں ان کے لئے اونٹنیاں قربان کرتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں، رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھتے ہیں اور اللہ کے گھر (کعبہ) کو آباد رکھتے ہیں اس کا طواف کرتے ہیں۔ اور ہمارے برخلاف محمد نے اپنے بڑوں کا مذہب چھوڑ دیا ان سے رشتہ ناطے ختم کر دیئے ہمارا مذہب پرانا ہے اور محمد کا مذہب بالکل نیا ہے یہ سن کر کعب بن اشرف نے کہا خدا کی قسم تم لوگ حق پر ہو اور محمد غلط راستہ پر ہے، اس پورے واقعہ کی تردید کے لئے اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی جسمیں ارشاد ہے کہ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو آسمانی کتاب توریت کا علم دیا گیا ہے مگر اس کے باوجود وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں، اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ مشرکین کو مسلمانوں کے مقابلہ صحیح راستہ پر بتلاتے ہیں، بس اے مومنو یاد رکھو یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ملعون بنا دیا، اور جس کو خدا ملعون بنا دے اس کو قہر و عذاب سے بچانیوالا کوئی نہیں ہوتا۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا

ہاں کیا ان کے پاس کوئی حصہ ہے سلطنت کا سو ایسی حالت میں تو اور لوگوں کو ذرا سی چیز بھی نہ دیتے

﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

یا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم

سو ہم نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے خاندان کو کتاب بھی دی ہے اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری

بقیہ حاشیہ ۵۱۔ یہ دو بت تھے جن کی مشرکین پوجا کرتے تھے (۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حبشی لغت میں جبت جادوگر کو کہتے ہیں اور طاغوت سے مراد کاہن ہے۔ (۳) حضرت ابوعبیدہؓ فرماتے ہیں کہ جبت و طاغوت اللہ کے علاوہ ہر معبود کو کہتے ہیں ان تینوں اقوال میں باہم کوئی تعارض نہیں کیونکہ اصل میں جبت تو بت ہی کا نام تھا مگر بعد میں خدا کے علاوہ پوجی جانیوالے چیز کو جبت و طاغوت کہنے لگے۔

مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ

سلطنت بھی دی ہے سو ان میں سے بعضے تو اس پر ایمان لائے اور بعضے ایسے تھے کہ اس سے رو

عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

گرداں ہی رہے۔ اور دوزخ آتش سوزاں کافی ہے بلاشک جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہوئے ہم ان کو

بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم

عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے۔ جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری

بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

کھال پیدا کر دیں گے۔ تاکہ عذاب ہی چکھتے رہیں۔ بلاشک اللہ تعالیٰ

عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو

سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

عنقریب ایسے باغ میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے واسطے

فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

اس میں پاک و صاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ میں داخل کریں گے۔

یہود کا اعتراض اور خدا کا جواب

اللہ پاک نے حضور علیہ السلام کو جو علم و حکمت عزت و عظمت، جلالت و شوکت اور عالی مقام عطا فرمایا تھا تو اس سے یہودی جلتے تھے اور یہ اعتراض کرتے تھے کہ سلطنت تو ہمارا خاندانی حصہ ہے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں مل گئی اس کا ایک جواب تو اللہ پاک نے یہ دیا ہے کہ اچھا ہی ہوا تم کو سلطنت نہ ملی نہیں تو تم اپنی کنجوسی اور بخل کی وجہ سے کسی کو ایک دانہ تک نہ دیتے:۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاندان ابراہیمؑ کے ایک فرد ہیں ان کے خاندان میں بھی بڑے بڑے صاحب سلطنت ہوئے ہیں مثلاً حضرت یوسفؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ لہذا اگر محمد عربیؐ کو علم و کمال، جاہ و جلال اور سلطنت مل گئی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، بہر حال سلطنت کسی غیر جگہ نہیں گئی بلکہ اپنے ہی خاندان کے ایک قابل و با صلاحیت اور خدا کی پسندیدہ و منتخب شخصیت کو عطا ہوئی ہے:۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود میں پہلے سے ایسے لوگ چلے آرہے ہیں کہ ان میں سے کچھ ہماری کتاب اور نبی کو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے، لہٰذا آپ کے دور کے یہودی اگر ہماری کتاب (قرآن) کو اور آپ کی نبوت کو نہ مانیں تو اس سے غمگین و رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں یہ تو ان کی فطرت ہے۔ اس کی سزا ہم انہیں دیں گے اگر دنیاوی سزا جو ذلت و رسوائی کی صورت میں ان کو دی جارہی ہے ان کو کم لگتی ہے تو جہنم کا عذاب ان کے لئے کافی ہے، وہاں ان کو سخت سے سخت سزا دی جائیگی اور یاد رکھو جو لوگ ہمارے احکامات کا انکار کر کے کفر اختیار کر رہے ہیں ہم ان کو جلد ہی آگ میں ڈالیں گے اور وہاں ان کا یہ حال رہے گا کہ جہاں بدن کی کھال جلی فوراً ہی دوسری نئی کھال ان کے بدن پر پیدا کردیں گے تاکہ وہ ہمیشہ آگ میں جلنے کے عذاب میں مبتلا رہیں۔

اور اس کے بالمقابل جو لوگ ایمان قبول کر چکے اور انہوں نے اچھے اور نیک کام کئے اپنی زندگی خدا کی مرضی کے مطابق گذاری تو ان کو جلد ہی جنت کے ایسے باغوں میں داخل کر دیا جائیگا جن کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور گھنے لمبے چوڑے اور وسیع سائے ہوں گے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے سائے کو ایک گھوڑ سوار سو سال میں بھی طے نہیں کر سکے گا جنت میں نیک مومنوں کو پاک و صاف عورتیں دی جائیں گی جو ہر طرح کی گندگی مثلاً ناک، تھوک، پیشاب، پاخانہ ماہواری وغیرہ سے بالکل پاک و صاف ہوں گی، اور یہ مومنین جنت کے اس عیش و عشرت کو ہمیشہ لوٹتے رہیں گے، اللہ ہم سب کو عطا فرمائے آمین،

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو ۔ اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا

بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ

کرو ۔ تو عدل سے تصفیہ کیا کرو ۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں

بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

وہ بات بہت اچھی ہے بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں

واقعہ شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مکہ فتح کرنے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور ان کے سپرد بیت اللہ شریف کی چابی تھی حضور نے فرمایا کہ چابی ہمیں لاکر دو، وہ لے کر حاضر ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت میرے سپرد ہے لہٰذا بیت

اللہ شریف کو کھولنے بند کرنے اور اس کی چابی کی نگہبانی کی خدمت بھی میرے سپرد فرما دیجئے، یہ سن کر عثمان بن طلحہ نے ہاتھ کھینچ لیا حضورؐ نے فرمایا عثمان چابی مجھے دو عثمان بن طلحہ نے عرض کیا مگر اللہ کی امانت میں۔ بہر حال آپؐ نے ان سے چابی لے کر بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر نماز ادا کی اور پھر کچھ دیر بعد باہر تشریف لائے اور عثمان بن طلحہ کو طلب فرما کر چابی ان کے حوالے کر دی اور یہ آیت "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ الآیہ" تلاوت فرمائی حضرت عمر فاروقؓ کا بیان ہے کہ اس سے پہلے کبھی یہ آیت میں نے حضورؐ سے نہیں سنی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی وقت بیت اللہ شریف کے اندر نازل ہوئی اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو چابی واپس فرمائی کیوں کہ عثمان بن طلحہ نے آپ کو چابی یہ کہہ کر دی تھی کہ اللہ کی امانت میں لہٰذا آپ نے ان کی امانت ان کو واپس کر دی، حضورؐ نے چابی واپس کرتے وقت فرمایا لو اب یہ چابی قیامت تک تمہارے خاندان کے پاس رہے گی، اور جو بھی تم سے یہ چابی لیگا وہ ظالم ہوگا، چنانچہ عثمان بن طلحہ نے اپنے انتقال کے وقت یہ چابی اپنے بھائی شیبہؓ کو دی عثمان بن طلحہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں چابی لے کر خوش خوش چلنے لگا تو حضورؐ نے مجھے آواز دی اور فرمایا کہ عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی کہ نہیں؟ مجھے فوراً وہ منظر یاد آگیا کہ ہجرت سے پہلے آپؐ نے مجھ سے چابی طلب فرمائی تھی اور میں نے سختی سے منع کر دیا تھا اس وقت آپؐ نے بڑی بردباری سے فرمایا تھا عثمان ایک روز یہ چابی تم میرے ہاتھ میں دو گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ بلاشبہ آپ کا فرمان سچ ہو کر رہا اور پھر میں اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا، رضی اللہ عنہ"

آیت مذکورہ اگرچہ خاص طور پر عثمان بن طلحہ رضی اللہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس کا حکم عام ہے یہ آیت ہر امانت والے کو اس کی امانت واپس کرنے کا حکم دیتی ہے کہ جس کے ذمہ جس کی جو امانت وحق ہے وہ اس کو ادا کر دے:۔

اسکے بعد ارشاد ہے کہ اے لوگو جب تم کسی کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو، درحقیقت انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی ادائے حقوق وامانت کی ایک شاخ ہے اور انصاف نہ کرنا خیانت ہے ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ محبوب ومقرب وہ شخص ہوگا جو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہو اور سب سے زیادہ عذاب وسزا کا مستحق وہ ہوگا جو فیصلوں میں خیانت کرتا ہو، بہر حال ادائے حقوق امانت اور فیصلہ میں انصاف کرنا بہت عمدہ بات ہے، اس کی اللہ اپنے بندوں کو نصیحت فرما رہا ہے کہ یاد رکھو اللہ پاک تمہارے اقوال وافعال جو تم ادائے حقوق وامانت اور فیصلہ کرنے میں کرتے ہو ان سے خوب واقف ہے، لہٰذا اگر وہ ان میں کوتاہی اور خیانت سے کام لیں گے تو سخت سزا کے مستحق ہوں گے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ

اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ

مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ

اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ تعالیٰ اور رسول کے

وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ امور سب

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۹ ۵

بہتر ہیں اور اس کا انجام خوشتر ہے

اللہ و رسول اور حاکم کی اطاعت

اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ اے مومنو اللہ کی فرمانبرداری کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کرو، یہ حکم عام لوگوں کو بھی ہے۔ حُکّامِ وقت کو بھی ہے۔ اور علماء و مفتیان کرام کو بھی ہے۔ بہر حال سب کے ذمہ لازم ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کی اس کے احکامات میں اطاعت و فرمانبرداری کریں اس کے بعد خاص طور پر عام لوگوں کے لئے فرمایا گیا کہ تم میں جو لوگ حاکم ہیں ان کی فرمانبرداری کرو، اب وہ حاکم خواہ دینی نظام کے اعتبار سے ہوں جیسے وزراء و افسران، اور خواہ وہ دینی معاملات میں ہوں جیسے علماء کرام و مفتیان عظام بہر حال ان کی فرمانبرداری بھی عام لوگوں کے ذمہ واجب ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جو حاکم کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے۔ اور جو حاکم کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے، مگر شرط یہ ہی کہ ان کا کوئی بھی حکم شریعت و مذہب کے خلاف نہ ہو چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس بات میں خدا کی نافرمانی ہو اس میں کسی کی بھی فرمانبرداری کرنا جائز نہیں اور اس کے ساتھ عام آدمی کو یہ حق بھی قرآن کریم نے دیا ہے کہ اگر تم سمجھ رہے ہو کہ حاکم وقت نے فیصلہ صحیح نہیں کیا تو قرآن و حدیث کی طرف رجوع کر لو یعنی اپنا معاملہ ائمہ مجتہدین اور علماء دین کو سونپ کر ان سے فیصلہ کرا لو۔ حاصل یہ کہ عام آدمی کو مجبور نہیں کیا گیا کہ جو فیصلہ حاکم وقت اسکے حق میں صادر فرما دے خواہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو یا مخالف اس پر عمل ہی کرے، نہیں بلکہ --- اس کو پورا پورا حق دیا ہے کہ اگر شریعت مطہرہ کے خلاف کوئی حکم ہے تو اس کو نہ مانا جائے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی

وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ

اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اپنے مقدمے شیطان کے پاس لیجانا چاہتے ہیں

وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ

حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بہکا کر بہت دور پہنچانا

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى

چاہتا ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کیطرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور

الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾

رسول کی طرف تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ

پھر کیسی جان کو بنتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی بدولت جو کچھ وہ پہلے کر چکے تھے۔ پھر

جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا

آپ کے پاس آتے ہیں خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہمارا اور کچھ مقصود نہ تھا سوا اس کے کہ کوئی بھلائی نکل آوے اور

﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ

باہم موافقت ہو جاوے۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے سو آپ ان سے تغافل

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

کر جایا کیجئے اور ان کو نصیحت فرماتے رہئے اور ان سے خاص ان کی ذات کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے۔

واقعہ شان نزول یہ آیات ایک خاص واقعہ پیش آنے پر نازل ہوئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بشر نام کا ایک منافق تھا اس کا ایک یہودی سے کسی معاملہ میں جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے کہا کہ ہم فیصلہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرائیں گے، لیکن بشر منافق نے اس یہودی کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کعب بن اشرف جو یہودی کا سب سے بڑا عالم اور سردار تھا سے فیصلہ کرانے

کی تجویز رکھی،،

یہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ بشر منافق جو اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ تو حضور علیہ السلام سے رد گردانی کر کے فیصلہ یہود کے سردار سے کرانا چاہے اور جو یہودی ہے وہ اپنے سردار کو چھوڑ کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانا پسند کرے۔ درحقیقت اس میں ایک بھید پوشیدہ تھا وہ یہ کہ یہودی اور منافق دونوں کو اس بات پر پورا پورا یقین تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں گے اسمیں کسی کے مذہب کی وجہ سے کوئی ناجائز رعایت نہیں کریں گے، اور چونکہ اس جھگڑے میں یہودی حق پر تھا اسلئے اس کو اپنے سردار کعب بن اشرف سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا اور منافق چونکہ حق پر نہیں تھا لہذا اس کو اندیشہ تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں فیصلہ میرے خلاف ہوگا اگرچہ میں ظاہری طور پر مسلمان ہوں اور کعب بن اشرف یہودی کے یہاں رشوت چلتی ہے وہاں کچھ لے دیکر فیصلہ اپنے حق میں کرالوں گا۔ اس لئے وہ اس پر بضد تھا کہ ہم فیصلہ کعب بن اشرف سے کرائیں گے مگر یہودی نے اپنے سردار سے فیصلہ کرانے کو سختی سے انکار کر دیا لہذا منافق مجبور رہا اور پھر دونوں نے اپنا مقدمہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا، آپ نے ان کے معاملہ کی تحقیق فرمائی تو حق یہودی کا ثابت ہوا لہذا آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا، مگر منافق جس کے دل میں پہلے ہی سے چور تھا وہ اس فیصلہ سے راضی نہ ہوا اور پھر سے یہودی کو بہلا پھسلا کر اس بات پر راضی کیا کہ فیصلہ ہم حضرت عمر فاروق رضؓ سے کرائیں گے، یہودی کو چونکہ حضرت عمرؓ کی عدالت پر بھی پورا یقین اور بھروسہ تھا لہذا وہ اس پر بھی راضی ہو گیا اور دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہونچے جاکر اپنا معاملہ سنایا یہودی نے یہ بھی بتا دیا کہ ہم نے یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھی پیش کیا تھا، آپؐ نے فیصلہ میرے حق میں فرمایا تھا مگر آپ کے فیصلہ پر یہ بشر منافق راضی نہیں ہوا اسلئے اب یہ مجھے آپ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے معلوم کیا، کیوں بات ایسی ہی ہے کیا؟ اس نے کہا جی ہاں، حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں اور پھر گھر کے اندر سے تلوار لاکر اس منافق کو قتل کر ڈالا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ نہ مانے اس کا فیصلہ یہی ہے یعنی میں اس کو قتل کر دونگا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب منافق کو قتل کر دیا تو اس کے وارثوں نے حضرت عمرؓ کے خلاف یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلا شرعی دلیل کے قتل کر ڈالا، ان آیات کو نازل فرمایا اللہ پاک نے، معاملہ کی اصل حقیقت کو کھول دیا اور یہ بھی واضح فرمایا کہ مقتول مسلمان نہیں تھا بلکہ وہ منافق تھا اور مسلمان بن کر مسلمانوں کو دھوکہ دے رہا تھا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ الآیۃ،، اس آیت میں بیان ہے کہ ذرا اس شخص کو تو دیکھو جو اس بات کا دعویدار ہے

کہ میں پچھلی آسمانی کتب توریت انجیل پر ایمان رکھتا تھا اور اب قرآن پر بھی ایمان رکھتا ہوں، اور پھر بھی اپنا فیصلہ شیطان کے پاس لیجاتا ہے، شیطان سے مراد یہاں کعب بن اشرف ہے جیسا کہ واقعہ شان نزول سے پتہ چلتا ہے، اور اس کو شیطان اس لئے کہا گیا کہ اس کی حرکتیں غیر شرعی اور شیطانی تھی،

اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، حالانکہ ہم نے ان کو حکم کیا تھا کہ شیطان کی باتیں نہ مانو، وہ تمہارا دشمن ہے تم کو گمراہی کے گڑھے میں لیجا کر پھینک دے گا۔ مگر یہ منافق نہ مانیں اور شیطان کے راستہ پر چل کر اپنے آپ کو مستحق جہنم بنا لیا۔

قرآن مقدس نے جب ان منافقوں کی حقیقت کھول دی اور بشر نامی منافق حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں مارا گیا تو اب یہ بوکھلائے اور طرح طرح کی حیلہ جوئی اپنی صفائی میں قسمیں کھا کر پیش کرنے لگے کہ حضورؐ ہم آپ کے علاوہ دوسروں سے فیصلہ صرف اس غرض سے کرانا چاہتے تھے کہ وہاں کچھ نرمی ہوگی، بہت ممکن ہے فریقین میں باہمی صلح و صفائی ہو جائے، اور چونکہ آپؐ کے اصول مضبوط و مستحکم ہیں آپ بالکل برحق فیصلہ فرماتے جو یقیناً ایک کے خلاف ہوتا اس سے اندیشہ تھا کہیں، باہمی عداوت و دشمنی نہ بڑھ جائے، منافقوں کی ان ملمع سازی باتوں کا جواب اللہ پاک نے خود اس سے اگلی آیت "اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰہُ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ الآیۃ" میں دیا ہے کہ ان منافقوں کے دلوں کی حالت ہم خوب جانتے ہیں کہ اسمیں نفاق بھرا ہوا ہے اور جو یہ قسمیں کھا کھا کر آپ کے سامنے باتیں بنا رہے ہیں سب جھوٹ اور غلط ہیں، بس آپ ان سے درگزر کیجئے یعنی ان کو کسی قسم کی سزا نہ دیجئے بلکہ ان کو عمل خیر کی نصیحت فرماتے رہیئے، اور ان کو اثر انگیز بات کیجئے مثلاً دنیوی سزا کا ذکر ان کے سامنے کیجئے کہ جو حال بشر نامی منافق کا ہوا ہے وہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے، یا منافقوں کے لئے خدائے تعالیٰ کے یہاں دردناک عذاب و سزا ہے وغیرہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَلَوْ اَنَّھُمْ

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کیجاوے۔ اور اگر جس وقت

اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ

اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کیلئے

لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾

اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنیوالا اور رحمت کرنیوالا پاتے

تفسیر اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ ہم نے ہر رسول اکو دنیا میں اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چل کر جنت کا مستحق بنا جائے۔ اس آیت میں یہ بات بتلادی گئی کہ امت کے ہر ہر فرد کو اپنے رسول کا حکم ماننا فرض وضروری ہے، جو اس کے حکم کے خلاف ورزی کرے اس کو قتل کر دیا جائے جیساکہ حضرت عمر فاروق نے بشر نامی منافق کے ساتھ کیا۔

پچھلے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے کہ جس وقت یہ منافق اپنا نقصان کر بیٹھے تھے یعنی جس وقت بشر کا قتل ہوا اور ان کا نفاق کھلا تو یہ اسی وقت ندامت وشرمندگی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور خدائے غفور ورحیم سے معافی چاہتے، اور آپ بھی ان کے لئے ہم سے معافی کی درخواست کرتے تو وہ یقیناً ہیں تو یہ قبول کرنیوالا اور رحمت و مہربانی کرنے والا پاتے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہونگے جبتک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کریں

شان نزول صحیح بخاری ومسلم شریف میں حدیث ہے کہ کھیتوں میں پانی دینے پر حضرت زبیر رض کا ایک انصاری رض سے جھگڑا ہوگیا دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے آپ نے معاملہ کی تحقیق فرما کر فیصلہ کیا کہ زبیر پہلے پانی تم سینچ لو اور اسکے بعد اپنے پڑوسی انصاری رض کے کھیت میں پانی چھوڑ دینا، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوگیا اور کہا کہ ... یا رسول اللہ آپ نے زبیر کے حق میں اس لئے فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے یہ سن کر حضور کا رنگ بدل گیا، اس وقت اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ ہرگز مومن ومسلم نہیں جو آپ کو اپنے جھگڑوں میں اپنا حاکم ومنصف مقرر نہ کریں۔

اقوال وتحقیق! قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول وہی سابقہ یہودی اور منافق کے جھگڑے والا قصہ ہے، جیساکہ حضرت مجاہد اور حضرت شعبی سے منقول ہے اور یہی قرآنی ترتیب کی مناسبت سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔

اور اگر بنا لیں اور پھر فیصلہ ہونے پر دل میں تنگی محسوس کریں خوشی سے آپ کے فیصلہ کو نہ مانیں وہ بھی مومن نہیں ہیں۔

حاصل یہ کہ سچا اور پکا مومن و مسلم وہی شخص ہے جو اپنا اختلافی معاملہ حضور علیہ السلام کے سپرد کر دے اور آپ کے فیصلہ پر دل و جان سے راضی و خوش ہو جائے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ

اور ہم اگر لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز

مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ

معدودے چند لوگوں کے اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا۔ اور اگر یہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے

خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا

تو ان کیلئے بہتر ہوتا اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنیوالا ہوتا اور اس حالت میں ہم ان کو خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عطا

عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

فرماتے اور ہم ان کو سیدھا رستہ بتلا دیتے اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مان لیگا

فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ

تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین

وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ

اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ہے

الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں

ع ۹

تفسیر یہ آیت اور اس سے پچھلی آیات بشر منافق کے واقعہ میں نازل ہوئیں جس نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مانا اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں قتل ہوا اس واقعہ کی شہرت پورے مدینہ منورہ میں پھیل گئی اور یہود نے مسلمانوں کو شرم دلائی کہ تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے پیغمبر کے فیصلہ کو نہیں مانتے اور ہم یہود کو جب ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے ایک جرم کی سزا کیلئے حکم دیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو تو ہم نے اس پر بھی عمل کیا

اور ہمارے ستر ہزار آدمی قتل ہوئے، اگر اس طرح کا کوئی سخت حکم تمہیں مل جاتا تم تو اس سے بالکل ہی روگردانی کرتے، اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے کہ منافقوں کا یا عام مسلمانوں کا یہی حال ہے کہ اگر انہیں کوئی اسطرح کا حکم دیا جاتا تو ان میں سے بہت ہی کم لوگ اس پر عمل کرتے اس آیت میں یہود کے طعنہ کا جواب دیدیا گیا کہ یہ حال منافقوں کا ہے وہی ہمارے حکم سے روگردانی کرتے ہیں مگر جو لوگ سچے پکے مسلمان ہیں وہ ہمارے سخت سے سخت حکم پر بھی لبیک کہتے ہیں، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہما اور کچھ دوسرے صحابہ کرام نے کہا کہ خدا کی قسم اگر ہم کو ایسا حکم دیا جاتا جیسا یہود کو دیا گیا تھا تو ہم اس پر ضرور عمل کرکے دکھاتے مگر یہ حق تعالیٰ شانہ کا ہم پر بہت بڑا احسان و کرم ہے کہ اس نے ہم کو ایسی سخت آزمائش میں مبتلا نہیں کیا، صحابہ کرامؓ کے اس واقعہ کی اطلاع جب رسول خدا کو پہنچی تو آپ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے زیادہ جما ہوا ہے۔

اس کے بعد ارشاد خداوندی ہے کہ اگر یہ منافق لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے ذکر رسول اللہ کی فرماں برداری کرو) اس پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بنتا، اور پھر اس وقت ہم ان کو بہت بڑا ثواب عطا کرتے اور جنت کا سیدھا راستہ دکھاتے یعنی اگر یہ ہماری نصیحت کو قبول کرکے اس پر عمل کر لیتے تو سیدھے جنت میں داخل کر دیئے جاتے۔ اور پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ ہماری اور ہمارے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں تو وہ جنت میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر ہم نے پورا پورا انعام و اکرام فرمایا ہے وہ انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صلحاء کی جماعت ہے، جن لوگوں کو ان حضرات کا ساتھ مل جائے وہ بہت ہی خوش قسمت ہیں، اور بلاشبہ ان حضرات کا ساتھ مل جانا خدائے پاک کا بہت بڑا فضل ہے، آیت کے بالکل اخیر میں فرمایا کہ تمہارا خدا ہر بات کو خوب جانتا ہے۔ یعنی اللہ و رسولؐ کی کون سچے دل سے اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے کون نہیں۔

بہرحال آیت پاک کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ جو مومن بھی اللہ و رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرے گا اللہ پاک کا اس پر یہ انعام ہوگا کہ ان مقدس حضرات کا ساتھ نصیب ہوگا، اللہ سبھی مسلمانوں کو عطا فرمائے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا

اے ایمان والو اپنی تو احتیاط رکھو ۔ پھر متفرق طور پر ۔ یا مجتمع طور پر

جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ

نکلو ۔ اور تمہارے مجمع میں بعضا بعضا شخص ایسا ہے جو ہٹتا ہے ۔ پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچ گیا ۔ تو کہتا ہے کہ

قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ

بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ (لڑائی) میں حاضر نہیں ہوا اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا

فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ

فضل ہو جاتا ہے تو ایسے طور پر گویا تم میں اور اس میں کچھ تعلق ہی نہیں کہتا ہے کہ ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں

كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

بھی ان لوگوں کا شریک حال ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی

جہاد کا حکم اب تک کی آیات میں اللہ و رسول کی فرماں برداری کا حکم تھا، اب یہاں سے چند آیتوں میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ اے مومنو کافروں کے مقابلہ میں اپنی حفاظت اور تیاری میں لگے رہو، اور جنگی ساز و سامان درست رکھو، اور جب جہاد کا موقع آئے تو فوراً نکل پڑو چاہے متفرق ٹولیاں بنا کر، چاہے اکٹھے ہو کر جیسا بھی موقع ہو، اور یاد رکھو کچھ لوگ تم میں ایسے بھی ہیں کہ وہ ضرور قدم پیچھے ہٹائیں گے، جیسے عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھی، بس تم ان لوگوں کی پروا کئے بغیر جہاد شروع کر دینا، ان منافقوں کی تو یہ حالت ہے کہ اگر تم کو جہاد میں کچھ نقصان پہنچ جائے اور شکست ہو جائے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم پر خدا نے فضل کیا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے، مگر احمق لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا ہے یہ بدنصیب اس سے محروم ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اگر یہ بھی شریک جہاد ہوتے تو غازی کا درجہ پاتے یا پھر اس سے بھی بڑھ کر مقام شہادت نصیب ہوتا، اور اگر مومن مجاہدین کو خدا کا فضل یعنی فتح و نصرت اور مال غنیمت مل جائے تو اس پر حسرت افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تو ہم کو بھی مال و دولت کا ایک بڑا حصہ ملتا۔ بہرحال ان کا جہاد سے مقصد صرف یہی ہے کہ دنیوی مال و دولت مل جائے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی اختیار کئے

بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ

ہوئے ہیں اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آ جاوے

نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

توہم اس کو اجر عظیم دیں گے

تفسیر اس سے پہلی آیت میں مذکور تھا کہ مومنوں کو چاہئے کہ جنگی ساز و سامان درست رکھیں اب اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب جنگی ساز و سامان درست کر چکیں تو پھر راہ مولیٰ میں جہاد کریں، مطلب یہ کہ منافق لوگ پیچھے ہٹیں تو ہٹنے دیں، مسلمانوں کو کافروں سے جہاد کرنا چاہئے ان دونوں آیتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے دنیا کے کسی کام کیلئے یہاں تک کہ جہاد جیسے کام کیلئے بھی پہلے اسباب اور اس سے متعلقہ اشیاء مہیا کر لے اس کے بعد اللہ پر توکل اور بھروسہ کرے بغیر اسباب کے صرف توکل کر کے کسی بھی کام کو شروع کر دینا قطعاً درست نہیں۔

مجاہدین کیلئے بشارت "وَمَنْ يُّقَاتِلْ الآیہ" اس آیت میں مجاہدین کے لئے بشارت و خوشخبری ہے کہ جو مومن دین خداوندی کو بلند کرنے کی نیت سے راہ خدا میں جنگ کرتا ہے اور پھر وہ مغلوب و ناکام ہو جائے، خواہ راہ مولیٰ میں مارا جائے یا فتحیاب اور غالب ہو جائے، اور دنیوی مال و دولت بھی حاصل ہو، بہر صورت ایسے مومنین کے لئے خدا کی طرف سے بہت بڑا اجر و ثواب ہے، جو اس کو خدا کی خوشنودی اور جنت کی صورت میں ملے گا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

کچھ مرد ہیں۔ اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے

وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے جو لوگ پکے ایماندار ہیں وہ تو اللہ

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے

الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطٰنِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ

ہیں لو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو واقع میں شیطانی تدبیر

كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

لچر ہوتی ہے

تفسیر ہجرت کے بعد مکہ شریف میں کچھ مسلمان ایسے رہ گئے تھے جو اپنی جسمانی اور مالی کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بعد میں ان کو ظالم کافروں نے جانے سے روک دیا اور ان پر طرح طرح کے ظلم وستم کرنے لگے تاکہ یہ حضرات پریشان اور گھبرا کر دین اسلام کو چھوڑ دیں اور کفر اختیار کر لیں، مگر ان حضرات کا ایمان اس قدر مضبوط و قوی تھا کہ کافروں کے ظلم وستم سے اسمیں کچھ فرق نہ آیا بلکہ اور پختگی ہی بڑھتی رہی، اس مظلومیت کی حالت میں یہ تمام مرد و عورت اور بچے اپنے پروردگار سے دعائیں کرتے رہے کہ ہم کو اس شہر مکہ مکرمہ سے نکال جہاں کے رہنے والے ظالم و جابر ہیں، اور تو ہم کو ان کے ظلم وستم سے نجات عطا فرما کر ہمارے لئے کوئی حمایتی اور مددگار بھیج ، اللہ پاک نے ان مظلوموں کی دعا قبول کی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جا کر کافروں سے جہاد کریں، حکم کا انداز ایسا عجیب اور پیارا رکھا کہ اگر کسی کا جہاد میں شرکت کا ارادہ نہ بھی ہو اس کا بھی ہو جائے کہ اے مومنو! آخر تمہارے پاس ایسا کیا عذر ہے کہ تم مکہ کے کافروں سے جہاد نہ کرو جب کہ تمہارے بھائی مسلمان، مرد، عورت، بچے اور کمزور لوگ وہاں ان کے ظلم وستم کا شکار بنے ہوئے ہیں ایسے وقت میں تمہارا انسانی اخلاق اور دینی فرض بنتا ہے کہ ان بےچاروں کو جا کر مصیبت سے نجات دلاؤ۔

اور پھر فرمایا کہ مومن راہِ مولیٰ میں جنگ کرتے ہیں یعنی ان کا مقصد جنگ سے دین خداوندی کو بلند کرنا ہوتا ہے اور کافر شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، یعنی ان کا مقصد شرک و کفر کو پھیلانا ہوتا ہے، اور ظاہر ہے ان دونوں میں نصرت و مدد خدائے تعالیٰ کی جانب سے مومنوں کی ہوگی، پس اے مومنو تم شیطان کے ساتھیوں یعنی کافروں سے جہاد کرو، اور یاد رکھو شیطانی تدبیریں کمزور ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے، لہذا تم کافروں سے بلند ہمتی کے ساتھ جہاد کرو خدائے ذوالجلال تمہاری نصرت و مدد فرمائیگا۔

چنانچہ مکہ فتح ہوا اور مسلمان برسرِ اقتدار آئے اس وقت حضور علیہ السلام نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا دیا کہ جو یہاں مسلمان مظلوم ہیں ان کو ظالموں سے نجات دلائیں بہر حال مکہ کے مومن مظلومین نے جو دعا کی تھی اللہ نے اس کو قبول کر کے انکو ہر طرح کے ظلم و

ع ۷ ۱۰

ستم سے پورے طور پر نجات دلائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے

الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

رہو پھر جب ان پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو قصہ کیا ہوا کہ ان میں سے بعض بعض آدمی لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا

جیسا کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور یوں کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض فرمایا

الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ

ہم کو اور تھوڑی مدت مہلت دیدی ہوتی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا تمتع محض چند روزہ ہے

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۷۷﴾

اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائیگا

شانِ نزول

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب ہجرت سے پہلے مکہ شریف کے رہنے والے مسلمانوں کو کافر طرح طرح سے پریشان کرتے اور ان پر مختلف قسم کے ظلم و ستم کرتے مسلمان ان سے پریشان تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر صحابہ کرام نے یہ تمام پریشانی حضور علیہ السلام کی خدمت میں رکھ کر جہاد کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا اپنے آپ کو جہاد سے روکے رکھو ابھی مجھے خدا نے جہاد کی اجازت نہیں دی، ابھی تم الٰہی احکامات پر پابندی سے عمل کرتے رہو جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے مثلاً نماز اور زکوٰۃ پابندی سے ادا کرتے رہو۔

ہجرت کے بعد اللہ پاک نے جہاد کا حکم بھیج دیا اب جو کچے مسلمان تھے وہ جہاد کرنے سے گھبرا گئے، اور کافروں کے مقابلہ سے ایسا ڈرنے لگے جیسا کہ خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور یہ تمنا کرنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا ہم کو کچھ مدت اور مہلت دیدی ہوتی تاکہ ہم اپنی ضروریات پوری کر لیتے۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے فرما دیجئے کہ دنیا

کا فائدہ اٹھانا جس کے لئے تم مہلت مانگ رہے ہو صرف چند روزہ ہے اور آخرت کا فائدہ ہر اعتبار سے بہتر ہے، اور اس کو حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ جہاد ہے۔ مگر صرف اسی شخص کے لئے جو اپنے پروردگار کی نافرمانی سے بچتا رہے، اور یاد رکھو تم پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، یعنی جس کے جسقدر اعمال ہوں گے اس کا پورا پورا ثواب دیا جائے گا، پھر کیوں تم جہاد میں شریک نہ ہو کر اخروی اجر و ثواب سے محروم رہنا چاہتے ہو۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ

تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آدبا دے گی۔ اگرچہ تم قلعی چونے کے قلعوں ہی میں ہو

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

اور اگر ان کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ منجانب اللہ ہو گئی۔ اور اگر ان کو کوئی بری

سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ

حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سبب سے ہے آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ تو ان لوگوں کو

هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ

کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی

حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ

ہے وہ محض اللہ کی جانب سے ہے، اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے اور ہم نے آپ کو

لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾

تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا حکم بیان ہوا تو کچھ لوگ موت کے ڈر سے جہاد کرنے سے گھبرانے لگے، ایسے حضرات کے متعلق اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ تم چاہے کہیں بھی ہو موت تم کو وہیں پہنچ کر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں اور کوٹھوں میں ہی کیوں نہ ہو، حاصل یہ کہ ہر ایک کی موت کا وقت متعین ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر شخص کی موت کا وقت اور موت کی جگہ متعین ہے، جو اس کو ہر صورت میں وہاں آکر رہے گی۔

جب حقیقت یہ ہے تو مومن کو چاہئے کہ جہاد سے جی نہ چرائے بلکہ نیک نیتی سے جہاد میں شریک

ہو کر اس کا ثواب عظیم حاصل کرے اب اگر اس کی موت کا وقت اور جگہ ہی متعین یعنی جہاد میں لکھی ہے تو یہ جہاد ہی میں جام شہادت نوش کرے گا، اور اگر نہیں تو پھر جہاد میں دشمنوں کی تلواروں کے سائے میں بھی اس کو موت نہیں آئے گی۔

خالد بن ولیدؓ کا فرمان حضرت خالد بن ولیدؓ جب بستر مرگ پر تھے تو حاضرین سے فرمانے لگے کہ خدا کی قسم میں نے بیسوں لڑائیوں اور سینکڑوں معرکوں میں شرکت کی اور جواں مردی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا، بے شمار تلواروں اور نیزوں کے زخم مجھے پہنچے ان کے نشان اب بھی تم میرے جسم پر دیکھ سکتے ہو، مگر میری موت میدان جہاد میں نہیں لکھی تھی، لہٰذا اب اپنے بستر پر مرکر اپنے۔۔۔ خدا سے ملنے والا ہوں، اور پھر اسی حالت میں آپ خدا کو پیارے ہو گئے۔

شان نزول جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودی اور منافقین کہنے لگے کہ جب سے محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی یہاں آئے ہیں اس وقت سے ہماری کھیتوں اور باغات میں برابر نقصان ہو رہا ہے، اس پر اللہ پاک نے یہ آیت "وان تصبھم حسنۃ الایہ" نازل فرمائی جس میں بیان ہے کہ ان منافقوں کو جب کوئی اچھائی اور بھلائی پہونچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، اور جب کوئی برائی پہونچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ محمد عربی کی وجہ سے ہوئی ہے، مثلاً جہاد میں اگر فتح اور مال غنیمت نصیب ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہم کو ہماری بہادری اور بلند حوصلہ کی وجہ سے اللہ نے عطا کیا ہے اور اگر شکست و ناکامی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ محمد عربی کی بے تدبیری کی وجہ سے ہوا ہے: (نعوذ باللہ)

ان کے جواب میں اللہ پاک نے فرمایا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہئے کہ سب کچھ یعنی ہر طرح کی اچھائی اور برائی اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں اور منافقوں پر افسوس ہے کہ یہ اس بات کو نہیں سمجھتے اور بلا وجہ بری حالت کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

منافقوں کے اس بدعقیدہ کو اللہ پاک واضح طور پر فرما رہے ہیں کہ اے انسانوں تمہیں جو بھی اچھی حالت پیش آتی ہے وہ ہماری طرف سے ہوتی ہے، یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مہربانی سے نصیب ہوتی ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں رسول خدا کا ارشاد ہے کہ کوئی مومن بغیر اللہ کی رحمت وکرم کے جنت میں داخل نہیں ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی...... اس کے بعد اللہ پاک نے فرمایا کہ اے لوگو! تمہیں جو بری حالت پیش آتی ہے وہ تمہارے برے اعمال کا نتیجہ ہے، اس کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا کہ محمد عربیؐ اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے سراسر حماقت وجہالت ہے اور پھر فرمایا کہ ہم نے تو اے محمدؐ آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے مطلب یہ کہ اے منافقوں تم ان کی طرف بری حالت اور نحوست منسوب کرتے ہو جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ

تمام لوگوں کے لئے رحمت بن کر آتا ہے نہ کہ نحوست، جیسا کہ تمہارا ناپاک عقیدہ ہے، اور اے محمدؐ آپ کی گواہی دینے کے بارے میں اللہ کی گواہی کافی ہے، چنانچہ دنیا میں معجزات کے ذریعہ آپ کی گواہی فرمائی اور آخرت میں جھگڑے کے وقت گواہی فرمائیں گے کہ منافقین گمراہی پر تھے اور حضورؐ حق پر تھے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپکو اُنکا

اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

نگران کر کے نہیں بھیجا

شانِ نزول جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے میری اطاعت و فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرماں برداری کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی تو اس نے اللہ سے محبت کی، اس پر کچھ منافق کہنے لگے بس محمد عربیؐ تو یہ چاہتا ہے کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنا رب بنالیا تھا ہم بھی اس کو اپنا رب بنالیں اس کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جس میں اسی بات کو اپنی زبانی فرمادی کہ جس نے میرے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کی اس نے میری فرماں برداری کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضورؐ اپنی جانب سے کسی کو کوئی حکم نہیں دیتے بلکہ آپ تو صرف ان حکموں کے پہونچانے والے ہیں جو اللہ نے انسانوں کے لئے بھیجے ہیں، اس کے بعد حضورؐ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو آپ کی فرماں برداری سے روگردانی کرے تو آپ اس کی پروا اور غم نہ کیجئے کیوں کہ ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں بنا کر بھیجا کہ آپ ان کو کفر نہ کرنے دیجئے بس آپ کا فرض تو ہمارا پیغام ان تک پہونچا دینا ہے باقی کام ہمارا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے پھر جب آپکے پاس سے باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت مشورہ کرتی ہے انہیں کی ایک جماعت

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں سو آپ

عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

ان کی طرف التفات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حوالے کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں تو کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے

الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے

منافقین کی دورخی پالیسی

اس آیت پاک میں منافقوں کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ لوگ جب آپ کی زبانی ہمارے احکام سنتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے مان لیا، اور جب آپ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو پھر راتوں میں بیٹھ کر آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس کے خلاف منصوبہ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم فرشتوں سے ان کے وہ تمام مشورے جو یہ راتوں کو چھپ چھپ کر کرتے ہیں لکھوا رہے ہیں اور پھر قیامت کے روز ان کے مطابق انہیں سخت قسم کا عذاب دیں گے، اور حضور علیہ السلام کو تسلی دینے کیلئے فرمایا جارہا ہے کہ ان کی بے ہودہ حرکتوں کی طرف دھیان نہ دیجئے بلکہ تمام معاملہ اپنے پروردگار پر چھوڑ دیجئے وہ بہترین کارساز ہے وہ مناسب طور پر ان کی اس حرکت و سازش کا دفعیہ فرمادیں گے۔

منافقین چونکہ حضورؐ کی نبوت اور قرآن کو کلام الٰہی تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے وہ مذہب اسلام کے خلاف اس طرح کی حرکتیں اور سازشیں کرتے تھے، پس ان کی ہدایت کے لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ تم لوگ قرآن عظیم میں غور و فکر کرو اور گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرو تم اس کے مضامین میں کوئی اختلاف نہیں پاؤ گے، اگر یہ محمد عربیؐ کی لکھی ہوئی کتاب ہوتی تو اس میں تم لازمی اختلاف پاتے مگر یہ بات تم پر کھلی واضح ہے کہ قرآن عظیم ہر طرح کے اختلافات سے پاک و صاف ہے بس تم کو اسے خدا کی کتاب مان لینا چاہئے اور محمد عربیؐ کی نبوت کو تسلیم کرلینا چاہئے اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہونچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ

رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

اس کو رسولؐ کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے پر رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے

يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے

شانِ نزول یہ آیت پاک منافقوں اور بعض ضعیف الایمان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کی ایک بری عادت یہ تھی کہ صحابہ کرام کو جہاد میں جب بھی کوئی اچھی یا بری حالت پیش آتی مثلاً فتح ہو گئی ہو یا شکست تو یہ لوگ اس خبر کو پھیلا دیتے، اللہ پاک نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر یہ اس خبر کو رسول اللہ اور آپ کے دانشمند صحابہ جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ و عمرؓ وغیرہ کے سپرد رکھتے کہ یہ حضرات جیسے فرمائیں گے ویسے کریں گے اس خبر کو پھیلانے میں اگر اسلام کی بھلائی ہوگی تو یہ حضرات پھیلانے کی اجازت دیدیں گے ورنہ منع فرمادیں گے،،

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے شان نزول میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی کچھ صحابہ مسجد میں جمع ہیں اور اسی خبر پر رنج و غم کرتے ہوئے ذکر کر رہے ہیں، حضرت عمرؓ کو جب یہ خبر پہونچی تو آپ فوراً حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاملہ کی تحقیق کی تو آپ نے فرمایا یہ خبر بالکل غلط ہے میں نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے، اسکے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ مسجد میں پہونچے اور سب کو اس کی اطلاع دی۔

بلا تحقیق کوئی خبر نہ پھیلائی جائے بہر حال اس آیت میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ بلا تحقیق کوئی بات نہ پھیلائی جائے، بہت ممکن ہے وہ غلط ہو یا اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی ہو، اور اس طرح جو حضرات اس وقت کے ذی علم، دور اندیش، دانشمند ہوں ان کی رائے پر خبر کے پھیلانے یا نہ پھیلانے پر عمل کیا جائے کیوں کہ وہ اپنے علم کی روشنی میں زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ اس خبر کو عام کرنے سے اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہے یا نقصان:۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم پر خدا کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم کو قرآن مقدس جیسی کتاب اور محمد عربی جیسا عظیم پیغمبر نہ ملتا تو تم میں سے علاوہ چند حضرات کے شیطان کے پیرو کار ہوتے

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کو بجز آپ کے ذاتی فعل کے کوئی حکم نہیں اور مسلمانوں کو ترغیب دے

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

دیجئے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے۔

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾

اور اللہ تعالیٰ زور جنگ میں زیادہ شدید ہیں اور سخت سزا دیتے ہیں

شانِ نزول جنگ احد کے بعد حضور علیہ السلام نے ابو سفیان سے وعدہ کر لیا تھا کہ ماہ ذیقعدہ میں مقام بدر صغریٰ پر ہمارا تمہارا مقابلہ پھر ہوگا، جب یہ وقت آیا تو حضورؐ نے مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کے لئے فرمایا تو کچھ حضرات نے ہمت ہار دی اور جہاد میں جانے کے لئے لبیک نہیں کہا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ جہاد کیلئے آپ تن تنہا تیار ہو جائیں کوئی دوسرا آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو یا نہ ہو، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ دوسرے لوگوں کو جہاد کے لئے ترغیب دلاتے رہیں، ان کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا کہ انہوں نے جہاد میں شرکت کیوں نہیں کی، اور تمہارا رب تمہاری پوری پوری نصرت و مدد فرمائیگا، اس طور پر کہ کافروں کو جنگ سے روک دیگا، اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ زورِ جنگ میں کافروں سے زیادہ ہے، اور جب اللہ کی طاقت و قوتِ جنگ ان سے بہت زیادہ ہے تو پھر یقینی طور پر جیت بھی آپ ہی کی ہوگی۔

بہر حال حضورؐ اپنے رب کا حکم پاتے ہی ستر صحابہ کرامؓ کے ساتھ جہاد کے لئے مقررہ جگہ پر پہونچ جاتے ہیں، اور ادھر ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں خدا نے ایسا رعب اور خوف ڈال دیا کہ وہ مقابلہ کے لئے نہ آئے، اس طرح اللہ پاک نے اپنے فرمانے کے مطابق کافروں کو جنگ سے روک دیا۔

اخیر آیت میں فرمایا کہ تمہارا رب سخت سزا دینے والا ہے، یعنی ان کافروں کو ایمان قبول نہ کرنے اور مذہب اسلام کی مخالفت کرنے کی وجہ سے سخت قسم کی سزا دی جائے گی۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ

جو شخص اچھی سفارش کرے — اس کو اس کی وجہ سے — حصہ ملے گا — اور جو شخص

يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ

بری سفارش کرے — اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا — اور اللہ تعالیٰ — ہر

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾

چیز پر قدرت رکھنے — والے ہیں

اچھی سفارش باعث ثواب ہے اس آیت پاک میں سفارش کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جو اچھی سفارش کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو غلط سفارش کرے گا وہ گناہگار ہوگا، اچھی سفارش وہ ہے جس سے کسی مسلمان کے حق کی حفاظت و رعایت ہو،

اور اس کے جائز مقصد کو پورا کرنا ہو، یا اس کو کسی نقصان دہ کام سے بچانا ہو، اور یہ سفارش دنیوی غرض کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ کیلئے ہو، اگر اس پر کوئی دنیوی معاوضہ لیا جائے مثلاً کچھ روپئے لے لئے یا اس سے کچھ کام کرائے تو یہ کھلی رشوت ہے:۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے دعا کرنا بھی نیک سفارش میں داخل ہے، چنانچہ حضرت ابو درداؓ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے مسلمان بھائی کے لئے دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں خدا یا ایسا ہی کر دے، اور اس دعا مانگنے والے کیلئے بھی ایسا ہی ہوگا یعنی جو چیز یہ طلب کر رہا ہے دونوں کو عطا فرما؛ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپس میں صلح کرانا بھی نیک سفارش میں داخل ہے:۔

غلط سفارش باعث عذاب ہے

ارشاد خداوندی ہے کہ غلط سفارش کرنے والا گنہگار ہے اور غلط سفارش یہ ہے کہ جس سے کسی کا حق مارا جائے کسی کا جانی یا مالی نقصان ہو، اس طرح کی سفارش کرنیوالا گنہگار ہے، تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ سفارش کرنیوالے کو بہر صورت ثواب ملے گا اگر سفارش نیک ہے چاہے وہ سفارش قبول کی جائے یا نہ کی جائے۔ اسی طرح اگر سفارش غلط ہے تو پھر بہر صورت گناہ ملے گا، آیت کے اخیر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اگر کوئی نیک نیتی سے سفارش کرے گا تو اس کو جنت میں نعمتیں عطا کریں گے اور اگر کوئی ناجائز اور غلط سفارش کریگا تو اس کو عذاب و سزا دیں گے:۔

آج کے اس پر آشوب اور نازک دور میں جب کہ ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے کسی آدمی کا اگر

تنبیہ! ہماری سفارش سے کام بنتا ہے تو اس پر پوری کوشش کرتے ہیں بغیر یہ دیکھے کہ ہماری یہ کوشش جائز کام کے لئے ہے یا ناجائز کام کیلئے، اور اس طرح اپنی دنیوی غرض کیلئے بھی ہم اندھے ہوکر سفارش کر ڈالتے ہیں چاہے اس سفارش سے بہت سے مستحق لوگ محروم ہو جائیں، بہر حال ہمیں ان آیات سے عبرت و سبق حاصل کرنا چاہئے اور عذاب خداوندی سے ڈر کرنا جائز اور غلط سفارشات سے قطعی طور پر بچنا چاہیئے:۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ

اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر) اسلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہدو بلا شبہ اللہ

كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

تعالیٰ ہر چیز پر حساب لیں گے اللہ ایسے ہیں کہ انکے سوا کوئی معبود ہونیکے قابل نہیں وہ ضرور تم سب کو

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

جمع کرینگے قیامت کے دن میں اسمیں کوئی شبہ نہیں اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی

تفسیر اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ جب کوئی تم کو سلام کرے تو تم اس جیسا جواب دیدو یعنی اگر کسی نے تم کو السلام علیکم کہا تو تم اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو، یا پھر اس سے بہتر جواب دو یعنی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہو۔

سلام درحقیقت دعا ہے مذہب اسلام نے جہاں بے شمار زندگی کے آداب اور آپسی ملاقات کے طور طریق تعلیم فرمائے ہیں، وہیں ایک چیز یہ بھی تعلیم فرمائی کہ جب تم ایک دوسرے سے ملاقات کرو تو سلام کرو، سلام درحقیقت ایک اہم دعاء ہے جو ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو دیتا ہے یعنی تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو، اگر اس پر غور کیا جائے تو یہ بہت ہی جامع دعاء ہے کیوں کہ جس پر اللہ کی سلامتی ہو جائے اب اسے کس چیز کی کمی، اور کس چیز کا خوف وغم، وہ ہر طرح سے بامراد و محفوظ ہو جاتا ہے اور اس پر مزید اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثواب کا وعدہ، ترمذی شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک صحابیؓ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، السلام علیکم، آپؐ نے فرمایا اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملا، دوسرے صحابیؓ نے حاضر ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو آپ نے فرمایا اس کو بیس نیکیوں کا ثواب ملا، اور پھر تیسرے صحابیؓ حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضورؐ نے فرمایا اس نے تیس نیکیوں کا ثواب حاصل کیا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر میں بعض علماء کا قول نقل فرماتے ہیں کہ کامل سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ہے، اس سے آگے کوئی اضافہ نہیں ہونا چاہیئے[1]۔ اخیر آیت میں فرمایا اللہ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں اسلام اور اس کا جواب جو انسانی حقوق میں داخل ہے اگر کوئی اس میں کوتاہی سے کام لے گا تو اللہ پاک اس کا بھی حساب لیں گے۔

"اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ" اس آیت میں اپنے معبود ہونے کا بیان کیا ہے کہ عبادت و بندگی کے لائق صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہے اس کے علاوہ کسی کی بندگی مت کرنا یاد رکھو قیامت کے دن وہ سب کو جمع فرمائیں گے اور پھر ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بالکل سچ ہے بھلا اللہ

---

[1] سلام سے متعلق فضائل و مسائل اور مکمل تحقیق جاننے کے لئے ہماری کتاب تقریر ایسے کیجئے حصہ اول کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ از محمد یعقوب قاسمی غفرلہٗ۔

سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے، اللہ کے فرمان میں شک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی میں ڈالنا ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقوں کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انکو الٹا پھیر دیا انکے (بداعمال کے سبب. کیا تم

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جنکو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے. اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ

اس کیلئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بنجاؤ جس میں تم اور وہ سب ایک

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

طرح کے ہو جاؤ. سو ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں،

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا

اور اگر وہ اعراض کریں تو انکو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ اور نہ

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ

ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ

کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا خود تمہارے پاس اس حالت میں آویں کہ ان کا دل تمہارے ساتھ اور نیز اپنی قوم کے

يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

ساتھ لڑنے سے منقبض ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ

لگتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ

تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی بعضے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ چاہتے ہیں

يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا

کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بےخطر ہو کر رہیں جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہو تو وہ اس میں جا

فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ

گرتے ہیں. سو یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو تم ان کو پکڑو

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے

تفسیر

بخاری و مسلم شریف کی روایت حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول ہے کہ جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی واپس لوٹ گئے، ان کے متعلق کچھ مسلمان کہتے تھے کہ ہمیں ان سے جنگ کرنی چاہیئے، اور کچھ کہتے تھے جنگ نہیں کرنی چاہیئے اس پر اللہ نے آیت "فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ الآیہ" نازل فرمائی اور دوسرا شان نزول اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہجرت کر کے آئے ہیں اور پھر اسلام سے پھر گئے اور تجارت کا سامان لانے کے بہانے حضورؐ سے اجازت لے کر مکہ واپس آگئے، ان کے متعلق مسلمانوں کے دو فرقے ہو گئے، ایک کہتا تھا وہ مسلمان ہیں دوسرا کہتا تھا وہ مشرک ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ اے مسلمانو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو، اس بارے میں اپنے خدا کا فیصلہ سنو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو انکے اعمال بد کی وجہ سے کفر کی طرف لوٹا دیا ہے بس ظاہر ہے کہ اب ان کو مسلمان کہنا سراسر غلط ہے، بس کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے تم اس کو ہدایت پر لے آؤ یاد رکھو جس کو خدائے تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی بھی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔

یہ لوگ خود تو کفر سے توبہ کر کے اسلام پر کیا آئیں گے، یہ تو دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی کافر ہو جائیں بس ایسے خبیث لوگوں کو تم اپنا ہم خیال مت سمجھو، ان کو اپنا دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں اس موقع پر ہجرت کی شرط اسلئے لگائی گئی ہے کہ اسوقت ہجرت کرنا فرض تھا بس اگر وہ اسلام سے اور ہجرت کرنے سے روگردانی کریں تو ان کو جہاں کہیں بھی تم پاؤ پکڑو اور قتل کر ڈالو، اور ان کو تم اپنا حمایتی و مددگار اور دوست ہرگز مت بنانا۔

اور ہاں اگر ان مشرکین و منافقین میں کچھ لوگ ایسے ہوں جن کا تم سے معاہدۂ صلح ہو جائے اب اس کی دو صورتیں ہیں، چاہے خود انہیں لوگوں سے صلح ہو جائے اور یا یہ لوگ ان لوگوں سے جا ملیں جن سے تمہاری صلح

کا عہد ہو چکا ہے، اس صورت میں بھی ان سے صلح سمجھی جائیگی، یا پھر یہ لوگ اس حالت کو پہنچ جائیں کہ نہ تمہارے ساتھ لڑنا پسند کریں اور نہ ہی اپنی قوم کے ساتھ، بس ان تمام صورتوں میں وہ پہلا حکم منسوخ ہے کہ ان کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو حاصل یہ کہ ان حضرات سے چونکہ صلح ہو چکی ہے لہذا ان کو اب نہ قید کیا جائیگا اور نہ ہی ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کیا جائیگا۔

اے مسلمانو تم پر یہ خدائے تعالیٰ کا احسان ہے کہ تمہارا رُعب ان کے دلوں پر مسلّط کر دیا اور وہ تم سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئے ورنہ اگر خدا چاہتے تو ان کو بھی تم پر مسلّط اور غالب کر سکتے تھے بس خدا کا احسان مانو اور اس کی بندگی میں لگے رہو۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ اے مسلمانو! تم کو ایک جماعت ایسی بھی ملے گی جو تم سے اور اپنی قوم سے بے خطر ہو کر علیحدہ رہتے ہیں نہ تم سے الجھتے ہیں نہ ان سے۔ مگر یہ سب ان کا دکھلاوا ہے، جب کبھی تم میں اور کافروں میں لڑائی ہوتی ہے تو یہ فوراً ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں جب یہ تم سے آمادۂ جنگ ہو جائیں تو تم بھی ان کے قتل سے مت رُکو بلکہ جیسا بھی تم کو موقع ملے اور جہاں کہیں بھی یہ تم کو ملیں ان کو قتل کر ڈالو ان کے ساتھ رعایت کا معاملہ مت کرو، ایسے دھوکہ بازوں کے متعلق خدا نے صاف اجازت دے دی ہے کہ ان سے کھل کر اور جم کر جنگ کرو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ

اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداءً) قتل کرے لیکن غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ

تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خونبہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ

مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ

معاف کر دیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہاری مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ

مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ

ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اسکے خاندان والوں کو حوالہ کر دیا جائے اور ایک غلام یا

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً

لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق توبہ کے جو اللہ

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا

کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں   اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ

تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہنا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے

عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾

اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیں گے   اور اس کے لئے بڑی سزا کا سامان کریں گے

قتل اور اس کی سزا

پچھلی آیتوں سے قتل کا ذکر چلا آرہا ہے، اس آیت میں بھی تین خاص قسم کے قتل اور ان کی سزا کا ذکر ہے، ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کو یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے، اگر غلطی سے قتل ہو جائے مثلاً وہ تیر چلا رہا تھا کسی جانور پر اور لگ جاتا ہے کسی مسلمان کے تو اب اس پر لازم ہے کہ ایک مسلمان غلام یا باندی آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے جس کی تشریح فقہاء نے یہ کی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر سونے کے سکے ہیں تو ایک ہزار اشرفیاں دے اور اگر سکے چاندی کے ہیں تو دس ہزار روپے دیئے جائیں، اور اگر مقتول کا وارث خون بہا نہ لیں یعنی معاف کر دیں چاہے تمام وارث یا بعض تو یہ معاف ہو جائیگا۔ پھر دینے کی ضرورت نہیں
اور۲ اگر ایسے شخص کو قتل کر دیا جو خود تو مسلمان ہو لیکن اسلام دشمن قوم میں سے ہو، مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ایمان قبول کر کے دار الحرب ہی میں رہ گیا، ہجرت کر کے دار الاسلام میں نہیں آیا، اب اگر اس مسلمان کو کوئی غلطی سے قتل کر دے تو اس پر مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا واجب ہے البتہ خون بہا واجب نہیں۔

اور۳ اگر مقتول اس قوم میں سے ہے جس کا تم سے معاہدۂ صلح ہے تو اس صورت میں ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرنا واجب ہے اور خون بہا۔ دینا بھی واجب ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ جس کسی کو غلام یا باندی آزاد کرنے کو نہ ملے، چاہے تو اپنے پاس مال نہ ہو کہ خرید کر آزاد کر سکے یا پورے ملک میں ملتا ہی نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے اور خدا سے برابر اپنی غلطی کی توبہ استغفار کرتا رہے۔

اور اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ارادہ سے قتل کر دے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں پڑا رہیگا۔ یہ سزا اس قاتل کی ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے چونکہ کسی مسلمان کے قتل کو حلال سمجھنے والا کافر ہے، اس لئے اس کی سزا ہمیشہ جہنم ہے البتہ اگر کوئی مسلمان کے قتل کو حرام

سمجھتا ہوا قتل کر دیتا ہے تو وہ اپنے اس سنگین گناہ کی سزا پاکر ہمیشہ جہنم سے نکالدیا جائے گا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کرکے کیا کرو اور ایسے شخص کو

تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ

جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہدیا کرو کہ تو مسلمان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ

نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے

قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتے ہیں

شانِ نزول ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص اپنی بکریاں چرارہا تھا مجاہدین صحابہؓ کا ایک لشکر اس کے پاس سے گذرا تو اس نے سلام کیا، مگر حضرات صحابہ نے سمجھا کہ یہ اپنی جان و مال بچانے کیلئے ہمیں سلام کر رہا ہے حقیقت میں یہ مسلمان نہیں ہے بہر حال اسے قتل کرکے بکریاں اپنے قبضے میں کرلی، اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی جسمیں ارشاد ہے کہ اے مسلمانوں جب تم راہ خدا میں جہاد کیلئے سفر کیا کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور ایسے شخص کو جو تم کو سلام کرے یا کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو تم اس کو غیر مسلم سمجھ کر قتل مت کرو تم نے مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا، تم کو مال غنیمت کی فکر نہ کرنی چاہیئے وہ تو جتنا تمہارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے ضرور ملے گا اس تنبیہ کے بعد اللہ پاک نے دوسری آیت میں یہ بھی فرمادیا کہ تم لوگ اپنا وہ وقت بھی یاد کرو جب تم مکہ میں تھے اور اپنے ایمان کو کھلم کھلا ظاہر نہیں کرسکتے تھے، اور جب تم اسلام میں داخل ہوئے تو صرف کلمہ پڑھنے سے تمہارے جان و مال کی حفاظت ہوگئی تھی اور کوئی تحقیق نہیں کی گئی تھی کہ دل سے بھی تم مسلمان ہوئے ہو کہ نہیں، حاصل یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا۔ لہٰذا اس پر تنبیہ فرماکر یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جو اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو اس کا اعتبار کرو اور اس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچاؤ۔ اللہ پاک تمہارے تمام کاموں سے بخوبی واقف ہے بس وہ نیتوں کے مطابق سزا و جزا دے گا۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ

برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ

اور جانوں سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت بڑا بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں

وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ

سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے

اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً

مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور

وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾

مغفرت اور رحمت اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں

تفسیر اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ جہاد میں شرکت کرنے والے اور شرکت نہ کرنے والے برابر نہیں، یعنی شریک ہونے والوں کو اللہ پاک کی طرف سے بہت بڑا ثواب عطا فرمایا جائیگا اور شریک نہ ہونے والے اس سے محروم رہیں گے، حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی یہ سن کر بول پڑے "حضورؐ میں تو اندھا ہوں جہاد میں کس طرح شرکت کر سکتا ہوں اس پر اس آیت کا اگلا ٹکڑا "غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ" نازل ہوا جسمیں یہ فرما دیا گیا جو بغیر کسی عذر و مجبوری کے جہاد سے رکیں رہیں، یہ کلام ان کے بارے میں ہے۔ البتہ جو مجبور لوگ یہ نیت رکھیں کہ اگر ہم جہاد میں شرکت کرنے کے قابل ہوتے تو ضرور کرتے تو وہ مجاہدین کے ثواب میں برابر کے شریک ہیں"

"وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ" اس آیت میں ان لوگوں کو بھی اطمینان دلا دیا ہے جو جہاد کے علاوہ دوسری دینی ضرورتوں میں مشغول ہیں کہ تم سے بھی اللہ پاک نے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کچھ مسلمان دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے کو کافی ہو جائیں اور اگر وہ دشمنوں کے مقابلہ کے لئے کم ہوں تو پھر دوسرے لوگوں کو بھی اپنے کام چھوڑ کر جہاد میں شریک ہونا ضروری ہے"

بہرحال مجاہدین سے خاص فضیلت اور مغفرت و رحمت کا وعدہ ہے:"

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ

بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ

میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے وہ کہتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ

نہ تھی تم کو ترک وطن کر کے اسمیں چلا جانا چاہئے تھا۔ سو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جانے کیلئے وہ

مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

بری جگہ ہے لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ

تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ راستہ سے واقف ہیں سو ان کیلئے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ

معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنیوالے اور بڑے مغفرت کرنیوالے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت

اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ

کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا

مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ

ہو کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آپکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنیوالے اور بڑے رحمت والے ہیں

۱۴ ع ۴ ۱۱

تفسیر

علامہ سیوطیؒ نے اپنی تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ یہ آیتیں ان حضرات کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو ایمان قبول کر چکے تھے مگر ہجرت نہیں کی تھی اور کافروں کے ساتھ جنگ بدر کے موقع پر مارے گئے اس وقت ہجرت کرنا فرض تھا ان کے بارے میں ان آیات میں ارشاد ہے کہ فرشتے جب ایسے لوگوں کی جان نکالتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو ان کو ڈانٹتے ہوئے معلوم کرتے ہیں کہ دین

کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے وہ جواب دیں گے کہ ہم تو یہاں مجبور تھے اس لئے دین کے بہت سے ضروری کام انجام نہ دے سکے، فرشتے کہیں گے کیا اللہ پاک کی زمین وسیع نہیں کہ اگر یہاں کے لوگ تم کو دین اسلام پر عمل نہیں کرنے دے رہے تھے تو دوسری جگہ یعنی مدینہ شریف ہجرت کر کے چلے جاتے اور وہاں اطمینان سے دین کے تمام ارکان ادا کرتے بس ایسے لوگوں کا جو ہجرت کر سکتے تھے مگر نہیں کی ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو کہ بہت بری جگہ ہے:-

اس کے بعد ان لوگوں کے متعلق بیان فرمایا جو کسی سخت مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر پائے کہ ان کے ہاتھ اس طرح کا کوئی حیلہ اور تدبیر نہیں لگی کہ وہ دشمنوں سے چھٹکارہ پاکر اپنے وطن کو خیرآباد کہدیتے یا کسی دوسرے شہر کی جہاں مسلمان آباد ہوں ان کو راہ نہیں ملی پتہ نہیں چلا کہ اس طرف کوچ کرتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق امید قوی ہے کہ اللہ پاک ان سے کوئی مواخذہ نہیں فرمائیں گے ان کو معاف کر دیں گے اور اللہ پاک تو بڑے رحم کرنیوالے اور بخشش کرنیوالے ہیں:-

ہجرت کی برکت "وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اس آیت میں ارشاد ہے جو صحیح نیت سے ہجرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا میں راہیں کھولدیتے ہیں اور دنیا و آخرت میں بہترین ٹھکانا دیتے ہیں، بہترین ٹھکانے کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے رزق حلال فرمائی ہے، اور حضرت حسن بصریؒ نے عمدہ مکان فرمائی ہے اور دوسرے بعض مفسرین نے مخالفوں پر غلبہ ہو جانا اور عزت کا ملنا فرمائی ہے، حاصل یہ کہ ہجرت کرنے والے کو یہ تمام ہی چیزیں نصیب ہوتی ہیں، رزق حلال بھی، اچھا مکان بھی، دشمنوں پر غلبہ بھی، اور عزت بھی:-

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندبؓ اپنے گھر سے ہجرت کے ارادہ سے نکلے اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے سواری پر بیٹھا کر اس شرکستان سے نکال کر حضور اقدس تک پہونچا دو۔ لوگ ان کو لے کر چلے کچھ دور جا پائے تھے کہ انتقال ہو جاتا ہے اس پر اللہ نے یہ آیت "وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ" الآیۃ نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ و رسولؐ کی طرف ہجرت کی نیت سے نکلے (یعنی جس جگہ ہجرت کرنے کو اللہ و رسولؐ نے حکم دیا ہے) اور راستہ ہی میں اس کو موت آجائے تو اللہ کے ذمہ اس کا ثواب واجب ہو گیا یعنی اس کو ہجرت کا ثواب ضرور ملے گا، بلاشبہ اللہ پاک بڑے غفور رحیم ہیں:-

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا (بلکہ ضروری ہے) کہ تم نماز کو کم کر دو اگر تم کو یہ

الصلوة ۖ إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا ۚ إن الكافرين كانوا

اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح

لكم عدوا مبينا (۱۰۱) وإذا كنت فيهم فأقمت لهم الصلوة

دشمن ہیں اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہیے کہ ان

فلتقم طائفة منهم معك وليأخذوا أسلحتهم فإذا سجدوا

میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاویں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ

فليكونوا من ورائكم ولتأت طائفة أخرى لم يصلوا

کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی وہ آجاوے اور آپ کے ساتھ

فليصلوا معك وليأخذوا حذرهم وأسلحتهم ۚ ود الذين

نماز پڑھ لے اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں کافر لوگ یوں چاہتے ہیں

كفروا لو تغفلون عن أسلحتكم وأمتعتكم فيميلون عليكم

کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایکبارگی حملہ کر بیٹھیں

ميلة واحدة ۚ ولا جناح عليكم إن كان بكم أذى من

اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم کو

مطر أو كنتم مرضى أن تضعوا أسلحتكم ۖ وخذوا حذركم ۗ

اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو اور اپنا بچاؤ لے لو

إن الله أعد للكافرين عذابا مهينا (۱۰۲) فإذا قضيتم الصلوة

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے سزا اہانت آمیز مہیا کر رکھی ہے پھر جب تم اس نماز (خوف) کو ادا کر چکو تو اللہ

فاذكروا الله قياما وقعودا وعلى جنوبكم ۚ فإذا اطمأننتم

تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو

فأقيموا الصلوة ۚ إن الصلوة كانت على المؤمنين كتابا

نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ

مُّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا

محدود ہے اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں اگر تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی تو الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم

تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾

رسیدہ ہوا اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں،

مسافر کی نماز کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قبیلہ نجار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ زیادہ تر سفر میں رہتے ہیں نمازیں کس طور پر پڑھیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جسمیں بیان ہے کہ سفر کی حالت میں نماز آدھی پڑھا کرو اس آیت میں مختصر طور پر یہی بیان ہے لیکن احادیث پاک میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے جس کا خلاصہ یہاں پر لکھا جاتا ہے، یہاں سفر سے شرعی سفر مراد ہے جو کم از کم اڑتالیس میل کا ہونا چاہیئے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ جہاں کا سفر کیا جا رہا ہے وہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو، اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہے تب پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔

مسئلہ! ظہر، عصر، عشاء میں چار کے بجائے دو رکعت پڑھی جائیں گی، اور فجر، مغرب، وتر اور سنتیں پوری پوری پڑھنا پڑیں گی۔

تنبیہ! کچھ لوگ سفر میں بھی پوری نماز پڑھنا افضل سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے بلکہ سخت گناہ ہے کیونکہ اس وقت شریعت کا حکم یہی ہے کہ چار رکعت کی جگہ دو پڑھو اب اگر چار ہی پڑھی جائیں گی تو وہ شریعت کے حکم کے خلاف کرنا ہوگا، جس کی وجہ سے آدمی گنہگار ہوگا۔

مسئلہ:- اپنی بستی کی آبادی سے نکلتے ہی مسافر کا حکم شروع ہو جاتا ہے

مسئلہ:- اگر چار رکعت والی نماز امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہے تو چار ہی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی،

مسئلہ:- اگر ایک شخص کی کچھ نمازیں اس کی بستی میں قضاء ہو گئی تھیں ان کی قضاء وہ سفر میں کر رہا ہے تو اس کو پوری نماز ہی کی قضاء کرنی پڑیں گی، اور اگر سفر میں قضا ہوئی نمازوں کو اپنی بستی میں آکر پڑھتا ہے تو چار رکعت والی دو ہی ادا کرنی پڑیں گی (قدوری)

شان نزول

"وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الْاٰيَۃ" کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت غزوہ (جنگ) میں مصروف تھی بیچ میں ظہر کا وقت آگیا تو تمام صحابہؓ نے مل کر نماز ادا کی مشرکین نے اس طرح اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ کر یہ پروگرام بنایا کہ جب یہ عصر کی نماز ادا کریں گے تو ان پر ایک دم حملہ کر دیا جائیگا اس سے اچھا موقع ہمارے ہاتھ اور کوئی نہیں آئیگا، اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں پر احسان فرمایا۔

نمازِ خوف کا بیان

فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں جب تم کو ان کے حملے کا اندیشہ ہو اور حضور تم میں موجود ہوں تو اس وقت تم اپنے لشکر کے دو حصّے کر لو ایک دستہ مورچہ سنبھال لے اور ایک حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھے اور ایک رکعت پوری کر کے جا کر مورچہ سنبھال لے اور دوسرا دستہ حضورؐ کے پیچھے آکر ایک رکعت ادا کرے، قرآن کریم نے صرف اتنا ہی بیان کیا ہے کہ حضورؐ کے پیچھے دونوں دستے ایک ایک رکعت پڑھیں، دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضور علیہ السّلام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں دستوں نے اپنی ایک ایک رکعت از خود پڑھی۔

دوسری بات ان آیات میں یہ بیان کی گئی کہ کافر لوگ چاہتے ہیں کہ تم نہتے ہو جاؤ اور وہ تم پر حملہ آور ہو جائیں، اسلئے ایسے نازک وقت میں تم اپنی نماز میں بھی ایک آدھ ہتھیار اپنے ہمراہ رکھو اگر کبھی دشمن تم پر حملہ آور ہو جائیں تو نماز توڑ کر ان سے مقابلہ کرو۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ جنگ میں نماز پڑھنے میں تو بعض دفعہ رکاوٹ و پریشانی ہو سکتی ہے اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے وقت بھی دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہے اور بعد میں نماز کی قضاء کر لے، البتہ ذکر اللہ سے غافل نہ ہونا چاہیئے ہر وقت اپنے دل اور زبان کو ذکر خدا میں مشغول رکھے جس سے یقیناً دینی و دنیوی کامیابی ملے گی۔

اخیر رکوع میں مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کیلئے فرمایا کہ دشمنوں کا مقابلہ کرنے سے ہمّت مت ہارو، اگر جنگ میں تم کو کچھ تکلیفیں پہونچتی ہیں تو دشمنوں کو بھی تو پہونچتی ہیں، اور جنگ کے ذریعہ تم کو امید ہے کہ رحمت خداوندی ملے گی اور کافر اس سے محروم ہیں۔ وہ چاہے جنگ میں فتح حاصل کریں یا شکست ان کو خدا کی طرف سے کچھ ملنے والا نہیں، حاصل یہ کہ مسلمان اگر شکست بھی کھائیگا تب بھی اس کی کامیابی ہے کہ اللہ پاک اس کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیگا، بلاشبہ اللہ پاک بڑے علم و حکمت والے ہیں۔

ان آیات میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ جب خوف جاتا رہے تو پھر نماز کو اس کے اصل طریقہ پر وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہو۔

نمازِ خوف سے متعلق چند مسائل

مسئلہ:۔ پیچھے جو نماز خوف کا طریقہ بیان ہوا ہے یہ اس صورت میں ہے جب کہ امام بھی مسافر ہو اور اگر امام مقیم ہو تو دونوں دستے امام کے پیچھے دو دو رکعت پڑھیں گے۔

مسئلہ:۔ مغرب کی نماز میں لشکر کا پہلا گروہ امام کے پیچھے دو رکعت پڑھے گا اور دوسرا گروہ ایک رکعت پڑھے باقی ماندہ نماز دونوں گروہ اپنی اپنی الگ سے پڑھیں گے۔

مسئلہ اگر خوف زیادہ ہو اور لڑائی بند نہیں ہو پارہی ہے تو سواری ہی پر نماز ادا کرینی چاہیئے

اس میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں، اور رکوع وسجود بھی اشارہ سے ادا کرلے۔
مسئلہ: جس طرح آدمی سے خوف کے وقت نماز خوف پڑھنا جائز ہے اسی طرح اگر شیر، اژدھا، وغیرہ کا خوف ہو اور وقت تنگ ہو تو اس وقت بھی پڑھنا جائز ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن
بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے اور
لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ
آپ ان خائنوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے اور آپ استغفار فرمائیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت والے ہیں، اور آپ ان لوگوں کی طرف
عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾
سے کوئی جوابدہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہ کرنے والا ہو
يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ
جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے پاس ہی ہے جبکہ وہ خلاف مرضی
مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ
الٰہی گفتگو کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں، ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں
جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
تو ان کی طرف سے جوابدہی کی باتیں کرلیں۔ سو خدا تعالیٰ کے روبرو قیامت کے روز ان کی طرف سے کون جوابدہی کرے گا یا
أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ
وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا ہوگا اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے
يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ
تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا اور جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر
عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ
پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں، اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ

بُرَيْئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ

پر لگائے سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا۔ اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتا ان لوگوں میں کا ایک گروہ نے تو آپ کو

مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ

غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جان کو اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾

آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے

حضورؐ کے زمانہ کے ایک چور کا قصہ

یہ آیات ایک قصہ پیش آنے پر نازل ہوئیں، قصہ یہ ہے کہ قبیلہ بنو اُبیرق میں ایک شخص بشیر نام کا تھا جو بظاہر مسلمان تھا مگر درپردہ بڑا اعراب اور خبیث قسم کا منافق تھا اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں چوری کی اور ایک بوری جس میں آٹا اور کچھ اسلحہ تھے چرا لے گیا حضرت رفاعہ صبح کو اپنے بھتیجے حضرت قتادہؓ کے پاس آئے اور رات کی چوری کا واقعہ سنایا، کچھ لوگوں نے یہ بات سامنے رکھی کہ محلہ کے گھروں کی تلاشی لی جائے، ایک شخص بولا کہ رات بشیر کے گھر آگ روشن تھی ہمارا خیال ہے وہی کھانا وہاں پکایا گیا ہے، بشیر کو جب اپنی چوری کا راز فاش ہونے کی خبر ملی تو اس نے چوری ایک یہودی کے نام لگادی اور وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر بڑی چالاکی سے پہلے ہی کر چکا تھا کہ حضرت رفاعہ کے مکان سے ایک یہودی کے مکان تک آٹا گراتا گیا جس سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ واقعتاً چوری یہودی ہی نے کی ہے اور جب چوری کی زیادہ شہرت ہونے لگی تو اسلحہ بھی یہودی کے یہاں رکھ دیا جو تحقیق ہونے پر یہودی کے مکان سے برآمد ہوا یہودی کو پکڑا گیا تو اس نے قسم کھاکر کہا کہ یہ اسلحہ مجھے بشیر نے دیئے ہیں بہرحال تمام حالات کے پیش نظر حضرت رفاعہ کو یہ غالب گمان ہوگیا کہ چوری قبیلہ بنو ابیرق کے بشیر ہی نے کی ہے اس کا پورا قصہ حضرت رفاعہ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ بنو ابیرق کو خبر ملی تو وہ فوراً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت رفاعہ اور ان کے بھتیجے حضرت قتادہ کی شکایت کی کہ وہ بلا ثبوت شرعی چوری ہمارے نام لگا رہے ہیں حالانکہ چوری کا مال یہودی کے گھر سے نکلا ہے آپ ان کو روکئے کہ چوری کا الزام ہم پر نہ لگائیں یہودی پر دعویٰ کریں، ان کی باتیں سنکر اور ظاہری حالت کو دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان بھی اس طرف ہونے لگا کہ یہ کام یہودی کا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کا ارادہ ہوگیا تھا کہ چوری کی سزا یہودی پر جاری کرکے اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

اور حضرت قتادہؓ سے حضورؐ نے فرمایا کہ آپ لوگ بغیر ثبوت کے ایک مسلمان گھرانے پر چوری کا الزام لگا رہے ہو۔ یہ سن کر حضرت قتادہؓ کو بہت دُکھ پہونچا اور سوچا کہ ہم یہ معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش ہی نہ کرتے، جس پر حضورؐ کو یہ فرمانا پڑا۔ بہرحال حضرت رفاعہؓ اور حضرت قتادہؓ صبر کر کے بیٹھ گئے، اس واقعہ کو ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ اوپر کی یہ آیتیں نازل فرما کر اللہ پاک نے اصل واقعہ کی حقیقت حضورؐ پر واضح فرما دی کہ چوری کرنے والا بنو ابیرق کا بشیر ہے اور یہودی اس سے بالکل بری ہے، قرآن کے اس فیصلہ پر مجبور ہو کر انہوں نے چوری کا مال حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا حضورؐ نے حضرت رفاعہؓ کو واپس کرا دیا، انہوں نے سب اسلحہ جہاد کیلئے وقف کر دیئے۔

جب بشیر بن ابیرق کی چوری کھل گئی تو وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا گیا اور مشرکین کے ساتھ مل گیا مگر یہاں آ کر بھی اس کو چین نہیں ملا، جس عورت کے مکان پر جا کر یہ ٹھہرا تھا جب اس کو اس کے حالات کا پتہ چلا تو اس کو اپنے گھر سے نکال دیا، اور پھر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا اپنی پرانی عادت کے مطابق ایک دن یہ ایک شخص کے گھر میں نقب لگا کر چوری کرنا چاہ رہا تھا کہ دیوار اس پر گری اور دب کر مر گیا۔

تفسیر ان آیات میں حضورؐ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہے کہ اللہ پاک نے جو آیات قرآنی اور وحی بھیجی ہے آپ اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں، اور خائنوں کی یعنی بشیر کی طرف داری نہ کریں اگرچہ ظاہری حالات اور قرائن کی بناء پر چوری کے معاملہ میں یہودی کی طرف آپؐ کا رجحان کوئی گناہ نہ تھا۔ مگر چونکہ واقعہ کے خلاف تھا اسلئے آپ کو تاکید کے ساتھ استغفار کا حکم دیا گیا کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہے ان کی اتنی سی بات بھی پسند نہیں۔

خیانت اور چوری کرنے والوں کے متعلق ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ کتنے بے وقوف ہیں کہ لوگوں سے تو شرماتے اور چوری چھپاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے جو ہر چیز سے باخبر ہے اس سے نہیں شرماتے۔

پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ خود کوئی جرم کریں اور اس کا الزام کسی دوسرے پر لگائیں تو وہ سخت گنہگار ہیں اسکے بعد ارشاد ہے کہ جو بھی گنہگار سچے دل سے اللہ سے توبہ و استغفار کرے گا اللہ اس کی توبہ ضرور قبول کرے گا، اور اگر کوئی اپنی غلطی پر جمارہے گناہ پر گناہ کرتا رہے تو وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا اپنا ہی نقصان کرتا ہے کہ آخرت میں دردناک سزا بھگتنی پڑے گی۔

آخری آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ کا فضل آپؐ کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ لوگ یعنی بنو ابیرق کے لوگ آپؐ کو غلطی میں مبتلا کر دیتے۔ مگر چونکہ اللہ کا فضل آپ کے ساتھ ہے اس لئے وہ ہرگز آپؐ کو غلطی میں نہیں ڈال سکتے بلکہ خود ہی گمراہی میں مبتلا

ہوتے ہیں، اور یہ لوگ آپ کو کسی قسم کا ذرہ برابر بھی کوئی نقصان نہیں پہونچا سکیں گے

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ

عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات یا اور کسی

مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ

ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾

کی رضا جوئی کے واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَ

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا

يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ

رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیگا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے اور اس کو جہنم میں داخل

وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

کرینگے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی

ع ۱۷ / ۱۴

تفسیر ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ لوگوں کی مجلسیں اور ایسی مشورے جو محض دنیوی منافع حاصل کرنے کیلئے ہوتے ہیں آخرت کی فکر اور ایک دوسرے کی اصلاح کا مقصد بالکل نہیں ہوتا جیسا کہ آج کل ہماری اکثر مجلسیں ایسی ہی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی مجلسوں میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں، بلکہ خیر اور بھلائی ان مجلسوں میں ہے جس میں صدقہ و خیرات دینے، نیک کاموں کے کرنے کا اور لوگوں میں صلح کرانے کی ترغیب دی جائے، پھر فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کام ہماری خوشنودی کے لیئے کرے گا ہم اس کو بہت بڑا ثواب عطا کریں گے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریگا باوجودیکہ اس کو قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ رسول خدا کا حکم ہے اور جو شخص مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسروں کے راستہ پر چلے گا یعنی ان اعتقاد اور عمل کے خلاف چلے گا جس پر اہل ایمان کا اجماع ہے جیسا کہ پچھلی آیات میں بشیر کے قصہ سے معلوم ہوا کہ یہ بدبخت مرتد ہو گیا حالانکہ اسلام کا حق ہونا اور چوری

کے واقعہ میں حضورؐ کا فیصلہ۔ خود اس کی نظر میں حق تھا پھر بھی اُسے بدبختی نے گھیرا اور اس نے مخالفتِ رسولؐ کر کے تباہی خریدی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ایسے شخص کو دنیا میں جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور آخرت میں اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کیلئے

لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

منظور ہوگا وہ گناہ بخشدینگے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا

یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو کہ حکم سے باہر ہے جس کو

مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ

خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے یوں کہا تھا کہ میں ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ

نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ

اطاعت کا لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا اور میں ان کو ہوسیں دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم

فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ

دوں گا جس سے وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے، اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا

وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا

کرینگے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بناوے گا وہ صریح نقصان میں واقع

مُبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا

ہوگا شیطان ان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور ان کو ہوسیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف جھوٹے

غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا

وعدے کرتا ہے ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ

مَحِيصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ

نہ پاویں گے اور جو لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب ایسے

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ

باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے خدا تعالیٰ نے (اس کا)

وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾

وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا

شرک ناقابلِ معافی جرم ہے

اللہ تعالیٰ کو یہ قطعاً برداشت نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے بڑے گناہ کو اگر معاف کرنا چاہیں گے تو معاف کر دیں گے لیکن شرک کرنے والے کو ہرگز معاف نہیں کریں گے بلکہ اس کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائیگا، بہرحال شرک کرنے والا بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے:

اس کے بعد اللہ پاک نے مشرکین کی بے وقوفی کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ کس قدر بیوقوف ہیں کہ جن مورتیوں کو پتھروں سے اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں اسی کی پوجا کرتے ہیں اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔ اور یہ لوگ شیطان کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں وہ شیطان جس کو اللہ پاک نے اپنی رحمتوں سے دور کرکے ملعون بنا دیا ہے اور جو انسانوں کا ایسا کھلا دشمن ہے کہ اس نے خدا کے سامنے کہا تھا کہ میں ضرور انسان کو گمراہی میں مبتلا کر دوں گا، اور میں ان کو ایسی ہوس اور امیدیں دلاؤں گا جس سے ان کا رجحان گناہوں کی طرف بڑھے گا، اور میں ان کو شرک کی ایسی باتیں سکھاؤں گا کہ وہ جانوروں کے کان چیر کر بتوں کے نام چھوڑ دیں چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے، اور شیطان نے یہ بھی کہا تھا کہ میں انسانوں کو ایسی تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ کی بتائی ہوئی صورت بگاڑیں مثلاً ڈاڑھی منڈوانا، یا بدن پر تصویریں وغیرہ گندوانا ،.

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ شیطان اپنے ماننے والوں سے جھوٹے اور فریب آمیز وعدے کرتا ہے کہ تم بے فکر رہو نہ قیامت آئے گی نہ حساب و کتاب ہوگا اور نہ ہی عذاب ہوگا تم آرام کے ساتھ دنیا کی زندگی کے مزے لوٹتے جاؤ، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ شیطان کے وعدے محض فریب اور دھوکا ہے، جو اس کے نقش قدم پر چلے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ اس سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا،

آخری آیت میں اللہ پاک نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو شرک سے دور رہ کر توحید کا دامن مضبوطی

سے بچاتے ہوئے ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں ان کو جنت کے ایسے باغات میں داخل کر دوں گا جن کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، خدائے پاک کا یہ وعدہ بالکل سچا اور اٹل ہے اور آخر خدا سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے اس نے جو فرما دیا وہ ہر حال میں ہو کر رہے گا۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے، جو شخص کوئی برا کام کریگا وہ اس کے

يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾

عوض میں سزا دیا جاویگا اور اس شخص کو خدا کے سوا کوئی یار ملے گا نہ مددگار ملے گا

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ

سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا اور ایسے شخص سے

اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

زیادہ اچھا کس کا دین ہو گا جو کہ اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو۔ اور وہ ملت ابراہیمؑ کا اتباع

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلّٰهِ مَا

کرے جس میں کجی کا نام نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنایا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو

بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾

احاطہ فرمائے ہوئے ہیں

ع ١٥

شانِ نزول حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب میں (یہود و نصاریٰ) فخریہ طور پر بحث شروع ہو گئی، اہل کتاب نے کہا ہم تم سے اعلیٰ

وافضل ہیں کیونکہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے۔ اور مسلمانوں نے کہا ہم تم سب سے زیادہ اعلیٰ وافضل اور اشرف ہیں کیونکہ یہ شرف صرف ہمارے ہی نبی کو حاصل ہے کہ ان پر نبوت ختم کر دی گئی، آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اور ہماری کتاب کو وہ اعلیٰ درجہ حاصل ہے جو کسی دوسری آسمانی کتاب کو نصیب نہیں ہوا کہ اس کے نازل ہونے کے بعد تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا گیا یعنی ان پر عمل کرنے کی اجازت نہیں بلکہ قیامت تک صرف قرآن کریم ہی پر عمل کر کے آدمی صاحب ایمان بن سکتا ہے اور اپنا ٹھکانا جنت بنا سکتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے اس طور پر فخر کرنا تم میں سے کسی کے لئے زیبا نہیں، محض خیالات، تمناؤں اور دعووں سے کوئی کسی سے افضل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ افضلیت کا دار و مدار عمل پر ہے جس کے جیسے اعمال اور عقائد ہوں گے اسی کے مطابق وہ جزا و سزا پائیں گے،،

اس کے بعد اللہ پاک نے یہ بات بھی واضح فرما دی ہے کہ ہمارے یہاں اس کا دین مقبول ہے جو ملت ابراہیم پر قائم ہو، اس کو مسلمانوں اور اہل کتاب کے عمل سے پرکھا جائیگا کہ کون حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے یقیناً مسلمان ہی کے اعمال حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کے مطابق ملیں گے کسی دوسری قوم کے نہیں وہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا نام لیتی ہے عمل سے کوسوں دور ہے،،

اخیر آیت میں ارشاد ہے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے اور اللہ پاک اس کا احاطہ فرمائے ہوئے ہیں کہ اس کی تمام باتیں اللہ کے علم میں ہیں۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ
اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ انکے بارے میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو کہ

فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ
قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں ہیں جن کو جو ان کا حق مقرر ہے نہیں دیتے، ہو اور ان کے ساتھ

تَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا
نکاح کی خواہش رکھتے ہو — اور کمزور بچوں کے باب میں — اور اس باب میں

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾
کہ یتیموں کی کارگذاری انصاف کے ساتھ کرو اور جو نیک کام کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں

یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم

سورۂ نساء کے شروع میں یتیموں اور عورتوں کے حقوق اور ان سے متعلق خاص احکامات بیان ہوئے کیونکہ زمانہ جاہلیت

بعض آدمی ان کو میراث ہی نہ دیتے تھے، اور بعضے جو مال میراث میں یا کسی اور طریقہ سے ان کو ملتا تھا اس پر ناجائز طور پر قبضہ کر لیا کرتے تھے، بعضے ان سے نکاح کر کے ان کو پورا مہر نہیں دیتے تھے ان آیات میں ان سب کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں بالغ مرد بچہ اور عورت کو وراثت کا مال نہیں دیتے تھے جب سورۂ نساء کی ابتدائی آیات میں میراث کے تفصیلی مسائل بیان ہوئے تو لوگوں کو بڑا شاق گذرا اور کہنے لگے کیا بالغ مرد کی طرح عورت اور بچہ بھی وارث ہو گا، اور پھر تحقیق کے لئے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی جسمیں عورتوں اور یتیموں کے ہر طرح کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں اس شخص کے متعلق بیان ہے جو ایسی یتیم لڑکی کا سرپرست ہو جو اس کے مال میں وارث ہو اور یہ اس کے بدصورت ہونے کی وجہ سے اس سے خود نکاح نہیں کرتا، اور نہ ہی کسی دوسرے سے نکاح کرنے دیتا ہے اس خوف سے کہ جس مال کی یہ وارث ہے جو اب تک میرے قبضہ میں ہے کسی دوسرے کے پاس چلا جائیگا، حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس آیت میں اس شخص کے بارے میں بیان ہے جس کی سرپرستی میں کوئی یتیم لڑکی ہو اگر وہ خوبصورت اور مالدار رہے تو اس سے خود شادی کا خواہش مند ہے اور مہر پورا ادا کرنے کے لئے آمادہ نہیں، اور اگر وہ بدصورت اور غریب ہے تو اس سے نکاح کا نام بھی نہیں لیتا۔ اس آیت میں ایسے تمام لوگوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ان کمزوروں کے ساتھ انصاف سے کام لیں اور یہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے بخوبی واقف ہے جو بھی نیک کام کرو گے اس کام کو بہترین بدلہ ملے گا یعنی جنت الفردوس میں داخل کر دیا جائے گا۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بددماغی یا بے پرواہی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم

عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ

ایک خاص طور پر صلح کریں اور یہ صلح بہتر ہے

وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ

اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں

تفسیر اگر کسی عورت کو یہ غالب گمان ہو کہ اس کے شوہر اس سے بے پروائی اور بے رخی کئے ہوئے ہیں اور اس قدر ناراض ہیں کہ طلاق دیدیں گے، تو ایسی صورت میں کچھ حرج کی بات نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کرلیں بہرحال باہمی سمجھوتہ بہترین چیز ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہو کہ وہ اس سے محبت نہیں کرسکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو عورت کہتی ہے کہ میں اپنے حقوق مثلاً مہر، کھانے کپڑے وغیرہ چھوڑتی ہوں، یا اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو یہ عورت کہے کہ میں اپنی رات گذارنے کی باری کو چھوڑتی ہوں آپ مجھ کو اپنے سے الگ نہ کریں یعنی طلاق نہ دیں، شوہر اگر اس پر راضی ہوجاتا ہے تو یہ باہمی صلح جائز ہے اور بہتر ہے طلاق سے۔

اس کے بعد اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اگر اے مردو تم اپنی بیویوں کے ساتھ احسان اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرو تو ہم تمہیں اس کا بہترین اجر دیں گے، مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ تمہارا دل بیوی سے نہیں ملتا اور اس وجہ سے تم اس کے حقوق ادا کرنا مشکل سمجھ کر آزاد کرنا چاہتے ہو اگرچہ تمہیں آزاد کرنے کی اجازت ہے، اور عورت اپنے کچھ حقوق معاف کردے تو صلح کر لینا بھی جائز ہے لیکن اگر خدائے تعالیٰ کے خوف کو سامنے رکھ کر احسان سے کام لو اور دل نہ ملنے کے باوجود بیوی سے نبھاؤ کرو اور اس کے تمام حقوق بھی ادا کرو تو تمہارا یہ حسنِ عمل اللہ دیکھ رہا ہے وہ اس پر تم کو بہترین بدلہ عطا فرمائیگا۔

اور ایسی صورت میں جب کہ شوہر بیوی سے بے پروائی کرے اس کے حقوق ادا نہ کرے تو عورت کو یہ اختیار ہے کہ اسلامی عدالت میں اپنی آزادگی کا مطالبہ کر کے آزاد ہوجائے، لیکن اگر عورت شوہر کی بے رخی اور بدسلوکی پر صبر کر کے، اپنے حقوق چھوڑ کر شوہر سے نبھاؤ کرے اور شوہر کے حقوق ادا کرتی رہے تو اس کے اس حسنِ عمل کو بھی اللہ دیکھ رہا ہے وہ اس پر اس کو بہترین بدلہ عطا فرمائیگا

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو

تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا

ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کردو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو۔ اور اگر اصلاح کرلو اور احتیاط رکھو تو

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر دونوں میاں بیوی جدا ہوجاویں تو اللہ تعالیٰ اپنی

سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاج کر دیگا اور اللہ تم بڑے وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

بیویوں میں برابری کا بیان

سورۃ نساء کے شروع میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر تمہاری ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان میں ہر طرح سے برابری کرو اور اگر تم ان میں برابری نہیں کر سکتے تو پھر صرف ایک بیوی رکھو۔ اس آیت پاک میں ارشاد ہے کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح کی برابری نہیں کر سکو گے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بیوی سے تم کو دلی محبت ہے اس کی طرف دل کا جھکاؤ نہ ہو یہ ناممکن ہے اسی لئے حضور علیہ السلام نے باوجودیکہ سب بیویوں میں برابری کا معاملہ کرتے تھے مگر ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتے تھے کہ اے میرے رب جو کچھ میرے بس اور قبضہ میں ہے اس میں میں برابری کرتا ہوں لیکن جو بات یعنی دلی محبت و میلان میرے قبضہ میں نہیں صرف میرے اختیار میں ہے اسمیں مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا۔ البتہ جو تمہارے اختیار میں ہے مثلاً رات گذارنا کھانا کپڑا وغیرہ ان میں مکمل برابری کرو ایسا نہ ہو کہ جس کی طرف دل کا میلان زیادہ ہو اسی کو سب کچھ سمجھ کر دوسری بیویوں کے حقوق میں کوتاہی کرنے لگو ایسا کرو گے تو خدا کی گرفت میں آجاؤ گے۔

یہ بات قرآن کریم نے کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ اگر تم بیوی کے حقوق ادا نہ کر سکو تو اسکو آزاد کر دو اس جگہ آخری آیت میں میاں بیوی کی تسلی کیلئے ارشاد ہے اگر میاں بیوی میں طلاق کی وجہ سے جدائی ہو جائے تو اللہ اپنی قدرت سے دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کا محتاج نہیں رکھے گا عورت کو دوسرا شوہر دیدیگا اور مرد کو دوسری بیوی اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں ہر ایک کیلئے مناسب سبیل نکالدیتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور اللہ تعالیٰ کی ملک میں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم ناسپاسی کرو گے تو اللہ تعالیٰ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

کی ملک میں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے حاجتمند نہیں خود اپنی ذات میں محمود ہیں

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ

اور اللہ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں اگر ان کو

يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ

منظور ہو تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دیں اور دوسروں کو موجود کر دیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت

قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا

رکھتے ہیں جو شخص دنیا کا معاوضہ چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا

وَالْاٰخِرَةِ ط وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾

معاوضہ ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں

تفسیر ان آیات میں تاکیداً تین بار یہ بات بیان فرمایا کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ ہی کا یعنی سب اسی کی مخلوق ہیں اور وہ سب کا مالک ہے۔ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی اہل کتاب یہود و نصاریٰ وغیرہ کو حکم دیا تھا اور تم کو بھی حکم کرتے ہیں کہ اپنے رب سے ڈرو یعنی صرف اسی کی عبادت و اطاعت کرو اور اگر تم خدا کی ناشکری اور مخالفت کرو گے تو یاد رکھو اس میں اللہ کا کوئی نقصان نہیں بلکہ تمہارا ہی نقصان ہے کہ اس کی سزا بھگتنی پڑے گی، اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ پاک ایسی قدرت والے ہیں کہ تم سب کو فنا کر کے دوسری مخلوق پیدا کر سکتے ہیں یہ تو محض اس کا احسان و کرم ہے کہ اس نے ہم کو اپنی بندگی کرنے کا موقع دیا ہمیں چاہئے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ عبادت و اطاعت کر کے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کریں اور اس کی نافرمانی سے بچ کر اس کی ناراضگی و غضب سے اپنے کو بچائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کیلئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ

ذات پر ہو یا کہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے

اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا

ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے، سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

انصاف اور سچی گواہی پر قائم رہنے کا حکم

حضرت سُدی کا بیان ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی جھگڑا لے کر حاضر ہوئے ایک مالدار تھا دوسرا غریب آپؐ کو یہ خیال ہوا کہ بیچارہ غریب مالدار پر کیسے ظلم کر سکتا ہے لہذا آپ کا جھکاؤ غریب کی طرف ہوا، فوراً ہی اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے کہ اے مومنو انصاف پر قائم رہنے والے ہو جاؤ اور جب بھی تمکو گواہی دینی پڑے تو سچی گواہی دینا، چاہے وہ گواہی خود تمہارے خلاف پڑ رہی ہو اور چاہے تمہارے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے خلاف پڑے اور اسی طرح اگر کسی مالدار کے خلاف گواہی دینی پڑے تو اس کے مال کے رعب سے دب کر غلط گواہی مت دینا، اور اگر کسی غریب کے خلاف گواہی دینا پڑے تو اس کی غربت پر ترس کھا کر بھی غلط گواہی کبھی مت دینا، حاصل یہ کہ کوئی اپنا ہو یا غیر، ضرورتمند ہو یا بے نیاز کسی کے حق میں بھی جھوٹی گواہی مت دینا یاد رکھو جن کے حق میں تم غلط گواہی دیکر ان کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہتے ہو اللہ پاک تم سے زیادہ ہمدرد ہیں، انکے لئے سودمند یہی ہے کہ گواہی سچی دیجائے اگرچہ اس سے ان کو وقتی طور پر کچھ نقصان بھی پہونچ جائے مگر انجام کار فائدہ مند ان کیلئے یہی ہے۔

اسکے بعد گواہی دینے والوں کو اللہ پاک نصیحت و تنبیہ فرماتے ہیں کہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی مت کرنا ورنہ اندیشہ ہیکہ تم حق سے ہٹ جاؤ اور غلط گواہی دیدو، یا پھر گواہی دینے سے ٹال مٹول کرنے لگو۔ یاد رکھو اللہ تمہارے تمام کاموں کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں لہذا جیسے کام کروگے ویسی ہی تمکو جزا و سزا دیجائیگی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ

اے ایمان والو ۔ تم اعتقاد رکھو ۔ اللہ کے ساتھ ۔ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے رسول پر

عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ

نازل فرمائی ۔ اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ ۔ پہلے نازل ہو چکی ہیں ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ

اور اسکے فرشتوں کا اور اسکی کتابوں کا۔ اور اسکے رسولوں کا۔ اور روز قیامت کا۔ تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور

بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

جا پڑا ۔ بلاشبہ جو لوگ ۔ مسلمان ہوئے ۔ پھر کافر ہو گئے۔ پھر مسلمان ہوئے ۔ پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے

ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے ۔ اور نہ ان کو (منزل مقصود یعنی بہشت کا) راستہ دکھائیں گے

ایمان کامل

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ کامل ایمان اختیار کرو، اور ایمان کامل کی تشریح خود فرماتے ہیں کہ اللہ کو، اسکے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو، قرآن کریم کو، اور دوسری آسمانی کتابوں کو حق جانو، اور اسی طرح تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام اور یوم قیامت کو بھی حق جانو۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو شخص ان میں سے کسی ایک کو ماننے سے انکار کرے گا بجو وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اور پھر فرماتا ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر کافر ہو گیا اور پھر مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد پھر سے کفر میں جا پڑے اور کفر ہی میں گھستا چلا گیا یہاں تک کہ اس کی موت کفر ہی پر ہوئی تو اللہ پاک ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں بخشیں گے۔ اور نہ ان کو منزل مقصود یعنی جنت کا راستہ دکھائیں گے بلکہ ہمیشہ کے لئے ان کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ انکے واسطے بڑی دردناک سزا ہے جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا انکے پاس معزز رہنا چاہتے

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى

ہیں سو اعزاز تو سارا خدا کے قبضہ میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے

الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا

کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تم ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو

تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا

جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں کہ اس حالت میں تم بھی

مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾

انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دینگے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہوگئی تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ

ساتھ نہ تھے۔ اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب آنے لگے تھے

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا۔ سو اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾

ع ۱۷

فیصلہ فرمادیں گے اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمادیں گے

تفسیر

ان آیات میں اللہ پاک نے اپنے پیغمبر محمد عربیؐ سے فرمایا کہ منافقوں کو دردناک عذاب کی خبر سنادیجئے جو انکو مرنے کے بعد جہنم میں بھگتنی پڑے گی اور انکو یہ عذاب اس لئے دیا جائیگا کہ انکے عقیدے تو مسلمانوں جیسے تھے ہی نہیں، اور تعلقات بھی انھوں نے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے بڑھائے صرف اس لئے کہ ہم باعزت ہوجائیں گے مگر یہ بھول بیٹھے کہ عزت اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسکو چاہے دے، پس اگر اللہ ان کافروں کو جن سے جاجا کر تم اپنی دوستی کا دم بھرتے ہو عزت نہ دیں تو تم کیسے عزت والے بن جاؤگے۔

جب تک حضور اور صحابہ مکہ میں رہے تو مشرکین ... اور ہجرت کے بعد مدینہ پہونچنے پر یہود اور منافق کھلم کھلا کمزور مسلمانوں کے سامنے مذہب اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سے پہلے ہی یعنی سورۃ انعام میں یہ حکم بھیجدیا تھا کہ ایسے فاجر و فاسق اور کافروں کی مجلس میں بیٹھو۔ اور اب اس آیت میں پھر انہی بات کو دوبارہ سمجھایا جارہا ہے کہ ایسے خبیث الفطرت لوگوں کے پاس قطعاً مت بیٹھو جب تک وہ لوگ اس بیہودہ گفتگو میں مشغول رہیں اسوقت تک ان کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے، اور جب وہ اس گفتگو کو ختم کرکے کوئی اور بات شروع کردیں تو اس وقت ان کی مجلس میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ یہ قرآن کریم نے اس کی کوئی وضاحت نہیں فرمائی، اسلئے حضرات علماء کا اسمیں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ مخالفت کیوجہ یعنی بیہودہ گفتگو ختم ہوچکی لہذا اب شرکت کرنے میں کچھ گناہ نہیں، اور بعض علماء جنمیں حضرت حسن بصریؒ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ ایسے فاسق و فاجر اور کفار کی مجلس سے علیحدہ رہنا لازم ہے۔

حضرات علماء کی ان دونوں رائے کو سامنے رکھتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی مجلس میں بلا ضرورت شرکت جائز نہیں ہاں اگر کوئی ضرورت پڑجائے تو پھر شرکت کی اجازت ہے:-

آیت کے آخری حصہ میں اللہ نے فرمایا کہ اگر تم ایسے لوگوں کی مجلس میں خوشدلی سے شرکت کرو گے تو ان کے گناہ میں برابر کے شریک ہو گے اور ہم ان کافروں اور منافقوں کو جہنم میں اکٹھا کر کے سخت قسم کا عذاب دیں گے۔

"اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ الایۃ" اس آیت میں منافقوں کی ایک اور حرکت کا ذکر ہے کہ یہ منافق ہر وقت اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آن پڑے، اور اگر منجانب اللہ مسلمانوں کو جہاد میں فتح ہو جاتی ہے تو ان سے باتیں بناتے ہیں کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ جہاد میں شریک تھے ہم کو بھی مال غنیمت کا حصہ دو، اور اگر کافروں کو مسلمانوں پر کچھ غلبہ مل گیا تو ان سے جا کر باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم مسلمانوں کے ساتھ مل کر تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے مگر ہم نے قصداً تمہیں غالب کرنے کے لئے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر لڑائی کی اختیار کی کہ پانسہ پلٹ گیا اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا جبکہ تم مغلوب ہونے لگے تھے، اسطرح کہ ان کی مدد نہ کی اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی، یہ سب کچھ کہنے سے منافقوں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اے کافرو ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آرہا ہے اس میں سے ہم کو بھی حصہ دو، غرض کہ دونوں طرف سے ہاتھ مارتے تھے۔

اس کے بعد اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تمہارا اور ان کا قیامت کے دن ہم عملی فیصلہ فرما دیں گے کہ منافقوں کو مجرم ٹھہرا کر جہنم میں پہونچا دیں گے اور مسلمانوں کو حق پر ہونے کے سبب جنت میں پہونچا دیا جائیگا، اور کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ فرمائیں گے بلکہ قیامت کے دن ہر طرح کی فتح و کامیابی اور غلبہ مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگا:-

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
بلاشبہ منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں۔ اور جب نماز کو

اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ
کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے

اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ ۖ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی
مگر بہت ہی مختصر معلق ہو رہے ہیں دونوں کے درمیان میں نہ ادھر نہ

ھٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾ یٰٓاَیُّھَا
ادھر اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈالدیں ایسے شخص کیلئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے اے ایمان والو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

والو تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

کیا تم یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کر لو

تفسیر ان آیات میں منافقوں کے متعلق بیان ہے کہ یہ ناسمجھ اپنا ایمان ظاہر کرنے کی چالیں اس خدا کے سامنے چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دلوں کے پوشیدہ رازوں کو جانتا ہے، اور یہ کم سمجھ لوگ یہ سوچ رہے ہیں کہ جس طرح ہمارا نفاق دنیا میں چل گیا مسلمانوں میں ملے جلے رہے اسی طرح اللہ کے یہاں بھی چل جائے گا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ خدا کے سامنے بھی یہ اپنے سچے مومن ہونے کی اس طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح دنیا میں کھاتے تھے مگر اللہ کے سامنے ان کی ایک نہ چل سکے گی، اللہ پاک ان کو دنیا میں ڈھیل دے رہے ہیں جس سے یہ دھوکہ میں آئے ہوئے ہیں کہ منافق بن کر ہم کوئی اچھا کام کر رہے ہیں، آگے ان کی نماز کا ذکر ہے کہ بے پناہ کاہلی اور سستی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں محض مسلمانوں کو دکھانے کے لئے کہ ہم بھی مسلمان ہیں، اور نماز کی جو اصل روح ہے یعنی خدائے تعالیٰ، پر پورا پورا یقین اس کی رحمت کی امید اس سے یہ خالی ہیں۔ اور یہ منافق لوگ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان بدعقیدوں سے کیا بعید ہے کہ یہ نماز میں کچھ تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہوں اور باقی نماز کی صورت بنا کر اٹھنا بیٹھنا کر کے لوگوں کو دکھا دیں کہ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا کہ ذکر سے مراد نماز ہے مطلب یہ ہے کہ یہ نماز پابندی سے نہیں پڑھتے بلکہ بہت کمی کے ساتھ گنڈے دار نماز پڑھتے ہیں۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لٹکے ہوئے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان کہ باہر سے مسلمان اور اندر سے کافر ہیں، ابن ابی حاتم میں ہے کہ مومن، کافر اور منافق کی مثال ان تین آدمیوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے ان میں سے ایک دریا پار کر کے دوسرے کنارہ پر پہونچ گیا اور دوسرا دریا میں گھس کر بیچ میں جا کر رک جاتا ہے پار ہونے والا آواز لگاتا ہے ادھر آجا اور کنارہ پر کھڑا ہونے والا آواز لگاتا ہے ادھر آجا یہ بیچ میں حیران ہے کہ کدھر جاؤں اور اسی حالت میں دریا کی موجوں کا نوالہ بن جاتا ہے اور تیسرا وہیں کنارہ پر کھڑا رہ جاتا ہے، پس پار ہونیوالا مسلمان ہے اور ڈوبنے والا منافق ہے، اور کنارہ پر کھڑا رہ جانیوالا کافر ہے بس جسکو اللہ پاک گمراہی میں ڈالدیں وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتا، اور اللہ پاک گمراہی میں اسی کو ڈالتے ہیں جس کو دیکھ لیتے ہیں کہ یہ گناہوں میں اس قدر ڈوب چکا ہے کہ اب اس کا نکلنا ناممکن ہے۔

آخری آیت میں اللہ پاک نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ اے مومنو تم کافروں کو اپنا دوست مت

بناؤ جیسا کہ منافقوں کا شیوہ ہے کہ وہ ظاہری طور پر مسلمان ہوتے ہوئے کافروں سے دلی دوستانہ گانٹھے ہوئے ہیں، اے مومنو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے مجرم ہونے کا ثبوت قائم کرلو ان کافروں سے دوستی کر کے یعنی جب تم کو پہلے ہی منع کر دیا گیا کہ ان سے دوستانہ مت کرو اگر ایسا کرو گے تو تم خدا کی عدالت میں مجرم قرار دیئے جاؤ گے. لہذا اس سے بچو۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی

لَهُمْ نَصِيرًا ﴿۱۴۵﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ

مددگار نہ پا دے گا لیکن جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے دین کو خالص

وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا

اللہ ہی کیلئے کیا کریں تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہونگے اور مومنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے

عَظِيمًا ﴿۱۴۶﴾ مَّا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿۱۴۷﴾

اور اے منافق اللہ تعالیٰ تم کو سزا دیکر کیا کرینگے اگر تم سپاس گذاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنیوالے خوب جاننے والے ہیں

تفسیر اس آیت میں منافقوں کیلئے دردناک سزا کا بیان ہے کہ یہ جہنم کے سب سے نیچے والے حصہ میں پھینکے جائیں گے ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جہنم کے نیچے والے حصہ میں لوہے کے صندوق انگاروں سے بھرے ہوئے ہیں منافقوں کو ان میں بند کردیا جائے گا اور پھر انکو کوئی حامی و مددگار نہ مل سکیگا جو اس دردناک عذاب سے بچالے ، منافقوں کو کافروں سے زیادہ سخت سزا اس لئے دی جائیگی کہ انھوں نے اللہ و رسول اور اسلام کا مذاق اڑایا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا ۔ اللہ پاک چونکہ اپنے بندوں پر بہت ہی زیادہ رحم و کرم کرنے والے ہیں اس لئے ان منافقوں کو اس ہولناک دن کے آنے سے پہلے ہی فرمارہے ہیں کہ اگر تم اب بھی توبہ کرلو نفاق چھوڑ کر سچے مؤمن بن جاؤ اور اپنی اصلاح کرلو ، یعنی جو غلط کام تم نے ابتک کئے ہیں مثلاً مسلمانوں کو دھوکہ دینا ، ستانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا وغیرہ تو تم ہر طرح کے عذاب سے چھٹکارہ پاکر مخلص مومنوں کیساتھ جنت کے مزے لوٹنے والے بن سکو گے ، ان کی تسلی کیلئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ، آخر اے منافقو ! ہم تم کو سزا دیکر کیا کریں گے ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے اطاعت گذار بندے بن جاؤ ، اور ہم تو اپنی بندگی کرنے والوں کی بڑی قدر کرتے ہیں :۔

الحمد للہ پارہ والمحصنٰت کی تفسیر مکمل ہوئی